سلسلۂ نصابات علم معاشرت جامعۂ عثمانیہ

اصول قانون

جلد اول

مصنفہ

سر جان سامنڈ

سولیسیٹر جنرل فار نیوزیلینڈ

مترجمہ

مولوی سید علی رضا صاحب بی۔اے بیرسٹر ایٹ لا

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۴۴ھ م سنہ ۱۳۳۵ف م سنہ ۱۹۲۵ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب سر جان سالمنڈ (مصنف) کی اجازت سے
جن کو حق اشاعت حاصل ہے اردو میں ترجمہ کر کے
طبع و شائع کی گئی ہے

اصولِ قانون

جلدِ اوّل

پہلا باب

علم اصول قانون

فصل ۱ - اصول قانون بمعنی علم قانون

اصول قانون کے سب سے زیادہ وسیع اور جامع مفہوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی علم قانون کے ہیں اور اس طرح اصول قانون کی اس تعریف میں لفظ قانون اپنے اس مبہم اور عام معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جس سے مراد ایسے تمام مختلف قسم کے قواعد ہیں جو افعال انسانی کے متعلق بنائے جاتے ہیں اور جن کی تعمیل انسان پر لازم ہے اس لئے ان معنوں کے بموجب اصول قانون کی اتنی ہی قسمیں قرار پاتی ہیں جتنی قسمیں کہ قانون کی ہو سکتی ہیں۔ علم قانون کی چند معین و مخصوص شاخیں ہیں اور ہر ایک قسم اس علم کی نہایت اہم اور ترقی یافتہ موضوع بیان ہے۔ بہرحال اس بنا پر اصول قانون کی کم سے کم تین قسمیں ہیں۔

اوّل - ملکی اصول قانون - اس سے مراد قانون ملک کا علم ہے یعنی وہ قانون جو ہر ایک ریاست میں رعایا پر نافذ ہوتا ہے۔ اور اس علم کی غرض اس مجموعۂ اصول و ضوابط کی مکمل و باقاعدہ توجیہ و تصریح

کرتی ہے جن کو اُس ریاست کی عدالتیں تسلیم کرتی اور اُن کی تعمیل کراتی ہیں۔

دوم۔ بین الاقوامی اصول قانون۔ اس سے مراد قانون بین الاقوامی یا قانون اقوام کا علم ہے۔ اس کا تعلق اُن احکام و قواعد سے نہیں ہے جو مختلف ریاستوں میں نافذ ہوتے ہیں بلکہ اُس کا تعلق ایسے قواعد و ضوابط سے ہے جن پر ریاستیں باہم عمل کرتی ہیں۔ جس طرح کسی ریاست کی رعایا کی چال چلن وہاں کے قانون ملک کی تابع ہوتی ہے اُسی طرح مختلف ریاستوں کے تعلقات باہمی کی تنظیم و تشریح قانون بین الاقوام کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

سوم۔ قدرتی اصول قانون۔ یہ وہ علم ہے جس کو متقدمین یورپ نے قدرتی قانون یا قانون قدرت سے ملقب کیا تھا۔ اس سے اُن کی مراد اصول انصاف قدرت تھی۔ یعنے انصاف مثالی ایسا انصاف جو صرف انسان کے وہم و گمان میں موجود ہے اور جو اپنی آپ نظیر ہو سکتا ہو اور جس کا مقابلہ اُن چند ناقص و ناکمل انصاف کی شبیہوں اور صورتوں سے ہو سکتا ہے جو قانون ملک اور بین الاقوامی قانون میں پائی جاتی ہیں۔ اصول انصاف قدرت کو قانون سے موسوم کرنا جائز ہے کہ نہیں یا اُس کو اُس جنس کی ایک فرع سمجھنا چاہئے جس کی دو قسمیں قانون ملک اور قانون اقوام ہیں صحیح ہو سکتا ہے کہ غلط۔ ایسا سوال ہے جس کی بابت ہم کو اس مقام پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس امر کے اظہار سے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے ہماری غرض کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ متقدمین نے قانون قدرت کے متعلق گذشتہ سخت فرسائی کی ہے جس کے سبب سے اس کی نسبت وسیع ادب قانونی تیار ہو گیا ہے اور اسی ادب میں اُن لوگوں نے اس قانون کے لئے قانون ملک و قانون اقوام کے پہلو بہ پہلو جگہ تجویز کی ہے اور اسی بنا پر اصول قانون کی قدرتی، ملکی اور بین الاقوامی تین قسمیں جائز سمجھی جاتی ہیں۔

جو کتابیں قدرتی اصول قانون کے متعلق تصنیف ہوی ہیں وہ اصل میں اخلاق یا فلسفۂ اخلاق کی کتابیں ہیں لیکن اُن کا موضوع بیان اُس قدر وسیع نہیں ہے جیسا کہ فلسفۂ کی کتابوں کا ہونا چاہیئے۔ ان کتابوں میں انصاف کو حق کی مختلف قسموں کا مقابل و حریف مان کر صرف اُسی ایک مضمون یعنے انصاف سے بحث کیجاتی ہے۔ ان مصنفین کا طرز بیان اور مطمح نظر فلسفۂ اخلاق کے ماہرین سے زیادہ عالمان قانون سے ملتا ہے۔ بہرحال تجربہ سے یہ بات ثابت ہوی ہے کہ انصاف مثالی اور اصول حق قدرتی کی تحقیق کرنے کی کوشش فعل عبث ہے اور جو کچھ قانون قدرت کی نسبت ادبی مواد فراہم ہوا ہے وہ امور دنیوی میں بکار آمد نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ انگلستان میں چند دنوں سے لوگوں کے کان تک لفظ قانون قدرت اور اُس کی ماہیت سے آشنا نہیں رہے ہیں بلکہ یہ دونوں چیزیں دفتر پارینہ متصور ہوتی ہیں لیکن بر ایں ہمہ زمانۂ موجودہ میں قدیم طرز کے خیال کے متعلق کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔[1]

---

[1] قانون قدرت کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور "ادارات قانون" از لارمیر (Larimer's Institutes of Law) ہے۔ یہ ابتدائی رسالہ اُن اصول قانون کے متعلق لکھا گیا ہے جن کا تعین و اکتشاف قدرت کے جانب سے ہوا ہے۔ انگلستان کے سوائے یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی اگرچہ قانون قدرت کے ادب کی نہ پہلی سی قدر و منزلت باقی ہے اور نہ اول کی سی ترقی تاہم اب بھی لوگ اُس کی اہمیت کو مانتے ہیں چنانچہ اس قسم کی عمدہ تالیفات میں اہرن کی ایک نہایت اچھی اور قابل دید کتاب نظام قانون قدرت (Ahren's Cours de Droit Naturel) ہے۔ اسی طرح دو تین سو برس پہلے پفنڈارف کی نہایت مشہور و مقبول تصنیف قانون قدرت و قبائل (Pufendorf's De Nature et Gentium) سنہ ۱۶۷۲ء میں رائج تھی جو اب طاق نسیان پر رکھی ہوی ہے۔ اس کے متعلق تصنیفات فلسفیانہ مضمون نسبت قوائے عملی باب پنجم فصل سوم از ریڈ (Reids, Philosophical)

فصل ۲ اصول قانون بمعنی علم قانون ملک

اصول قانون کی تین قسموں کے بجائے اُس کے ایک دوسرے مفہوم کے لحاظ سے جو پہلے مفہوم سے زیادہ محدود ہے اور جس کا ذکر آچکا ہے محض ایک قسم قرار پاتی ہے یعنے مُلکی اصول قانون اور لفظ مُلکی سے متصف ہونے کے سبب سے وہ دوسری قسم کے اصول قانون سے ممیز ہوتا ہے اور اس اصول قانون سے مراد علم قانون ملک ہے۔ اسی طرح جب لفظ قانون کے ساتھ کسی امتیاز پیدا کرنے والی صفت کا استعمال نہ کیا جائے تو اُس کا مفہوم بھی قانون ملک ہوتا ہے یعنے ایسا قانون جس کو ہر ایک ریاست کی عدالتیں تسلیم کرتی اور تعمیل کراتی ہیں اسلئے جب ہم اصول قانون کے ساتھ کسی دوسرے لفظ کو بطور صفت نہیں استعمال کرتے[1] تو ہماری مراد اُسی ایک قسم کے علم قانون سے ہوتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- (Works Essay on the Activepowers, V.3 قابل دید ہے۔ ان میں مصنف نے قانون قدرت کے مختلف نظامات کی تصویر دکھلائی ہے۔ اس کے علاوہ ڈیوگلڈ اسٹوارٹ کے مجموعہ کی ساتویں جلد کا صفحہ ۲۷۰،۲ پڑھنے کے قابل ہے اور ان تصنیفات کی ہملٹن کمپنی مدیر ہے۔

[1] اگرچہ کسی زمانہ میں سِول لا (Civil Law) عموماً قانون ملک کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن تھوڑی مدت سے ایک دوسری غیر موزوں اصطلاح قانون مثبت (Positive Law) لوگوں کے زبان زد ہو گئی ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ کے مقننین نے قانون مثبت کو اُس قانون کے لئے اصطلاح ٹھیرائی تھی جس کو کوئی انسانی حکومت وضع کرتی یا قائم کرتی ہے (Positum) قانون مثبت یا موضوعہ ضد سمجھا جاتا تھا قانون قدرت کا جو نہ تو وضع کیا جاتا تھا اور نہ جس میں کسی قسم کا تغیر واقع ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس اصطلاح کی اہمیت اور خوبی کا باعث اس کا قانون قدرت کے مقابل سمجھا جانا ہے۔ لہذا قانون مثبت کی

ملکی اصول قانون کی تین قسمیں مقرر کی گئی ہیں - ترتیبی - تاریخی اور تنقیدی - ترتیبی اصول قانون کا تعلق زمانۂ موجودہ سے سمجھا جاتا ہے اور اس کی غرض ملک کے موجودہ نظام قانونی کی تصریح و تشریح کرنی ہے -

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- اصطلاح کو قانون ملک کے واسطے مخصوص کر دینا جائز نہیں ہوسکتا - ہر ایک شئے (اور قانون) جو قدرتی نہیں ہے مثبت ہے یعنے جس چیز کو قدرت نے نہیں بنایا اس کا بانی انسان سمجھا جاتا ہے اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جس طرح قانون موضوعہ کو انسانی حکومت بناتی ہے اسی طرح قانون بین الاقوامی اور قانون مذہبی کی بنا بھی انسان اور حکومت کے ہاتوں ہوتی ہے یہ دونوں قسم کے قوانین بھی اسی طرح قانون موضوعہ (Ius positivum) ہیں - Aquinas, Summa, 2 2 q 57 (De Ture) Art 2).

بنظر سہولت قانون کی دو قسمیں مقرر کی گئی ہیں قانون قدرت اور قانون مثبت سِوِل لا (قانون ملک) کے اور چند معنی ہیں جن میں کسی قسم کا خلط ملط نہیں پایا جاتا - اکثر اس اصطلاح سے مراد قانون روما (Corpus jus Civilis) لیجاتی ہے اور یہ اصطلاح قانون مذہبی کا مقابل سمجھی جاتی ہے چنانچہ ازمنۂ وسطیٰ میں انھی دو بڑے نظامات قانونی کے تابع حکومت اور کلیسا سمجھے جاتے تھے اس کے بعد سِوِل لا کا اطلاق ملک کے کل قانون پر نہیں بلکہ اس کے ایک جزو پر ہونے لگا اور اس کا مقابلہ قانون فوجداری قانون فوجی اور قانون مذہبی سے کیا جانے لگا لہذا اس بنا پر اس کے معنی قانون دیوانی ہوتے ہیں - اس اصطلاح کا ماخذ رومیوں کا (Ius Civile) قانون سِوِل ہے (وہ قواعد جو کوئی ریاست اپنی رعایا کے لئے نافذ کرتی ہے اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور ان کو قانون ملک کہتے ہیں) آئین جسٹی نین جلد ۱ فصل ۲ فقرہ ۱

اس کا مقصد قانون ملک کے نظام کے حسن و قبح کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ جس طرح کا نظام قانونی ہو اُس کو اُس کی اصلی حالت میں دکھلانا ہے۔ تاریخی اصول قانون کا تعلق زمانۂ گذشتہ سے ہے اور وہ ملک کے نظام قانونی کے ارتقا کی تدریجی حالت کی تاریخ بتلاتا ہے۔ تیسری قسم یعنے تنقیدی اصول قانون کا تعلق مستقبل خیالی سے ہے اور اس اصول قانون میں بیان کیا جاتا ہے کہ ملک کا قانون کیسا ہونا چاہیئے اور اس میں اس امر کی بحث نہیں کیجاتی کہ موجودہ قانون ملک کس حالت میں ہے۔ ترتیبی اصول قانون سے مراد تفسیر قانون ہے اور تاریخی اصول قانون کا مطلب تاریخ قانون اب تنقیدی اصول قانون کا مفہوم عام طور پر وضع قوانین ہے۔

فصل ۳۔ نظری اصول قانون

ایک اور زیادہ محدود معنوں کے لحاظ سے اصول قانون کا اطلاق کل قانون ملک پر نہیں بلکہ اُس کے ایک مخصوص جزو پر کیا جاتا ہے۔ اس محدود مفہوم کی بنا پر اُس کو علم قانون کے زیادہ اصلی، عملی اور مخصوص ابواب کے مقابلہ میں خیالی، نظری یا عام اصول قانون کہنا بجا ہے اور اس کتاب میں صرف اس ایک قسم کے اصول قانون سے بحث کرنا ہمارا مقصد ہے۔ اچھا تو اب ہمکو اس کی کس طرح تعریف کرنی چاہیئے جس سے اس میں اور علم قانون ملک کے دوسرے ابواب میں تمیز ہوسکے۔ نظری اصول قانون سے مراد قانون ملک کے اصول اساسی یا اصول اولین کا علم ہے۔ ہم کو اس امر کا اعتراف ہے کہ (ملک کے) نظام قانونی کے دوسرے ابواب اور اصول اساسی میں منطق کی رو سے فرق جتلانا نہایت دشوار ہے اس پر بھی ان دونوں کے فرق سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ ان میں جو امتیاز پایا جاتا ہے وہ محض درجہ کا فرق ہے لیکن دونوں کی نوعیت ایک

ہے لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علم قانون کے متعلق جس قدر خیالات و اصول اساسی ہیں اُن کی تدوین کرکے اُن کا ایک مجموعہ بنایا جائے اور اُس کو نظری اصول قانون سے موسوم کیا جائے گویا اس مجموعہ کو علم قانون کا مقدمہ سمجھنا چاہیئے۔ طلبائے قانون کی سہولت اور مطالب قانونی کے سمجھنے میں آسانی ہونے کی غرض سے علم قانون کے مخصوص ابواب سے اُس کے تمہیدی اور عام جزو کو علیحدہ کیا جاتا ہے اور یہی جزو ہماری بحث کا موضوع اور ہماری تحقیق کا مقصد ہے۔ یہ جزو کلی اصول قانون کے کل اصول اساسی پر مبنی ہے اور اس میں اصول قانون کی تینوں قسمیں ترتیبی، تاریخی اور تنقیدی شامل ہیں اس میں شک نہیں کہ نظری اصول قانون کے لئے کسی صحیح طریقہ کے ذریعہ سے حدود قائم نہیں ہوسکتے لیکن اس دشواری کے سبب سے اس مضمون کو علم قانون کا ایک خاص اور علیحدہ جزو نہ ماننے کی کوئی صحیح وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ مطالعہ کرنے والا اُس کو جب تک اس طرح تسلیم نہ کرے اُس سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتا۔ عملی نقطۂ نظر سے قانون کے اصول اساسی یا جُزئی اصول کے تحلیل کی انسان کو چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور نہ ان چیزوں کی دریافت کرنے کا کوئی فائدہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح فن قانون پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تصورات و اصول قانونی کی اہمیت بصورت عمل اُن کی تعمیم اور مثالی حالت سے زیادہ پائی جاتی ہے یعنی عملی اصول قانون پستی سے بلندی کی طرف ترقی کرتا ہے لیکن یہ ترقی زیادہ دور تک قائم نہیں رہتی بلکہ جس حد تک انسان کی ضرورتیں قانون سے پوری ہوتی ہیں صرف اُس حد تک عملی اصول قانون ترقی کرسکتا ہے اس کے برعکس انسان کو نظری اصول قانون میں قانون کی تعمیم اور مثالی حالت کی خوبیاں نظر آتی ہیں اور وہ ان اوصاف کا عملی اور عملی قانون میں اندازہ نہیں کرسکتا۔ اگر بالفرض ہم قانون کے ان دونوں ابواب کو بلحاظ مضمون (موضوع) ایک مانیں تو بھی بلحاظ

اُن کے مطالب طرز بیان اور اغراض اُن دونوں میں فرق عظیم پایا جاتا ہے۔ مجرد تحقیق و تحصیل قانون کا منشا علم قانون کے لئے اساس نظری قائم کرنا ہے جس کی اُس علم کو ضرورت ہے لیکن اس کے خلاف فن قانون کے اکتساب کے لئے اصول اساسی اور نظریات سے واقف ہونے کی حاجت نہیں ہے۔

ہر چند اس امر کی نسبت کہ بلحاظ تعمیم و دلچسپی علمی و مثالی کون کون مضامین خیالی اصول قانون میں داخل ہو سکتے ہیں اساتذہ کے درمیان اختلاف آرا ہے لیکن ہماری رائے میں عموماً مضامین ذیل اِس اصول قانون کا موضوع ہو سکتے ہیں۔

۱۔ قانون ملک کے تصور کی تحلیل اور اُن تعلقات کا امتحان جو اس کے اور دوسری اقسام قانون کے درمیان پائے جاتے ہیں۔

۲۔ جن مختلف ذیلی اور اصلی خیالات سے قانون کا تصور مرکب ہوا ہے اُن کل تصورات کی تحلیل مثلاً سلطنت فرمانروائی اور عدل گستری وغیرہ کا حل کرنا۔

۳۔ ماخذ ہائے قانون کا بیان یعنے اُن ذرائع کا ذکر جن سے قانون اخذ ہوا ہے اور اس کے ساتھ نظریۂ وضع قوانین نظائر قانونی (فیصلہ جات عدالت) اور قانون رسمی کی تحقیقات۔

۴۔ کسی قوم یا ریاست کے ترقی قانون کے عام اصول کی تحقیق اور اُن اصول کا اُس منفرد و خاص نظام قانونی کے نشو و نما کے تاریخی واقعات سے موازنہ کر کے دونوں کے اختلافات بتلانا لیکن اس موازنہ اور مقابلہ کا تعلق تاریخ قانون سے ہے۔

۵۔ قانون کی ترتیب اصولی کی تحقیقات یعنے کسی ملک کے مجموعۂ قوانین کو چند مخصوص شعبوں میں اس طرح ازروئے منطق تقسیم کرنا اور اُن خصوصیات کی تحلیل جن پر اس طرح کی تقسیم مبنی ہو سکتی ہے۔

۶۔ تحلیل تصور حقوق قانونی اور تقسیم حقوق کا بیان جس کے سبب سے

اُن کی چند قسمیں قرار پاتی ہیں اور حقوق کی تخلیق و انتقال اور ان کے زائل ہونے کی نسبت عام نظریہ۔

۷۔ دیوانی اور فوجداری طرز کی قانونی ذمہ داری کے نظریہ کی تحقیقات۔

۸۔ امور متذکرۂ بالا کے سوائے دوسرے تصورات قانونی کا امتحان جو اُن کی نوعیت اور خصوصیت میں کوئی خیالی دلچسپی اور اہمیت یا دشواری کے سبب سے انسان کے تخیلات کو اُن چیزوں کی ماہیت وغیرہ کے متعلق توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً ملک، قبضہ، وجوہات، امانتیں کارپوریشن اور بہت سی اسی قبیل کی دوسری چیزیں ہیں جن کی نوعیت، خصوصیات اور حقیقت کو آدمی خیالی نقطۂ نظر سے دریافت کرنا چاہتا ہے[1]۔ نظری اصول قانون کا صحیح مطلب اور مفہوم سمجھانے کے لئے ہم ذیل میں اُن امور کو بیان کرتے ہیں جو اس علم میں داخل نہیں ہیں۔

۱۔ اولاً یہ کہ نظری اصول قانون کسی جامد یعنے حقیقی نظام قانون کا سلیس اور سرسری خاکہ نہیں ہے۔ اس کا مبادیات قانون سے نہیں بلکہ تصورات قانونی سے تعلق ہے اور اُس کے ذریعہ سے اُن کی غایت اور غرض معلوم ہوتی ہے اس میں نظام قانونی کے نہایت سلیس اور ابتدائی حصص واجزا سے بحث نہیں کیجاتی بلکہ اس میں اس کے نہایت دشوار اور دقیق اجزا کا ذکر کیا جاتا ہے جس طرح معقولات (الہیات) کا

[1] جو فہرست کہ اس موقع پر نظری اصول قانون کے مضامین کی نسبت بتلائی گئی ہے وہ ہرگز مختتم نہیں ہوسکتی۔ اس علم کے ان چند شعبوں کے نام بتلا دینے سے ہمارا مقصد اُن کے متعلق چند تمثیلات پیش کرنا ہے ورنہ نظری اصول قانون کے مضامین کا دائرہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

شمار علوم ابتدائی وسلیس میں نہیں کیا جاتا اُسی طرح نظری اصول قانون کو بھی قانون ابتدائی وسلیس نہیں سمجھنا چاہیئے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ہر چند اس کا لقب عام اصول قانون بھی ہے لیکن جیسا کہ بعض اساتذہ کی رائے ہے کہ یہ علم[1] دنیا کے مختلف نظامات قانونی کے تمام تصورات اور اصول مشترکہ پر مبنی نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ یہ علم ایک بڑی حد تک ایسی ریاستوں کے نظامات قانونی پر مشتمل ہے جن کو قائم ہوکر اور جن میں قانون بن کر صدیاں گذر گئی ہیں۔ چونکہ اس قسم کے نظامات قانون کی تقریباً ایک سی حقیقت اور ایک ہی قسم کے اغراض ہوتے ہیں اس لئے ان کے اصول اساسی بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ لیکن متعدد قدیم ریاستوں میں یکساں اصول قائم ہوجانے سے اُن ہی اصول کی تدوین پر نظری اصول قانون نہیں بنا ہے چنانچہ زوجہ کے مرنے کے بعد زوجہ کی حقیقی بہن سے شوہر کا نکاح کرنا اگر دنیا کی ہر ایک ریاست میں ممنوع قرار دیا جاتا تو اس بنا پر یہ قاعدہ علم قانون کے اُس شعبہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس نظری اصول قانون میں شمار کیے جانے کے لئے جس طرح کسی قاعدہ کی عمومیت غیر مکتفی سمجھی جاتی ہے اُسی طرح اس کی عمومیت غیر ضروری بھی ہے مثلاً اگر انگلستان کے سوائے دنیا کی کل دوسری ریاستوں کے نظامات قانونی میں اگر نظائر قانونی کو قانون کا سا اثر نہ بخشا جائے تو بھی نظریہ متعلق فیصلہ جات عدالت اس علم کا منجملہ اور موضوعات کے ایک موزوں اور مفید موضوع قرار پاسکتا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ علم کی اس شاخ کو مخصوص طور پر اصول قانون یا علم قانون سے ملقب کرنا درست نہیں ہے کیونکہ بعض اساتذہ کا قول ہے کہ یہ علم علم قانون نہیں ہے۔ بلکہ اس کا محض مقدمہ ہے۔ ہم نے

---

[1] دیکھو آسٹن لکچرز متعلق اصول قانون طبع سوم صفحہ ۱۱۰۸۔

نقرات بالا میں بھی بخوبی ظاہر کر دیا ہے کہ نظری اصول قانون کو علم قانون کے ما بقی شعبوں سے کسی معین، معقول اور منطقی تقسیم کے ذریعہ سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اصول قانون کی جو تین قسمیں اوپر بتلائی گئی ہیں وہ عملی سہولت کی غرض سے مقرر کی گئی ہیں۔

سابق کے چند صفحوں میں علم قانون کی جن بعض قسموں کا ذکر کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے اُن کو بہ نظر سہولت ذیل کی جدول میں دکھلانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اصول قانون یا عام علم قانون
- ملکی
  - نظری۔ نظریہ متعلق قانون ملک۔ قانون ملک کے اصول اولین کا علم۔
  - عملی
    - ترتیبی۔ تفسیر و تصریح قانون۔ تاریخی۔
    - تاریخ قانون۔ تنقیدی۔ فن وضع قوانین۔
- بین الاقوامی۔ علم قانون اقوام
- قدرتی۔ علم قانون قدرت۔ و انصاف قدرت۔

فصل ۴۔ زبان انگریزی اور السنۂ غیر میں اصول قانون کا مفہوم

انگریزی زبان میں اصول قانون کی اصطلاح علم کے اُس شعبہ کے لئے استعمال ہوتی ہے جس کا نام ہم نے نظری اصول قانون رکھا ہے اور یہ انگریزی زبان کے تسمیۂ قانون کا خاصہ ہو گیا ہے۔ لیکن السنۂ غیر میں اصول قانون اور اس کے مترادفات کا اطلاق تمامی علم قانون پر کیا جاتا ہے اور اس کا مفہوم اُن زبانوں میں ہرگز یہ مخصوص و محدود علم

(یعنے نظری اصول قانون) نہیں ہو سکتا۔ غیر زبان میں جو ادب اصول قانون کے متعلق اور انگریزی زبان کے اس مضمون کے مشابہ پایا جاتا ہے وہ حسب ذیل تین قسم کا ہے۔

۱۔ اس مضمون پر جو جامع العلوم و المعارف قانونی کہلاتا ہے سب سے بہتر تصنیف آرنڈٹس کی ہے اور وہ اس شعبۂ علم کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے تمام قلمروئے اصول قانون (Rechts wissen schaft) کا علی الترتیب عام اور سرسری نقشہ کھینچکر اس کے مبادیات و مقدمات کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس مضمون وعلم کی غرض اصول قانون کے لئے حدود مقرر کرنا اس کے دائرۂ عمل واثر کا تعین اور ان تعلقات کا جو اس کے اور دوسرے علوم وفنون کے درمیان پیدا ہوتے رہتے ہیں بیان کرنا ہے۔ اس کے سوائے اصول قانون کی اندرونی تقسیمات اور اس کے اجزائے ترکیبی کے باہمی تعلقات کا ذکر کرنا بھی اس کا مقصود ہے۔

۲۔ کتب پینڈیکٹین ریخٹ (یعنے قانون رومی حالیہ) اور خصوصاً ان تصنیفات کا تمہیدی یا عام حصہ۔ جرمن ماہران قانون نے مجلۃ القوانین یوسطینیانوس یعنے اس قانون رومی کی جو متقدمین کے ہاں رائج تھا اور جرمنی میں اس کے قوانین موضوعہ کے پہلے نافذ رہا ہے غیر معمولی محنت ولیاقت سے تفسیر وتشریح کی ہے۔ اس طرح کا جو کام کہ رومیوں کے نظام قانون کی تدوین وتصریح کے متعلق کیا گیا ہے اس کا بالخصوص قانون انگلستان کے نظریہ پر بخوبی اطلاق ہو سکتا ہے اور اس میں کلام نہیں کہ اس تحقیق وتصنیف کے عام اجزا وابواب قانونی تصورات اساسی کی تحلیل علمی کے قابل تحسین تمثیلات بن گئے ہیں۔ اس زمرہ میں منجملہ اور تصنیفات کے سیوانی (Savigny) کی ناتمام تصنیف "نظام قانون رومائے حالیہ" کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اس شعبۂ قانون کی تعلیم سے

ونڈشیڈ (Windshied) اور ڈرن برگ (Dernburg) کے نام بھی روشن ہو گئے ہیں۔

۳- ادب السنۂ غیر کی ایک تیسری قسم جس کی انگریزی اصول قانون کے کتب سے تطبیق ہوتی ہے اصول قانون قدرت کی کتابوں پر مشتمل ہے اور جس کا ہم نے اس باب کے ابتدا میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ان کتابوں میں قانون قدرت اور انصاف قدرت کا تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس انگریزی اصول قانون کی کتابیں قانون ملک اور ملکی یا قانونی انصاف پر جو اس قانون کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے لکھی جاتی ہیں۔ اس پر بھی قانون قدرت اور قانون ملک نیز قدرتی انصاف اور قانونی انصاف میں ایسا گہرا تعلق پایا جاتا ہے کہ جو نظریہ پہلی قسم کے قانون اور انصاف کا ہو سکتا ہے وہی دوسری قسم کے قانون و انصاف کا اگر صریحاً نہیں تو ضمناً قرار پاتا ہے۔ لہذا ہم ان دونوں قسم کے قانون و انصاف کے فرق ظاہری یا صوری کو ناقابل لحاظ خیال کرتے ہیں اور اس بنا پر فرانسیسی زبان کے فلسفۂ قانون قدرت اور جرمنی زبان کے قلمروے اصول قانون کو انگریزی زبان کے نظری اصول قانون کے پہلو بہ پہلو قائم کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ زبان انگریزی کا اصول قانون پفنڈارف، برلاماکوئی، ہائی نی کی اس ((Pufendorf,) (Burlamaqui, (Heineccius)) اور دوسروں کے تصانیف و تالیف قانون قدرت سے براہ راست اخذ ہوا ہے۔

لہ جامع یا عام اصول قانون ابتدائً قانون قدرت کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔

ٰؔ فرانسیسی علما و اساتذائے قانون اس کو اُس لفظ کا مرادف سمجھتے ہیں جس کی انگریزی اساتذائے قانون (عدالتوں کے بنائے ہوئے قانون یعنے) عدالتی فیصلوں یا قانون نظری سے تعبیر کرتے ہیں اور اس مفہوم میں اصول قانون کا ضد فرانسیسی علما مسائل قانونی کو

دوسرا باب

قانونِ ملک

فصل ۵ تعریف قانون

قانون سے مراد وہ مجموعۂ اصول و قواعد ہے جس کو کسی ملک کی حکومت تسلیم کرکے اُس کے ذریعہ سے عدل گستری کرتی ہے یا مختصر یہ کہ قانون ایسے قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کو کسی ملک کی عدالتیں تسلیم کرکے اُن پر عمل کرتی ہیں۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ کسی ایک قانون کی نہیں بلکہ خود جنس قانون کی تعریف ہے۔ لہٰذا ہم کو اس امتیاز کی ماہیت دریافت کرنا ضرور ہے۔ لفظ قانون کے دو مفہوم ہیں اور بنظر سہولت اُن کو مجرد اور جامد الفاظ سے متصف کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ جب ہم قانون انگلستان، قانون ازالۂ حیثیت عرفی، قانون تعزیری وغیرہ کہتے ہیں تو ہم قانون کو اُس کے مجرد معنوں میں استعمال کرتے ہیں اسی طرح انگریزی زبان میں قانون اور انتظام، قانون اور انصاف، قانون کی کچہریاں (یعنے عدالتیں) اور بہت سے مرکب الفاظ ہیں جن میں لفظ قانون اپنے مجرد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہماری تعریف کا مصداق بھی قانون کا یہی ایک مفہوم ہے۔ اس کے برعکس قانون کے جامد معنوں کی تمثیل میں ہم کہا کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ نے فلاں قانون بنایا یا فلاں قانون کو منسوخ کیا۔ علیٰ ہذا القیاس کسی ریلوے کمپنی یا مجلس بلدیہ کے قوانین ذیلی (بائی لاز) اس دوسری قسم کی مثالیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ یعنے ایسا ادب قانونی جو عدالتی فیصلوں کے لئے ہدایت ہو قرار دیتے ہیں۔

ہوسکتی ہیں۔ اس کے سوائے انگلستان کے قوانین غلہ اور قوانین ملاحی سے بھی ہمارے کان آشنا ہیں۔ بہرحال قانون کے اِن دو معنوں میں فرق کرنے کی ضرورت اس لئے واقع ہوتی ہے کہ اُس کا اصلی اور جامد مفہوم اس قدر وسیع نہیں ہے کہ اُس کے دوسرے مجرد و مثالی مفہوم پر حاوی ہوسکے۔ قانون یا قانون مجرد میں تمام قوانین نافذہ شامل نہیں ہیں اور وہ اجزائے ترکیبی جن سے قانون مرکب ہوتا ہے قوانین نہیں بلکہ قواعد قانون یا اصول قانونی ہیں چنانچہ اس قاعدہ کو کہ وصیت نامہ کا دو گواہوں کی شہادت سے ثابت کیا جانا ضرور ہے قانون انگلستان کہنا درست نہیں ہے کیونکہ انگریزی قانون کا یہ ایک قاعدہ ہے۔ قانون جامد کا مفہوم کوئی قانون موضوعہ (A Statute) یا ایکٹ، فرمان، حکم یا اسی قسم کا حاکم مقنن کا کوئی فعل اقتداری سمجھا جاتا ہے اور اس قسم کا قانون منجملہ متعدد ماخذوں کے قانون مجرد کا ایک ماخذ ہے جس طرح رسم کے ذریعہ سے قانون رسمی کی بنا ہوتی ہے اور فیصلۂ عدالت کے ذریعہ سے قانون نظیری بنتا ہے اُسی طرح ایک جامد قانون، قانون موضوعہ کا ماخذ ہوتا ہے۔

اس ابہام کا خاص انگریزی زبان سے تعلق ہے اور اقلیم یورپ کی دوسری زبانوں میں ان دونوں مفہوم قانونی کے لئے جداگانہ الفاظ ہیں چنانچہ قانون کے جامد (وخاص) معنوں کے واسطے لیکس۔ لوئی گیسٹز اور لیجے (Lex, Loi, Geeetz & Legge) اور اُس کے مجرد (وعام) مفہوم کے لئے جس، ڈروا۔ ریخٹ اور ڈریٹو (Jus, droit, recht & diritto) استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن متذکرۂ بالا غیر زبانوں میں قانون کے ان دو مختلف مفہوم کی نسبت پوری احتیاط نہیں کیجاتی ہے اور کبھی کبھی جامد لفظ قانون مجرد قانون کے معنوں میں کہا جاتا ہے چنانچہ ازمنۂ وسطیٰ کی لاطینی میں لیکس (قانون جامد) کو جس قانون مجرد کے مرادف کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اسی طرح کا غلط ملط فرانسیسی

زبان کے لفظ لوئی (قانون مجرد) میں پایا جاتا ہے۔ برایں ہم اقلیم یورپ کی دوسری زبانوں میں لفظ قانون کے اس ابہام کو رفع کرنے کے لئے جداگانہ اور مخصوص الفاظ ہیں اور انگریزی زبان میں ان دونوں اصطلاحات کے لئے صرف ایک لفظ ہونے سے ابہام ہوگیا ہے اور یہ اُس زبان سے مخصوص ہے۔

انگلستان کے اکثر علمائے اصول قانون نے قانون کی مفہوم مجرد کے بجائے مفہوم جامد میں تعریف کی ہے۔ ان اساتذہ نے اس سوال کا کہ قانون جامد کیا شئے ہے جواب دیا ہے لیکن صحیح سوال تو یہ ہے کہ قانون کیا ہے اور اُس کے متعلق تحقیق بھی کرنی چاہئے۔ نظریہ علم قانون کا مرکز خیال لیکس (قانون جامد) نہیں بلکہ جس (قانون مجرد) ہے اور گی سٹیز (قانون جامد) نہیں بلکہ ریخٹ (قانون مجرد) ہے۔ اس معکوس اور خلاف فطرت طریقۂ تحقیقات پر دو اعتراض وارد ہوسکتے ہیں۔ اولاً یہ کہ غلط لفظ کے استعمال سے اصطلاحات قانونی میں بیکار الجھن اور غیر ضروری دشواری پیدا ہوتی ہے۔ اساتذۂ قانون کی زبان اور قلم سے قانون کا اُس شئے کے جامد معنوں میں استعمال ہونا خلاف عادت ہے۔ چنانچہ یہ لوگ قانون، قانون مجرد، قواعد قانون اور اصول قانونی عادتاً کہتے ہیں مگر شاذ و نادر ہی یہ حضرات ایک قانون یا ایک سے زیادہ قوانین کہتے ہوں گے اور جب کبھی ان لوگوں کو قانون کے مفہوم جامد کے استعمال کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ عام اور مبہم الفاظ استعمال کرنے کے عوض قانون کی کسی مخصوص نوع کا نام لیتے ہیں مثلاً کوئی قانون موضوعہ، پارلیمینٹ کا ایکٹ۔ کسی ماتحت محکمہ یا مجلس کا بنا یا ہوا ذیلی قانون (بائی لا) یا قاعدۂ عدالت کہتے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ قانون کے بجائے قوانین لینے قواعد کو موضوع بحث قرار دینے سے محققین کا رجحان ہر ایک قسم کے قانون کو قانون موضوعہ کا نمونہ قرار دینے کا ہوتا ہے اور وہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی طرف مائل

ہوتے ہیں کہ ہر ایک نوع کا قانون تحلیل کرنے کے بعد وضع کردہ قانون کی شکل میں لایا جا سکتا ہے اور اس بنا پر مثلاً شیان حقیقت قانون کی صحیح ماہیت اور مبدا دریافت کرنے کی غرض سے عدالتوں کے عوض مجلس وضع قوانین میں رجوع کرتے ہیں۔ انگریزی اساتذائے قانون اُن تمام ناموزوں اور غیر صحیح خیالات و مطالب کے ذمہ دار ہیں جو انگریزی زبان میں لفظ قانون کو مبہم استعمال کرنے سے اصول قانون میں پیدا ہو گئے ہیں[1]۔

فصل ۶ - عدل گستری

چونکہ سابق میں ہم نے عدل گستری کا حوالہ دیکر قانون کی تعریف کی ہے اس لئے اس مقام پر حکومت کے اس ضروری فرض کا مفہوم بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے حالانکہ اُس کی مکمل تحلیل کے تذکرہ کو کسی آئندہ موقع کے لئے ملتوی رکھنا بہتر ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ہر ایک ریاست میں رعایا سے معدلت کی تعمیل کرانے کے لئے کسی قدر جبر و تعدی سے حکومت کو کام لینا پڑتا ہے۔ کافۂ انام کی بدقسمتی ہے کہ اکثر آدمی اپنی بھلائی کے کاموں سے ناواقف ہیں۔ اختلاف طبع کے سبب سے انسانوں کی خواہشیں اور ضرورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور جس طرح آدمیوں کے مقاصد میں اختلاف کا واقع ہونا ضرور ہے اُسی طرح ایک ریاست اور اُس کی افراد رعایا کے اغراض و مطالب جداگانہ ہوتے ہیں اور اگر ہر ایک آدمی کو اُس کام کے کرنے کی آزادی دے دیجاتی جو اس کے خیال میں جائز و صحیح معلوم ہوتا ہے تو دنیا فریب اور ظلم سے مملو ہو جاتی۔ چنانچہ اس کے متعلق اسپی نوزا نے

---

[1] لفظ قانون کے اصلی اور مثالی معنوں کا جو فرق بتلایا گیا ہے اُس کے متعلق دیکھو جورس پروڈینس مصنفۂ پالک صفحات ۱۵ تا ۱۹ طبع ثانی اور اصول اخلاق و وضع قوانین (جلد ۱ صفحہ ۱۴۸ نوٹ) مصنفۂ بنتھم۔

اپنے رسالہ سیاسیات[1] کی ابتدا میں لکھا ہے کہ "وہ لوگ بھی جو عقل کو انسان کا رہنما مانتے ہیں اور جن کا عقیدہ ہے کہ اکثر بنی نوع انسان اگر اُن کو عقل کی پیروی کرنے کے متعلق تلقین و تہدید کیجائے تو کبھی راہ راست سے نہیں بھٹک سکتے حقیقت سے بہت دور ہیں اور خیالی پلاؤ پکانے کے علاوہ ایسے عالم تصور میں رہتے ہیں جس کو شعرانے دور زرّین سے تعبیر کیا ہے" اس لئے عدل و انصاف قائم رکھنے کے واسطے انسان کو نہ صرف معدلت کے متعلق تلقین کرنا کافی ہے بلکہ شخص مقتدر کی جانب سے اُس پر عمل کرنے کے لئے دوسرے کو مجبور کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ انسان کو محض راستہ بتلانا کافی نہیں بلکہ اُس کو جبراً اُس راستہ پر چلانا بھی ضرور ہے لہذا دنیا میں مختلف قسم کے تصحیحی اور جبری نظامات کی ایجاد ہوئی اور ان کی غرض صرف حق اور انصاف کو کسی خارجی ذریعہ یا آلہ سے قائم کرنا اور اُن کی تعمیل کرانا ہے۔ منجملہ ان کے ایک نہایت اہم انتظام عدل گستری منجانب حکومت ہے لیکن ایک دوسرا خارجی نظام ہے جو اپنا اثر سوسائٹی کی رائے اور خیالات کے ذریعہ سے انسانوں پر ڈالتا ہے اور جبر کا ایک تیسرا طریقہ بھی ہے جس کو مختلف ریاستوں نے اصول انصاف بین الاقوامی کی تعمیل کرانے کی غرض سے اپنے پر لازم کر لیا ہے۔

لہذا عدل گستری کی تعریف یہ ہوسکتی ہے کہ اُس کے ذریعہ سے ہر ایک ریاست میں حق (عدل و انصاف) بزور حکومت قائم کیا جاتا ہے۔

ہر ایک نظام قانونی میں وہ جزو قانون جس کے ذریعہ سے جبر استعمال کیا جاتا ہے سزا کہلاتی ہے اور ہر ایک قاعدہ (یا قانون) جو حق کے متعلق بنایا جاتا ہے اور جس کی اس ذریعہ سے حکومت تائید کرتی ہے مبنی بر سزا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جو جبر کہ ریاست مختلف طرح سے استعمال کرتی ہے وہ درحقیقت سزا ہے جو عدل گستری کرنے میں منجانب حکومت خلاف ورزی کرنے والے کو

[1] (Tractatus Politicus 15)

دی جاتی ہے اسی طرح سوسائٹی (نظام معاشرت) کی جانب سے جو سزا اُس کے منفرد ارکان کو ملتی ہے وہ ہمچشموں کا کسی ایک رکن کو بنظر حقارت دیکھنا یا تضحیک اور تحقیر کرنا ہے اور اس ذریعہ سے قوانین اخلاق کی تعمیل ہوتی ہے۔ سزاؤں میں سب سے زیادہ سنگین اور انتہائی سزا جنگ ہے جس کے ذریعہ سے معاشرت اقوامی میں قانون بین الاقوام کی تعمیل کرائی جاتی ہے علیٰ ہذالقیاس مذہبی قانون کو نافذ کرانے والی شئے یعنے سزائے قانونی وہ خیالات ہیں جن کے سبب سے انسان کسی فعل یا ترک فعل کو مذہبی نقطۂ نظر سے معصیت تصور کرتا ہے۔ انسان کے خوف کرنے سے کہ معصیت کی سزا اس دنیا میں یا مرنے کے بعد ملنے والی ہے یا اُس کے غضب الہی سے خائف ہونے کی صورت میں احکام مذہبی کی بشرطیکہ کسی مذہب کے قواعد کی جبری یا قانونی نظام کی سی حیثیت ہو تعمیل ہوتی ہے۔ سزا سے مراد محض سزا یا تعزیر نہیں ہے۔ اگرچہ مجرمین کو سزا دینے سے انصاف کا قیام اور مظلوم کی دادرسی ہوتی ہے لیکن انصاف رسانی کا یہی ایک طریقہ نہیں ہے۔ سارق کو قید کرنے سے نہ صرف حکومت' قانون حقوق کی تعمیل کراتی ہے بلکہ اس سے مال مسروقہ چھین کر اُس کے اصلی مالک کو واپس کرتی ہے اور ان میں کا ہر ایک جبر جس کو حکومت استعمال کرتی ہے سزا ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر سزا کی مختلف قسموں کا بیان کرنا یا اُن کی تشریح کے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے لہذا اس مضمون کا ہم آئندہ کسی باب میں بعنوان عدل گستری سلطنت تذکرہ کریں گے۔

لہ (Sanction) یہ لفظ رومیوں کے قانون سے لیا گیا ہے اصل میں (Sanctio) قانون موضوعہ کے اُس جزو کو کہتے تھے جو کسی سزا یا تعزیر کے متعلق ہوتا تھا یا جس میں کسی کام کے کرنے کی نسبت احکام امتناعی مندرج رہتے تھے۔ دیکھو ڈائجسٹ جلد ۴۸ فصل ۱۹ فقرہ ۴۱۔ لیکن کثرت استعمال سے سینکشن کے معنی سزا ہو گئے ہیں۔

فصل ۷ بلحاظ ترتیب منطقی عدل گستری مقدم اور قانون موخر ہے

ہم نے قانون کی تعریف کی ہے کہ وہ ایسے اصول و قواعد کا مجموعہ ہے جس کا حکومت لحاظ کرتی اور عدل و انصاف کرنے میں اُس پر عمل کرتی ہے لیکن اس تعریف پر ذیل کا اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ "چونکہ اس کتاب میں عدل گستری کے حوالہ سے قانون کی تعریف کی گئی ہے اس لئے ان دونوں لفظوں اور اُن کے تصورات کی ترتیب بدل جاتی ہے کیونکہ منطقی ترتیب کے لحاظ سے قانون کو عدل گستری پر تقدیم حاصل ہے اس لئے اس دوسرے لفظ کی تعریف پہلے لفظ کے حوالہ سے کیجانی چاہیئے نہ کہ اس کے برعکس جیساکہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ انصاف کی عدالتیں حقیقت میں قانون کی عدالتیں ہیں اور اس مرکب لفظ میں انصاف بمعنی قانون استعمال کیا جاتا ہے۔ عدل گستری سے مراد تعمیل قانون ہے کیونکہ قوانین دراصل وہ احکام ہیں جن کو کوئی ریاست اپنی رعایا پر نافذ کرنے کی غرض سے جاری کرتی ہے اور وہاں کی (قانونی) عدالتیں اُن احکام کی تعمیل کراتی ہیں وضع قوانین خواہ قانون بلاواسطہ بنایا جائے کہ بالواسطہ انفصال مقدمات پر مقدم ہے لہذا اس کتاب کی تعریف قانونی ناموزوں ہے اور اس میں ایک دوسرا عیب تعریف دوری کا ہے۔ یہ کہنا کہ قانون ایسے قواعد کا مجموعہ ہے جن کو ریاست عدل و انصاف کرنے میں استعمال کرتی ہے جائز نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ حکومت کے اس فرض کی تعریف قانون کے حوالہ سے ہونی چاہیئے یعنے عدل گستری وہ فعل ہے جس کے ذریعہ سے ریاست قانون کا اطلاق کر کے اُس کی تعمیل کراتی ہے اور عدل گستری کی اس کے سوائے کچھ اور تعریف نہیں ہو سکتی۔

لیکن معترض نے عدل گستری کی حقیقت کو کما حقہ نہ سمجھنے کے سبب سے اس طرح کا اعتراض وارد کیا ہے اور یہ محض اُس کی غلط فہمی ہے چنانچہ حکومت کے اس فرض یعنے عدل گستری کی غرض جیساکہ اُس کے نام سے

مستنبط ہے حق کو قائم یعنے انصاف کو برقرار رکھنا اور حفاظت حقوق و انسداد جرائم کرنا ہے لہذا قانون بلحاظ اہمیت دوسرے درجہ کی شئے قرار پاتا ہے اور بمقابلہ عدل گستری غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قانون کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہے۔ وہ صرف ایسے چند اصول پر مشتمل ہوتا ہے جن کا عدل و انصاف کرنے میں اطلاق کیا جاتا ہے یعنے قانون ایسے قواعد کے مجموعہ کا نام ہے جو کسی ریاست میں پہلے سے قائم ہو جاتے اور مستند سمجھے جاتے ہیں اور جن پر حکام عدالت اپنی شخصی رائے اور اختیار تمیزی کے بجائے بوقت عدل گستری عمل کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ عدالتوں کو نہایت عمدہ اور معقول وجوہ کی بناء پر احکام و قواعد مقررہ و معینہ کے مطابق عمل کرنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے کسی عدالت کو اختیار نہیں ہے کہ اپنی مرضی کے موافق جس بات کو وہ حق و انصاف سمجھے اس پر عمل کرے بلکہ عدالتیں قواعد و احکام نافذہ پر عامل ہونے کے لئے مجبور ہیں اور اُن کی تعمیل کرنے اور کرانے میں کسی طرح کا چون و چرا نہیں کرسکتیں۔ بہرحال عدالتوں کے اس طرز عمل پر قانون کی بناء ہے اور جہاں جہاں تک قانون کی عملداری ہے وہاں شخصی رائے کا دخل نہیں ہوسکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قانون کسی ایک شخص کی ملک نہیں بلکہ وہ ایک منتظم حکومت قومی کا دیرینہ تجربہ اور انصاف ہے جو اُن لوگوں کی ہدایت کی غرض سے قواعد کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے جن کو حکومت اپنا کار قضا تفویض کرتی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کی متمدنہ اور شائستہ ریاستوں کی عدالتوں میں جو کچھ فریق مقدمہ کے حق میں طے پاتا ہے بلاشک وہ انصاف ہے لیکن ایسا انصاف ہے جو قانون ملک کے مطابق کیا جاتا ہے اس لئے جو کچھ حکم کسی شخص کے حق میں عدالت سے صادر ہوتا ہے اُس کو اصل میں انصاف سمجھنا چاہیئے نہ کہ قانون۔ چنانچہ برطانوی عدالتوں کے ناظما کو اپنے تقرر کے وقت حسب ذیل حلف لینا پڑتا ہے کہ ہم جو کچھ لوگوں کے حق میں فیصلہ کریں گے وہ قوانین و رسوم مملکت ہذا کے مطابق انصاف پر مبنی ہوگا۔ "انصاف

نتیجہ ہے اور قانون اُس نتیجہ پہ پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہے لہٰذا ذریعہ کی نتیجہ کے حوالہ سے تعریف کرنی لازم ہے۔

اس مضمون کو بخوبی طلباء کے ذہن نشین کرنے کے لئے ہم ایک بات کہتے ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہے یعنے قانون کے بغیر عدل گستری کرنا بالکل ممکن ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ ہر ایک سلطنت کی عدالتیں حق کے قائم اور ناجائز افعال کی تلافی کرنے میں اُن معینہ و مقررہ اصول و قواعد پر عمل کرتی ہیں جو سالہا سال کے تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اور جن کو قانون ملک سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن اگر وہی عدالتیں اُن مقررہ اور معینہ قواعد پر عمل نہ کرکے محض انصاف ہی انصاف کریں تو ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ رسم و عادت کی بنا پر وہ قانون خاص یا اصول و قواعد معینہ پر عمل کرنے کی خوگر ہو گئی ہیں اور اُن کو قانون پر عامل ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اگر کسی عدالت کا حاکم بلا اختیار احدی کل رعایا کے حق میں محض اپنے اختیار تمیزی اور اُس کے ساتھ نصفت قدرتی انصاف اور نیک نفسی کو ملحوظ رکھکر انصاف کرے بشرطیکہ ان تین چیزوں کا ناقابل تغیر و مصنوعی قواعد کے ذریعہ سے اس عدالت کی کارروائیوں سے اخراج نہ کیا جاتا ہو اور ایسا جج عام اصول (یعنے قانون خاص) کا پابند نہ ہو تو اس طرح کی عدالت لائق اور قابل اعتماد نہیں سمجھی جا سکتی ہے لیکن عدالت کے لئے اس طرح انفصال مقدمات کرنا ہر پہلو سے ممکن ہے۔

اس کے علاوہ نظام قانونی کے دائرۂ عمل کا تعین کرنا محض دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ہر ملک کے نظام قانون میں حاکم عدالت کو کہیں زیادہ اور کہیں کم اپنے اختیار تمیزی پر عمل کرنا پڑتا ہے اور اس طرح اُن اصول و قواعد کی عملداری میں جن کا پہلے سے تعین و تقرر کر دیا جاتا ہے اور جن پر عدالتوں کو کاربند ہونا لازم ہے افراط و تفریط ہوتی رہتی ہے۔ بہرحال کسی ملک میں ججوں کے اختیار تمیزی کے بغیر صرف قانون کے ذریعہ سے انفصال مقدمات کرنا ممکن نہیں۔ اس

اختیار تمیزی کے مقابلہ میں قانون کا خواہ کتنا ہی اثر کیوں نہ ہو بعض صورتوں میں ججوں کو بلا پابندی قانون انصاف کرنا پڑتا ہے لہذا ان شکلوں میں عدل گستری کو قانون ریاست کی تعمیل و نفاذ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ ہر ایک ملک کے نظام قانونی کا ارتقا بتدریج ہوتا ہے اور اُس قانون کی بناء نہایت معمولی اور ادنی باتوں سے ہوتی ہے اور جتنی جتنی اس نظام کو ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر ناقابل تغیر و ترمیم اصول و قواعد وضع ہو کر ججوں کو اپنی شخصی رائے کے استعمال کرنے کی ضرورت کم ہوتی جاتی ہے اور اکثر اوقات اصول و قواعد کا خود بخود عدالتوں میں نشو نما ہوتا رہتا ہے لہذا ہم کہتے ہیں کہ ایک بسیط مجموعہ قواعد جن پر ایک ترقی یافتہ نظام قانونی مبنی ہوتا ہے عدل گستری کی شرط مقدم نہیں ہے بلکہ یہ اُس کا نتیجہ ہے۔ اور اُس مجموعہ قوانین سے جس کے مختلف ماخذ و مبدا ہیں۔ یعنی نظائر، رسم و رواج اور قانون موضوعہ سے حکام عدالت بتدریج مدد لے کر اپنی ذاتی رائے پر عمل کرنا ترک کرتے جاتے ہیں عدل گستری کرنے میں امر تنقیح طلب کہ "فلاں مقدمہ کے تصفیہ کے لئے کیا شئے انصاف ہوسکتی ہے" انفصال مقدمات میں زیادتی ہونے سے بتدریج اپنی پہلی شکل بدل کر اُس کے برعکس ایک دوسری صورت اختیار کرتا ہے کہ "آیا مقدمہ زیر تصفیہ پر کونسا ایسا قاعدہ اطلاق کیا جا سکتا ہے جو متعدد نظائر میں طے ہونے سے عام اصول بن گیا ہے" بنا بریں علیہ انصاف ترقی کرتا ہوا انصاف مطابق قانون (یعنی انصاف قانونی) بنتا جاتا ہے اور انصاف کی عدالتیں ترقی کرتی ہوئی قانون کی عدالتیں بنتی جاتی ہیں۔

فصل ۸۔ قانون اور واقعہ

ہم نے سابق میں بیان کیا ہے کہ عدالتوں میں شخصی رائے کے بجائے کسی حکم یا جج کے اختیار تمیزی کے عوض کسی قاعدے اور آزادی رائے کی جگہ پہلے سے طے شدہ اصول اور سابق کے متعین کردہ قواعد پر عمل

کرنے سے قانون کی موجودگی کا اظہار ہوتا ہے۔ عدل گستری کرنے میں جس وسیع اور حیرت انگیز حد تک قانون نے ججوں کی شخصی رائے اور اختیار تمیزی کو خارج کیا ہے اُس سے عدل گستری کی شان دو بالا ہو گئی ہے لیکن عدل و انصاف کرنے میں محض شخصی اختیار تمیزی کلیتاً خارج نہیں کر دیا گیا ہے اور نہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اس لئے عدالتی فیصلوں کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں۔ ایک ایسے فیصلے جن کا تعلق قانون سے ہوتا ہے اور دوسرے وہ جو واقعات پر مبنی ہوتے ہیں۔ کل معاملات جو عدالتوں کے تصفیہ کے لئے پیش کئے جاتے ہیں اُن کا تعلق یا تو قانون سے ہوتا ہے یا واقعات سے۔ پہلی قسم کے معاملات کا انفصال احکام و اصول معینہ کے مطابق اور دوسری قسم کے معاملات کا تصفیہ عدالتیں اپنے نامحدود اختیارات تمیزی سے کرتی ہیں یعنے کوئی بھی سوال جو کہ کسی عدالت میں پیش ہوتا ہے یا تو متعلق بہ قانون یا متعلق بہ واقعات ہوا کرتا ہے اور پہلی قسم کے سوال کا جواب معینہ و مقررہ اصول کے مطابق دینا لازم ہے یعنے اس سوال کی نسبت ایسا جواب ادا کرنا پڑتا ہے جس کو قانون نے صراحتاً یا کنایتاً اُس کے پہلے کسی نظیر کے ذریعہ سے ادا کر دیا ہو اس کے برعکس امر واقعاتی سے مراد ایسا جواب ہے جس کا پہلے سے تعین و تصفیہ نہوا ہو یعنے ایسا جواب جس کی بابت کوئی نظیر نہ ملتی ہو اور اس بنا پر عدالت کو اپنی شخصی رائے اور اختیار تمیزی سے اُس کا تصفیہ کرنا ضرور ہو۔

فقرۂ بالا میں امر واقعاتی کی جو اصطلاح استعمال ہوی ہے اُس سے ہر ایک ایسے سوال سے مراد لیجاتی ہے جس کا تعلق بجز قانون کے کسی واقعہ یا کسی اور شئے سے ہوتا ہے۔ اگرچہ امر واقعاتی کے معنوں میں ابہام ہے جس کے سبب سے کبھی اُس کا مفہوم امر متعلق واقعہ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے مگر اُس کے معنی ہرگز امر متعلق قانون نہیں ہیں۔ امر واقعاتی اور امر قانونی میں امتیاز کرنے سے ہمارا مقصد امور متعلق واقعات اور امور متعلق حق یا امور متعلق واقعات اور امور متعلق رائے میں فرق کرنا نہیں ہے۔

ہر ایک شئے جس کا پہلے سے قانونی اصول کے ذریعہ سے تصفیہ نہ ہوا ہو عدالت کے نزدیک واقعہ سمجھی جاتی ہے بہرحال ہم اس بات کو بخوبی تفہیم کرنا چاہتے ہیں کہ امور واقعاتی اور امور قانونی کا فرق کامل اور منطقی ہے اور امر واقعاتی کا وہی مفہوم ہو سکتا ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔

تمثیلات ذیل کے ذریعہ سے یہ فرق بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے:—

اگر ایک ٹھیکہ دار پر کسی مکان کی تعمیر کی بابت غیر ضروری تاخیر کرنے کا الزام لگایا جائے تو وہ امر واقعاتی ہے کیونکہ قانون نے اس امر کے تصفیہ کے لئے کوئی قاعدہ نہیں بتلایا ہے لیکن یہ الزام کہ ایک قابض ہنڈوی نے ہنڈوی کے نہ سکارے جانے کی بابت اطلاع دینے میں غیر ضروری تعویق کی ہے امر قانونی ہے اس لئے کہ اُس کے تصفیہ کے متعلق ہنڈیوں کے قانون (بلز آف اکسچینج ایکٹ) میں چند معینہ اصول و قواعد بتلائے گئے ہیں۔

معاہدہ کی صورت میں جب اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہو کہ شہادت لسانی یا شہادت تحریری دونوں میں سے کس قسم کی شہادت بہتر ہو سکتی ہے تو اس کا تعلق امر قانونی سے سمجھا جائے گا اس واسطے کہ اس کے متعلق سابق کے متعدد نظائر موجود ہیں جن میں یہ اصول بالعموم طے پا چکا ہے کہ شہادت تحریری شہادت لسانی سے زیادہ معتبر و قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اگر یہ دیکھنا ہو کہ زید اور عمر کی زبانی شہادت میں کس کی شہادت بہتر ہے تو یہ امر واقعاتی سمجھا جائے گا اور اس کا تصفیہ محض عدالت کی شخصی اور آزاد رائے پر منحصر ہوتا ہے۔

یہ سوال کہ قتل عمد کی صحیح اور معقول سزا کیا ہو سکتی ہے امر قانونی ہے اس لئے کہ ایک معینہ قاعدہ کے ذریعہ سے ایسی سزا کے تصفیہ کی نسبت جج کو اپنی شخصی رائے دینے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

مگر یہ سوال کہ سرقہ کی صحیح اور مطابق عقل کیا سزا ہو سکتی ہے امر اتفاقی ہے۔

(الّا اینکہ کسی قانون موضوعہ کے ذریعہ سے سزا کا انتہائی درجہ یا مدت کا تعین کیا گیا ہو) کیونکہ اس تنقیح کے متعلق قانون ساکت ہے۔

یہ سوال کہ آیا ایک طفل اپنے افعال مجرمانہ کے لئے ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے امر واقعاتی ہے کیونکہ اگر بربنائے شہادت اُس کا سن سات سال سے زیادہ ثابت ہو تو وہ اپنے افعال کا ذمہ دار اور اگر سات سال سے اُس کی عمر کم پائی جائے تو اس پر انہی افعال مجرمانہ کے لئے کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوسکتی۔

فرض کرو کہ پارلیمنٹ کے ایک قانون کے کسی دفعہ کے مفہوم کی بابت تنقیح قائم کی جاتی ہے۔ ایسی تنقیح کو کیا سمجھنا چاہیئے قانونی کہ واقعاتی؟ اس تنقیح کے قائم کئے جانے کے پہلے دفعہ مذکور کی مستند عدالتوں میں تاویل ہو چکی ہے تو وہ تنقیح قانونی سمجھی جائیگی ورنہ تنقیح واقعاتی، اور اُس کا تصفیہ عدالت کی رائے پر منحصر رہیگا یعنے اس امر کی بابت اگر پہلے سے تصفیہ ہوگیا ہے تو اُس کو قانونی تنقیح مانکر سابق تصفیہ کے مطابق اس وقت بھی اُس کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔

بظاہر پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے ایک قانون کے کسی فقرہ کی تاویل کو امر واقعاتی سمجھنا بعید از عقل معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ایک قانونی معاملہ ہے پھر یہ کیونکر واقعہ ہوسکتا ہے لیکن ذرا سا غور کرنے پر ہمارے بیان کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح کے سوال کی غرض صرف اس امر کا دریافت کرنا ہے کہ قانون زیر بحث کا کیا منشا ہوسکتا ہے مگر امر قانونی کے ذریعہ سے قانون زیر غور کی توجیہہ نہیں ہوسکتی ایسی تنقیح کا تصفیہ قانون کے کسی ایک قاعدہ کی رو سے کیا جاتا ہے۔

اکثر اوقات قانون اور واقعات دونوں پر سوال کو مبنی کرنا پڑتا ہے ایسی صورت میں اُس کو تنقیح مخلوط کہتے ہیں اس بنا پر ایسے سوال کا جو

حصۂ معینہ قانونی اصول سے اور اس کے باقی حصہ کا تصفیہ حاکم عدالت کی شخصی رائے سے کیا جاتا ہے یعنے ایسا سوال جو بسیط نہو اور جس کے متعدد اجزا ہوسکتے ہوں اور اس سبب سے اُس کے بعض اجزا کا قانون سے اور ما بقی کا واقعات سے تعلق ہو۔ مثلاً کسی سزا یافتہ مجرم کے قید کی نسبت اگر سوال پیدا ہو تو اس کی نوعیت کیا ہوسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب اُس کے مخصوص حالات پر منحصر ہوگا اور اس کے متعلق تین قسم کی تنقیح قائم ہوسکتی ہے۔ خالص امر قانونی ودواقعاتی۔ اگر قانون ملک ایسی سزا کے متعلق ساکت ہو تو اس کا پہلی قسم کی تنقیح سے تعلق ہوگا اور حاکم عدالت اپنی آزادانہ رائے سے اس کا تصفیہ کرے گا۔ اگر سزائے مذکور کی نسبت پہلے سے کسی قاعدہ کے ذریعے سے قید کی ٹھیک مدت بتلائی گئی ہو تو اس سوال کا تعلق دوسری قسم کی تنقیح سے ہوگا اگر قانون نے اس سزا کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مدت معین کر کے ان دونوں حدود کے درمیان حاکم عدالت کو مجرم کے قید کرنے کا اختیار دیا ہو تو اس کا تعلق تیسری قسم کی تنقیح سے ہوگا۔ اسی طرح یہ سوال کہ مدعی علیہ نے فریب دہی کی کہ نہیں مخلوط بہ قانون و واقعات ہے کیونکہ اس سوال کے دو جزو ہوسکتے ہیں اور اُن میں سے ایک جزو کا تعلق قانون سے ہے اور دوسرے کا واقعات سے ہے یعنے یہ باتیں کہ مدعی علیہ نے کیا کیا اور کس نیت سے کیا امور واقعاتی ہیں لیکن یہ سوال کہ کیا اُس کے ایسے افعال اور نیت از روئے قانون فریب کی تعریف میں داخل ہیں خالص امر قانونی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جو سوال کہ دو شخصوں کی شراکت کے متعلق قائم کیا جاتا ہے اُس کی نوعیت بھی مخلوط سمجھی جاتی ہے۔ ایسی تنقیح کا وہ حصہ جس کا تعلق فریقین کے نوعیت معاہدۂ شراکت سے ہوتا ہے امر واقعاتی خیال کیا جاتا ہے اور اُس کا دوسرا جزو جو اس سوال پر مبنی ہوتا ہے کہ آیا فریقین کے اس معاہدہ سے اُن میں شراکت قائم ہوسکتی ہے امر قانونی ہے۔ اس طرح کے مخلوط سوالات کی کثرت سے مثالیں دیجاسکتی ہیں لیکن بخوف طوالت انہی چند تمثیلات پر

اکتفا کیا جاتا ہے۔

انگریزی عدالتوں کی خاصیت اور اُس کے کار انفصالی کے مخلوط ہونے کے سبب سے امور تصفیہ طلب میں بلحاظ قانون و واقعات فرق کیا جاتا ہے اور یہ زیادہ تر انہی عدالتوں کا خاصہ ہو گیا ہے بنا بریں علیہ انگریزی ضابطۂ عدالت کا یہ عام قاعدہ کہ امور قانونی کا تصفیہ کرنا حاکم عدالت کا کام ہے اور امور واقعاتی کا فیصلہ جوری کرتی ہے لوگوں کے زبان زد ہو گیا ہے۔ اگرچہ کلیہ تو یہی ہے جو بیان کیا گیا لیکن یہ کلیہ بھی چند اہم مستثنیات سے خالی نہیں ہے۔ ہر چند اُن اشکال کا قائم کرنا ممکن نہیں جن میں امور متعلق قانون کا جوری تصفیہ کرتی ہے لیکن کثرت سے ایسے امور واقعاتی پیش آتے ہیں جن کے متعلق جوری کی رائے نہیں لیجاتی بلکہ ان کو محض جج کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا ہے مثلاً دستاویز کا تاویل کرنا جج کا کام ہے حالانکہ دستاویز واقعات پر مبنی ہوتی ہے اور واقعات کا جانچنا جوری کا کام ہے۔ اسی طرح اُن مقدمات میں جو جھوٹے اور عداوتی استغاثوں کی بنا پر (دیوانی عدالتوں میں بغرض حصول تاوان) دائر ہوتے ہیں نالش کی معقول اور اغلب وجہ کا تصفیہ کرنا جج کا کام ہے حالانکہ ایسے دعووں کا محض واقعات سے تعلق ہوتا ہے۔ ایسا ہی اس امر کا تصفیہ کہ مستغیث کی پیش کردہ شہادت اثبات الزام کے لئے کافی ہے کہ نہیں جج کرتا ہے اور اُس کے متعلق جوری کی رائے مطلق نہیں لیجاتی۔ بہر حال اس قسم کی جتنی مثالیں اس مقام پر دی گئی ہیں اُن سب کا واقعات سے تعلق ہے اور اُن کی بابت پہلے سے قائم کئے ہوئے قانونی قواعد و اصول کا پتہ نہیں ملتا اس پر بھی یہ تمثیلات اور بیسیوں دوسری مثالیں

---

[1] یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ تصفیہ کرنے والے اشخاص (جج اور جوری) کے سبب سے امور قانونی اور واقعاتی میں فرق نہیں کیا جاتا بلکہ اس امتیاز کا سبب طرز انفصال ہے۔ ہر چند بنظر اصول بنائے مذکور پر قانون اور واقعات میں فرق ہونا چاہئے

ایسی ملتی ہیں جو جوری کے دائرۂ اختیار سے خارج اور جج کے کار مفوضہ میں شامل ہوگئی ہیں۔

ضابطہ اور قاعدے کے جواز و عدم جواز کے لئے اُس کا فی الواقع حقیقت پر مبنی ہونا ضرور نہیں ہے۔ ہر ایک قاعدۂ قانونی جس کو کسی ریاست کی عدالتیں تسلیم کرکے اُس کی دوسروں سے تعمیل کراتی ہیں وہ بلالحاظ حقیقت ایک صحیح و جائز قانونی اصول سمجھا جاتا ہے۔ ہر ایک ملک کا قانون بذات خود کوئی شئے نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ ایسی چند اشیاء کا نظریہ ہے جن کو انصاف کی عدالتیں تسلیم کرکے اُن پر عمل کرتی ہیں اور بعض صورتوں میں اس نظریہ کی اُن چیزوں کی حقیقت سے مطابقت ہوتی ہے جن کا عمل بیرون عدالت نظر آتا ہے اور بعض اشکال میں تطبیق نہیں ہوتی۔ یہ ممکن نہیں کہ چشم قانونی سے (دیکھنے میں) کبھی غلطی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ تاہم عوام جہالت اور غفلت کے سبب سے اُن امور کو بھی امور قانونی کہتے ہیں جن کا تصفیہ محض حکام عدالت کی شخصی رائے پر منحصر ہوتا ہے اور اس امر کا مطلق لحاظ نہیں کرتے کہ جن امور کو وہ تنقیحات قانونی سمجھتے ہیں اُن کے تصفیہ کے لئے پہلے سے قواعد و اصول موجود ہیں کہ نہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن امور واقعاتی کا حکام عدالت تصفیہ کرتے ہیں وہ ججوں کے فیصلہ کے سبب سے نظائر قانونی بن کر امور قانونی میں متبدل ہوتے رہتے ہیں یعنے واقعات ججوں کے ذریعہ سے منفصل ہونے سے اصول بنجاتے ہیں۔ اس کے برعکس جوری کے تصفیوں کو یہ بات کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ گو ہم نے اس مقام پر اس ذکر کو چھوڑ دیا ہے لیکن آئندہ مناسب موقع پر جب ہم نظائر قانونی کا نظریہ بیان کریں گے تو اُس وقت اس کا مفصل ذکر کیا جائیگا۔

قانون اور واقعات کے فرق کو سمجھنے پر نے نہایت خوبی سے اپنی کتاب سالہ ابتدائی متعلق قانون شہادت میں بیان کیا ہے اس کے صفحات از ۱۸۳ تا ۲۶۲ قابل دید ہیں۔ اس کے سوائے انگلو امریکن قانون کے سب سے نمایاں اصول مرتبہ پٹیری کے صفحات از ۳۵ تا ۴۲ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

سرزد ہو جائے یعنے قانون کو انسان بنایا کرتا ہے اور سب انسان خطا اور نسیان سے مرکب ہیں لہذا قانون کے بنانے میں بھی انسان سے غلطی ہو جاتی ہے اور واضعان قانون کو وقت پر کسی بات کے نہ سمجھائی دینے سے قانون میں اسقام اور کمی واقع ہوتی ہے۔ اس پر بھی اگر قانون کا اشیاء کی حقیقت یعنے سچائی اور واقعات سے مقابلہ کیا جائے تو ان دونوں میں ہر وقت اختلاف ہوتا کوئی لازمی بات نہیں بلکہ اکثر ملکوں میں جب تک وہاں کے واضعان قانون بہت سی چیزوں اور اُن کی ضرورتوں سے بیخبر ہو جائیں موثر و سہل العمل اور بکار آمد نظام قانونی وضع نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ نظریہ قانونی میں جو اشیاء کی حیثیت سمجھی جاتی ہے وہ اُن کی حقیقت سے زیادہ سلیس ہوتی ہے یعنے ماہران قانون جس نظر سے دنیا کی مختلف چیزوں کو دیکھتے اور اشخاص کی ضرورتوں کا اندازہ کرتے ہیں وہ اصل میں اُن اشیا اور اُن ضروریات اشخاص کی پیچیدگیوں اور حقیقی دشواریوں سے بہت گھٹ کر ہوتی ہے۔ لہذا ہماری رائے میں کچھ تو واضعان قانون عمداً قانون بنانے میں بعض باتیں نظر انداز کرتے ہیں اور کچھ اُن کی غلطیوں اور قانون کی تاریخ ترقی کے حادثات کے سبب سے قانون اور واقعات نظریۂ قانونی اور حقیقت اشیاء میں اس قدر اختلاف عظیم واقع ہوا ہے اور اس بنا پر ہم کو ہمیشہ اصلی شئے یا حالت میں اور اُس شئے اور حالت میں فرق کرنا پڑتا ہے جو قانون میں بیان کیجاتی ہے مثلاً فریب قانونی اور فریب حقیقی میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے جس شئے یا حالت کو قانون نے فریب ٹھہرایا ہے وہ ممکن ہے کہ فی الواقع فریب ہو کہ نہ ہو اور اس طرح اس کے برعکس حالت کا نتیجہ یعنے جو شئے فی الواقع فریب ہو وہ قانون میں فریب بھی سمجھی جاسکتی ہے اور نہیں بھی سمجھی جاسکتی ہے۔ بالفاظ دیگر جب قانون ایک قسم کے متعدد مقدموں میں ایک اصول طے کر دیتا ہے کہ فلاں قسم کا فعل فریب متصور ہوگا اور فلاں قسم کا فعل فریب نہیں سمجھا جائیگا تو ایسا اصول یا قاعدہ بلحاظ حقیقت اشیا

و افعال صحیح و غلط دونوں ہو سکتا ہے اور اس اصول کے غلط ثابت ہونے کی صورت میں حقیقت اشیا و افعال گویا قیاس قانونی سے خارج ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو بات قانون کی نظروں میں برحق اور مطابق عقل دکھائی دیتی ہے وہ نفس الامر میں ان اوصاف سے معرا ہو سکتی ہے انصاف قانونی کا انصاف قدرتی سے متصادم ہونا ممکن ہے لیکن جرم قانونی اور فرض قانونی کا اخلاقی جرم و فرض ہونا اور نہ ہونا دونوں باتیں ممکن ہیں۔

فصل ۹۔ واجبیت قانون ملک

سابق میں اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ عدل گستری کے لئے قانون کی ضرورت نہیں۔ قانون فی نفسہ کتنا ہی ضروری کیوں ہو لیکن ریاست کو اپنے فرض معدلت کی انجام دہی کے لئے اُن ناقابل تغیر اور معین اصول پر جن پر اُس کا نظام قانونی مبنی ہوتا ہے عمل کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ عدالتوں کی غرض اصلی قانون کی تعمیل کرانی نہیں بلکہ انصاف کا قائم کرنا ہے اور یہ دوسری غرض پہلی غرض سے جداگانہ ہے اور ایک دوسرے میں کسی قسم کا تعلق نہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جن ملکوں میں بپابندی قانون انصاف کیا جاتا ہے وہاں بھی حکام عدالت کے اختیار تمیزی اور عمل قانون کی مناسبت میں اختلاف ہوتا ہے بلکہ ایک ہی ملک میں وقتاً فوقتاً قانون کا دائرۂ عمل بدلتا رہتا ہے۔ اچھا جب ایسا ہے تو قانون ملک کے فوائد اور اس کی واجبیت کو دریافت کرنا چاہئے یعنے اس فصل میں ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ کن فوائد و نقصانات کی بنا پر ریاستوں میں حکام عدالت کی شخصی رائے اور ذاتی فیصلوں کو ترک کرکے اغراض معدلت کے لئے اصول معینہ کی پابندی کیجاتی ہے۔ جب ہم اس امر کا امتحان کریں گے تو ہم کو قانون موضوعہ کے اختیار کرنے کا حسن و قبح معلوم ہوگا اور اُس کی بُرائیوں سے زیادہ اس کی خوبیاں ظاہر ہونگی۔ ہم دکھلائیں گے کہ کس حد تک اُس پر عمل کرنا جائز ہے

اور کن صورتوں میں دوسری چیزوں سے مدد لینی چاہیئے۔

کسی شخص کو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بالعموم انصاف کی عدالتوں کو قانون کی عدالتیں بننا چاہیئے یعنے عدالتوں میں جو انصاف کیا جاتا ہے اُس کا قانون ملک کے مطابق ہونا لازم ہے۔ اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ عدالتوں کے محض قانون کی پابندی کرنے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اُن سے تسامح نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقام پر ہم کو ایک مقولہ یاد آ گیا۔ چنانچہ ہوکر لکھتا ہے کہ "از روئے قیاس قوانین عقل کی صدائیں ہیں" اس میں شک نہیں کہ عالم مجاز میں قوانین کو انصاف کی دیبی کا کلام خیال کیا جاتا ہے جو سلطنت کی زبان سے اُس کی رعایا تک پہنچتا ہے لیکن بسا اوقات عالم حقیقت میں وہ اپنی شان مثالی سے بہت پست درجہ کے ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فیصلے جو اس قسم کے قوانین پر مبنی ہوتے ہیں اُن کی مثال گدھے کے سامنے بین بجانا ہے یا اُن کے ذریعہ سے حشرات الارض کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اس وجہ سے عدل کے نام پر دھبا آتا ہے۔ ہم اس مقام پر اس امر کا اظہار کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی خرابیاں نہ صرف اُن اقوام کے نظامات قانونی میں پائی جاتی ہیں جن کی تہذیب و تمدن کی ابتدائی حالت ہے بلکہ قدیم اور ترقی یافتہ ممالک کے قانونی نظامات بھی اس عیب سے بری نہیں ہیں چنانچہ انگریزوں کے قانونی نظام کو دیکھئے۔ بیشک قانون انگلستان نے بہت کچھ ترقی کی ہے اور اُس کے قوانین کی عبارتوں سے عقل سلیم اور نیک نیتی کا بخوبی اظہار ہوتا ہے لیکن اب بھی یہ نظام قانونی اپنی کم سنی کی غلطیوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے اور انسان کو کبھی یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ دنیا سے کسی وقت وہ اختلاف جو قانون اور انصاف کے درمیان پایا جاتا ہے مٹ سکیگا۔ چونکہ ان دونوں میں اختلاف طبعی ہے اسلئے چند تمثیلات کے ذریعہ سے واجبیت اور قانون کی تائید کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ قانون کی ذات سے انسان کو تین قسم کے مخصوص فائدے

پہنچتے ہیں۔ ان میں کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ قانون کے سبب سے عدل گستری میں یکرنگی پیدا ہوتی ہے اور اُس کی اصلیت اور غیر جانب داری کا ادنی سے لے کر اعلیٰ تک کو اعتماد ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کسی شخص کو عدالتوں کی نیک نیتی سے جس کی رو سے وہ صحیح فیصلے صادر اور حق و باطل میں فرق کرتی ہیں نیز ناانصافی کا مناسب اور موزوں چارۂ کار بتلاتی ہیں انکار نہیں ہو سکتا لیکن رعایائے ملک کا پہلے سے اُن اصول سے واقف ہونا جن پر عدالتیں اپنے فیصلوں کو مبنی کرتی ہیں ضرور ہے اس لیے جب تک انصاف ایک طرز اور ایک ہی اصول کا نہو رعایائے ملک اُس کا پہلے سے یعنے صدورِ فیصلہ کے قبل اندازہ نہیں کر سکتی اور انصاف میں یکرنگی اور یکسانی اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی ملک کی عدالتیں اُن معینہ و مقررہ اصول کی جن پر اُس ملک کا قانون مبنی ہے تصفیۂ مقدمات کے لیے پابند نہوں۔ اگر حکومت چاہے تو قانون و ضابطہ کے بغیر انصاف کر سکتی ہے اور اس بنا پر ملک کی عدالتیں انصاف مطلق کے قواعد کو تسلیم کر کے محض انہی کی تعمیل کر سکتی ہیں لیکن ناقص قواعد و ضوابط پر عمل کرنا اور سلطنت میں قانون کا موجود ہونا خواہ اُس کی زیادتی ہو کہ کمی بہتر سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ سلطنت اپنے جبر اور قوت سے قانون نافذ کرتی ہے اس لیے اُس کے جبر و تحکم سے نہ صرف انصاف مثالی قائم رہنے کی امید ہو سکتی ہے بلکہ ایسی منتظم حکومت میں وہ اپنی رعایا کے افعال اور تعلقات باہمی میں ترتیب خوش اسلوبی اور یکرنگی پیدا کرنے کی غرض سے ضابطہ بھی بناتی ہے اس بنا پر جو قواعد و ضوابط منجانب حکومت مرتب ہوتے ہیں اُن کا معین و متیقن اور مستقل ہونا اور اُن سے لوگوں کا واقف ہونا بھی ضرور ہے اور اگر ضابطہ ان اوصاف سے متصف نہو بلکہ اُس کے قواعد محض انصاف مثالی پر مبنی ہوں تو وہ رعایا کے حق میں جس طرح مفید ہونا چاہیے نہیں ہو سکتا۔ بعض وقت ضابطہ بنانے میں وہ کل امور جن کا ابھی بطور اوصاف قانون ذکر کیا گیا حکومت کے پیش نظر نہیں رہتے بلکہ حکومت کا مقصد اُس ضابطہ کے ذریعہ سے

انتظام قائم کرنا اور اُس انتظام کا رعایا کو یقین دلانا ہوتا ہے چنانچہ اس کی سب سے بہتر مثال راستہ چلنے کا قاعدہ ہے۔ بظاہر اس قاعدہ کی غرض صرف اس قدر ہے کہ راستہ پر لوگ گڑبڑ نہ مچائیں اور عموماً کل راہرو یقین سے اُس پر عمل کریں اس طرح کی متعدد مثالیں غور کرنے سے بہم پہنچ سکتی ہیں اور اس طرح کے قواعد کے اجراء سے حکومت کا منشاء انصاف کرنا نہیں بلکہ امن و انتظام قائم رکھنا ہوتا ہے۔

بوجوہ متذکرۂ صدر حکام عدالت کی ذاتی رائے کو غیر متبدل مجموعۂ قوانین کے ذریعہ سے خارج کیا جاتا ہے اور اس بنا پر ہر ایک متمدن اور شائستہ ریاست میں دیوانی اور فوجداری عدالتوں کے حکام کو انصاف کرنے میں فیصلہ محض اپنی شخصی رائے اور نیک نفسی پر مطلق العنانی کے ساتھ صادر کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا جیسا دنیا کی ریاستیں تہذیب و تمدن میں ترقی کرتی جاتی ہیں ویسا ویسا اُن کے انتظامات کو قانون کے ذریعہ سے چلانے کی ضرورت ہوتی جاتی ہے اور اسی طرح اُن ملکوں میں حکام عدالت کے اختیار تمیزی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس کے برعکس قدیم طرز کی ریاستوں اور اُن اقوام و ممالک میں جن کا تمدن نہایت سادہ اور جن کی طرز معاشرت ابتدائی زمانہ کی سی ہے سلاطین اور مجسٹریٹ اپنی شخصی رائے اختیار تمیزی اور اُن خیالات سے جن کو وہ دادخواہوں کے حق میں منصفانہ و مفید سمجھتے ہیں انصاف کرتے ہیں۔ لیکن اقوام یورپ کی اُس ترقی کے بعد جو انھوں نے تمدن و تہذیب میں کی ہے۔ پہلے سے طے شدہ اصول قانونی کے بجائے انصاف قدرت پر عدل گستری کو تصور کرنے سے یورپ کی متمدن حکومتوں میں سوائے بدنظمی اور ابتری پیدا ہونے کے کوئی دوسرا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا چنانچہ جیرمی ٹیلر لکھتا ہے کہ انصاف قدرتی کی حالت پارہ کے بنے ہوئے صندوق کی سی ہے جس کو کسی مقام پر قرار ہے اور نہ اُس کا کہیں مسکن ہے بلکہ اُس کو کمر مستوق سمجھنا چاہیے۔ اور اگر ہم اُن قواعد کی مدد سے جن کو ہماری عقل نے وضع کیا ہے قانون قدرت (یعنی

اصول انصاف) کی تحقیق کریں تو بھی یقین کے ساتھ اُس کا پتہ ملنا دشوار ہے
اور ہماری تحقیق اُسی طرح بے اصل اور مشتبہ سمجھی جائے گی جس طرح کہ عوام کے
اقوال اور پریشان خوابی کے بیانات خیالی متصور ہوتے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ عدل گستری کرنے میں مشہور اور معینہ اصول کی پابندی سے
اغراض معدلت کو اُن لوگوں کی ذاتی اور ناواجبی خواہشات سے جن کے
تفویض کار قضا کیا جاتا ہے نقصان پہنچنے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا قانون ملک کا
غیر طرفدار ہونا لازم ہے ریاست کسی خاص شخص کو فائدہ پہنچانے کے لیے
یا کسی مخصوص مقدمہ کے واسطے قانون نہیں بناتی اس لیے قانون میں
کسی کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور نہ کسی مقدمہ یا فریق کے خاص حالات کی
مناسبت سے قانون اپنی راہ مستقیم کو چھوڑ کر کسی طرح کج رفتاری اختیار
کر سکتا ہے۔ اگر عدالت کسی مسلمہ قاعدۂ قانونی سے سرمو بھی اختلاف
کرے تو اُس کی یہ بے ضابطگی دنیا سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس کے
برخلاف شخصی رائے اور فیصلہ کی حالت ہے۔ اگرچہ اکثر عدالتیں
متدین اور انصاف پسند ہوتی ہیں تاہم انسانوں کی عقل و ادراک میں فرق
ہونے سے ہر ایک شخص کی نیک نیتی اور اُس کا معیار دیانت بھی جداگانہ ہوتا
ہے اس بنا پر ججوں کی نیکی اور متدین رایوں میں اس کثرت سے حقیقی اختلاف
ہوتا ہے کہ بہت جھگڑے اور غیر متدین فیصلوں کو بھی اُن کی دیانت پر محمول
کرنا پڑتا ہے اور اُن کی بدنیتی اس تمام نیک نیتی کے پردہ میں لوگوں کو
نظر نہیں آتی۔ جن ملکوں میں عدالتیں مطلقاً اور اُن اصول کے مطابق جن کا
وہاں کی رعایا کو پہلے سے علم رہتا ہے عدل گستری کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں
وہاں بزور رائے عامہ اس فرض کی تعمیل کرائی جاتی ہے اور اُن اصول کو
قائم و برقرار رکھا جاتا ہے جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے لیکن جہاں عدالتوں
کو اپنی مرضی کے موافق انصاف کرنے کا اختیار ہے اُن ملکوں میں رائے عامہ
ہادی (یعنی قانون ملک) کی عدم موجودگی کے سبب سے تنہا اپنا اثر اور
زور نہیں دکھا سکتی اور اس امر کی اس قدر ضرورت ہے کہ عدل گستری کا

قانون کی پابندی کے ساتھ کیا جانا حریت سیاسی کے اصول اولین میں شمار ہوتا ہے۔ لاک[1] کا بیان ہے کہ "قانون بنانے والی یعنے سب سے اعلیٰ حکومت رعایا کے مقدمات کا اپنی مرضی اور اختیار سے فیصلہ نہیں کر سکتی بلکہ انصاف کرنا اُس کا فرض ہے اور اس کی انجام دہی کے لیے اُس کو کار انفصالی ایسے ججوں کے تفویض کرنا پڑتا ہے جن کو رعایا جانتی ہو اور جن کا اُس غرض کے لیے تقرر کیا گیا ہو۔ نیز ان حکام عدالت کو اپنی عدل گستری قوانین نافذہ و مشتہرہ پر مبنی کرنی لازم ہے" "مجھکو اس مقام پر سسرو[2] کا قول یاد آتا ہے جس میں وہ رومیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "ہم کو آزادی حاصل کرنے کے لیے قانون ملک کا غلام بننا چاہیے"

قانون کی غیر طرفداری کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں اُس کی قدر و منزلت ہے اور اُس کے عقل و دانش پر مبنی ہونے سے (حالانکہ بہت ہی کم قانون معقول وجوہ کی بنا پر بنایا جاتا ہے) دنیا میں ہمیشہ قانون کا اثر اور اس کی شہرت قائم رہی ہے۔ چاہے قانون دانائی سے بنایا جائے کہ نادانی سے وہ سب انسانوں کے حق میں یکساں ہے اور اُس سے کسی کی طرفداری نہیں ہو سکتی لہذا انسان کا رجحان ہمیشہ سے اپنے نزاعات کو قانون سے تصفیہ کرانے کا رہا ہے چنانچہ ہوکر[3] کہتا ہے کہ "لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ قانون کسی شخص کا طرفدار نہیں ہو سکتا اور نہ اُس کی نظروں میں بعض آدمیوں کی بعض کے مقابلہ میں خاص عزت ہو سکتی ہے" اس لیے ایسا فیصلہ جو قانون پر مبنی ہو بہتر سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح مختلف ریاستوں اور قوموں کی نزاعات بذریعۂ ثالثی تصفیہ پانے سے قانون بین الاقوام بنتا جاتا ہے اور جس قدر مختلف ریاستیں اپنی باہمی

---

[1] (Treatise on Government II. II. 136.)

[2] (Procluentio, 53, 146.)

[3] کلیسائی نظم مملکت جلد اول فصل ۱۰ صفحہ ۷۔

نزاعات کو سپرد ثالثی کرتی اور احکام ثالثی کی اطاعت کی خوگر ہوتی جاتی ہیں اُسی قدر قانون بین الاقوام کو مدوّن اور منضبط قوانین کے مجموعہ کی شکل میں لانا ممکن ہوتا جاتا ہے۔ اُسی طرح قانون ملک بھی جیسا جیسا عدل و انصاف قانون کی شکل میں بدلتے جائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں انصاف کی محبت جاگزیں ہوکر اُن کو مطیع قانون بناتی جائے گی ویسا ویسا کارِ قضا انصاف صحیح اور عدل غیر طرفدارانہ پر مشتمل ہوتا جائے گا اور فیصلہ جات عدالت بھی اُسی مناسبت سے درست اور صحیح صادر ہوں گے اور اُن اغراض کی جن کے لیے کوئی منتظم حکومت قائم ہوتی ہے خوش اسلوبی سے تکمیل ہوگی۔

قانون ملک سے جو تیسرا اور آخری فائدہ رعایا کو پہنچتا ہے یہ ہے کہ اُس کے سبب سے فیصلہ کی اُن غلطیوں کا جو شخصی رائے کی بنا پر سرزد ہوتی ہیں سدباب ہوتا ہے۔ ملک میں قانون کے قیام سے اُن معدودے چند اشخاص کی شخصی رائے اور معلومات کے عوض جن کو کارِ قضا تفویض کیا جاتا ہے کل رعایائے ملک کی رائے اور نیک نفسی پر معدلت کا انحصار ہوتا ہے۔ اصول انصاف کا ہر وقت قدرت کی روشنی میں صاف نظر آنا ممکن نہیں ہے یعنے انسان ہمیشہ اپنی عقل و فہم کی مدد سے انصاف کے صحیح اور حقیقی اصول کو نہیں دریافت کرسکتا اور جو امور ججوں کے تصفیہ کے لیے پیش کیے جاتے ہیں وہ بسا اوقات نہایت دقیق و مبہم ہوتے ہیں اس لیے ان پیچیدگیوں کے سلجھانے اور دشواریوں کے حل کرنے کے لیے حکام عدالت کو دنیا کے اُن کل تجربوں اور عقل کی باتوں سے جو ابتدائے خلقت سے ظہور پذیر ہوتی رہی ہیں اور جن کے حالات اُس مجموعہ میں قلمبند کیے گئے ہیں جو قانون سے موسوم ہے ہدایت پانے کی سخت ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قانون ہمیشہ عقل پر مبنی نہیں ہوتا لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ واضعان قانون اُس کی تعمیل کرانے والوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ قانون کے ذریعہ سے منتظم حکومت کے تمام

باشندوں کی عقل و فہم کا اظہار ہوتا ہے اور اس منصب وحق کی بنا پر قانون کا ادعا کرنا کہ جس طرح وہ کسی غیر سرکاری شخص کی رائے کو باطل کرتا ہے اسی طرح وہ ججوں اور مجسٹریٹوں کی مرضی اور عقل و فہم کو نا منظور کرتا ہے صحیح ہے چنانچہ ارسطو کا مقولہ ہے کہ کسی شخص کا قوانین سے زیادہ اپنے کو عقلمند سمجھنا ایسی بات ہے جس کو اچھے قوانین نے ممنوع قرار دیا ہے۔

فصل ۱۰ نقائص قانون ملک

شخصی رائے کے بجائے قانونی اصول و قواعد کی پابندی کرنے سے جو مخصوص فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کا ذکر ساتویں فصل میں کیا گیا ہے لیکن ان خوبیوں کے ساتھ قانون میں اس طرح کی چند خرابیاں بھی ہیں اور ان فوائد کو حاصل کرنے کے لیے ان نقصانات کو بھی گوارہ کرنا پڑتا ہے جو قانون کے ان معائب کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اگرچہ قانون ملک کے ذریعہ سے زیادہ سنگین خرابیوں کا علاج کیا جاتا ہے اور جو نسخے رفع خرابی کے لیے استعمال کیجاتی ہے اس سے اُلٹا نقصان انسان کو پہنچتا ہے۔ اس بنا پر قانون ملک میں بعض ایسے اسقام پائے جاتے ہیں جو اُس کی ذات میں مضمر ہیں اور بعض اس کے ایسے نقائص ہیں جو زمانہ کی ضرورتوں اور انسان کے میلان طبع سے اس میں داخل ہو گئے ہیں اور گو ان کا تعلق بھی قانون کی ذات سے ہوتا ہے لیکن اُن کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

ہر ایک نظام قانونی کا پہلا نقص اس کی سختی یعنی اُس کا غیر متبدل ہونا ہے۔ اس غیر متبدلہ حالت کے چند وجوہ ہیں۔ طریقۂ استخراج کے ذریعہ سے قانون کا ہر ایک کلیہ (عام اصول) بنتا ہے۔ اور اس عام اصول کے قائم

1. Rhetoric 1,15. See also Bacon, De Aogment is,Lib. 8. Aph. 58:

کرنے میں جو چند مقدموں کے مواد سے مستنبط ہوتا ہے اُن حالات کا اخراج کیا جاتا ہے جو کم درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں اور واضعان قانون کی توجہ خاص طور پر اُن حالات کے متعلق مبذول ہوتی ہے جو ایک ہی قسم کے چند مقدموں میں مشترک پائے جاتے ہیں لہذا جب اس طرح کے بنائے ہوئے قاعدہ کا مختلف قسم کے امور کے تصفیوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو بعض امور ایسے پیش آجاتے ہیں جن میں اُس قسم کے اجزا موجود ہوتے ہیں جن کو قاعدۂ مذکور کے بنانے کے وقت واضعان قانون نے غیر ضروری سمجھکر نظر انداز کر دیا تھا اور آیندہ واقع ہونے والے حالات کا لحاظ نہیں کیا تھا لہذا جب ایسے امور اور حالات کا اس طرح کے بنے ہوئے قاعدہ سے تصفیہ کیا جائے تو عدالتوں کی جانب سے فیصلہ کرنے میں ضرور غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اہل مقدمات کے حق میں سخت ناانصافی ہوتی ہے - لیکن اس قسم کی دشواری اور غلطی کا وضع قوانین کے سوائے سلطنت کے دوسرے عملی کاموں میں لحاظ کیا جاتا ہے چنانچہ اقتصادی امور کے متعلق گو اقتصادیات کے اصول متعین کرنے میں ماہرین فن ہر ایک خواہش اور ضرورت کو بجز خیال حصول دولت نظر انداز کرتے ہیں لیکن مخصوص حالتوں میں اس طرح کے اخذ کردہ اصول کا اس کے مخصوص حالات کے لحاظ سے اندازہ کیا جاتا ہے اور جن ضرورتوں کو اصول اقتصادیات استخراج کرنے کے وقت نظر انداز کیا گیا تھا اُن کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے مگر قانون کی اس کے برعکس کیفیت ہے - کیونکہ قانون عدالتوں کو اُن کے اختیارات تمیزی کے استعمال کرنے میں ہدایت و رہنمائی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی عقل و فہم کے بجائے قانون سے کام لیتی ہیں اور حالات خاص کے بلا لحاظ ہر ایک مقدمہ کا اُن کو قانون سے تصفیہ کرنا پڑتا ہے اور وہ اس کے اطلاق کرنے میں کسی طرح کا پس و پیش نہیں کر سکتیں - بہرحال قانون کی اس خاصیت یعنے اُس کے ناممکن التاویل ہونے کی وجہ سے خواہ اُس کو کتنی ہی احتیاط اور دور اندیشی سے وضع کریں جب کبھی ایسی

بات پیش ہو جس کا قانون بناتے وقت اُس کے واضعوں کو خیال نہ رہا ہو تو اُس امر کے تصفیہ میں ضرور سختی اور ناانصافی واقع ہوتی ہے۔ اور اس لحاظ سے عدالتیں قانون سے ہدایت پانے کے عوض قعر ضلالت میں گر پڑتی ہیں۔ آدمیوں کے حالات اور کاروبار اس قدر مختلف ہیں کہ ایسے عام اصول کا مرتب کرنا جن سے ہر ایک مقدمہ کا صحیح اور جائز انصاف ہو سکے تقریباً ناممکن ہے لہٰذا اگر لوگوں کو عام قواعد (یعنے قانون ملک) سے کام لینا منظور ہے تو اُن کو قانون کے اس نقص کا بھی خمیازہ اٹھانا چاہیے۔

قانون جتنا سخت ہوگا اتنا ہی نقصان پہنچے گا۔ قانون کا یہ مقولہ قدیم ہونے کے سبب سے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور واقعات پر مبنی ہے۔ حقیقت میں بہت ہی چند قانونی اصول ایسے ہیں جن کا پوری طرح سے مقدموں کے حالات پر اطلاق کرنے اور اُن کے منطقی نتائج پر عمل کرنے سے اہل مقدمات کے حق میں ناانصافی نہ ہوتی ہو۔ اس قسم کا قاعدہ جس قدر عام ہوتا ہے اُسی قدر اُس کے مرتب کرنے کے وقت اُس سے غیر ضروری حالات و واقعات کا اخراج کیا جاتا ہے اس لیے جب اس طرح کے بنے ہوئے قاعدہ یا اصول کا تصفیۂ مقدمات پر سختی سے اطلاق کیا جاتا ہے تو اُس کے غلط ثابت ہونے کا اتنا ہی زیادہ احتمال ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر اُسی قاعدہ کو مستثنیات اور قیود کے ذریعہ سے زیادہ محدود اور مخصوص بنا دیا جائے تو اُس کے ذریعہ سے امور نزاعی کا آسانی اور یقین سے فیصل ہونا ممکن نہیں۔ اگر ہمکو قانون ملک کی عمومیت اور سختی کے اثر سے بچنا منظور ہو تو ہم کو اُس کی خصوصیت اور پیچیدگی کی خرابیوں اور دشواریوں کا مقابلہ کرنا چاہیے لہٰذا ہم کو ترتیب و توضیع قوانین میں ان دونوں کے مابین ایک تیسرا ایسا معتدل طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو سلامت روی پر مبنی ہو۔ سختی کے عیب کے مانند قانون کا دوسرا نقص اُس کی قدامت پسندی

ہے۔ پہلی قسم کے نقص کے سبب سے موجودہ قانون کو مخصوص حالات اور ایسے مقدمات پر چسپاں کرنے میں جن کا پہلے سے قانون بنانے والوں نے اندازہ نہ کیا ہو عدالتوں سے غلطی اور نا انصافی ہوجاتی ہے۔ دوسری قسم کا عیب وہ ہے جس کی وجہ سے قانون جس قدر آدمیوں کے خیالات راست بازی و انصاف تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور حالات زمانہ میں تغیر ہوتا رہتا ہے اُسی طرح وہ خود بھی بدل کر اپنے کو اُن حالات وخیالات متبدلہ کے موافق نہیں بنا سکتا۔ مرور زمانہ کے ساتھ انسان کے انصاف وحقیقت کے تصور میں بھی تغیر ہونا لازمی امر ہے لیکن قانون کا میلان قدیم طرز معاشرت کو بحال رکھنے کا ہے اس لیے وہ جدید حالات و خیالات متبدلہ کے لیے موزوں نہیں ہوسکتا۔ قانون کے بغیر بھی عدل گستری کرنا ممکن ہے اور عدالتیں زمانہ کی ضرورتوں اور مخلوق کے خیالات کے موافق مقدمات کو فیصل کرسکتی ہیں لیکن جب اُن کو قواعد وضوابط پر عمل کرنے کے لیے پابند کیا جاتا ہے تو وہ قانون کی محکوم ہوجاتی ہیں اور قانون کے اُن ہدایات کی لوگوں سے تعمیل کراتی ہیں جن کا تعلق زمانۂ ماسبق نہ کہ زمانۂ حال سے ہوتا ہے۔ دنیا اس بات سے واقف ہے کہ حالات نہایت سرعت سے بدلتے جاتے ہیں چنانچہ جس بات کو لوگ کل صحیح جانتے تھے آج وہ غلط قرار پاتی ہے اور جس بات کو ہم آج دانشمندانہ خیال کرتے ہیں وہ علم کی ترقی کے سبب سے کل سفیہانہ متصور ہونے لگتی ہے۔ جب حالات کے تغیر کی یہ کیفیت ہے تو قانون کو جو بنفسہ ساکت ہے انسانی ضرورتوں اور حالات کے موافق ومطابق بنانے کے لیے کسی مفید تدبیر کی ضرورت ہے۔ اگر ہم قانون کو ذی حیات اور نمو کرنیوالی شئے مانتے ہیں اور ہمارے خیال میں وہ ایک ایسی حیوانی یا نباتاتی مردہ شئے نہیں ہے جس کا مادہ پتھر بن کر ہیولائے سابق باقی رہگیا ہو تو ہمکو نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے ملک کے نظام قانونی کو ترقی دینے کے لیے کسی موثر تدبیر سے کام لینا چاہیے اور ہر ایک ملک کے نظام قانون

کے اوصاف کا اُس تدبیر اور طریقہ کے کارگر اور موثر ہونے پر مدار ہے جس کے ذریعہ سے قانون کو برباد کرنے والی خاصیت یعنے اُس کی قدامت پسندی کا انسداد کیا جاتا ہے۔ اسی تدبیر اور طریقہ کا نام وضع قوانین ہے اور اس سے مراد ملک کے قدیم قانون کے عوض حسب ضرورت جدید اصول قانونی کا ریاست کی جانب سے قائم کیا جانا اور اعلان کرانا ہے۔ قانون کو تازہ کرنے والے طریقوں میں سب سے زیادہ موثر و مفید یہی ایک طریقہ ہے اور دنیا کی تمام شایستہ اور ترقی یافتہ قوموں میں یہی رائج ہے۔ اس پر بھی جو خرابیاں قانون کی قدامت پسندی سے عدل گستری میں پیدا ہوتی رہتی ہیں اُن کو وضع قوانین کے ذریعہ سے کما حقہ رفع کرنا ممکن نہیں۔ چاہے ریاستیں قانون بنانے والی کل کو کتنا ہی کارگر و موثر بنائیں لیکن رائے عامہ اس قدر جلد جلد بدلتی رہتی ہے کہ کل قانون بنانے میں اپنی رفتار اُس کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتی اور اسی طرح راست بازی و حقیقت کے تصورات انسانی بھی نہایت سرعت سے بدلتے رہتے ہیں جس کا رائے عامہ مقابلہ نہیں کر سکتی لہذا سرعت رفتار و تبدل کے لحاظ سے قانون موضوعہ رائے عامہ کا اور رائے عامہ راست بازی و حقیقت کے ہمرکاب نہیں ہو سکتی۔

قانون کا تیسرا عیب اُس کی ظاہر پرستی ہے۔ اس سے ہماری مراد مخصوص ضوابط اور رسوم کی پابندی ہے۔ اس بنا پر قانون میں چند رسوم اور لوازمات کی اصل منشے سے زیادہ پابندی کی جاتی ہے اور غیر حقیقی و غیر ضروری باتوں کو حقیقی اور ضروری باتوں کے برابر اہم سمجھا جاتا ہے۔ ہر ایک مکمل و صحیح نظام قانونی میں جن امور کے تصفیہ کے لیے کہ وہ قائم کیا جاتا ہے اُن کی باہمی اہمیت کا پورا لحاظ کیا جانا چاہیے اور جس نظام قانونی میں اس ضرورت کی تکمیل نہیں ہوتی وہ رسم پرستی کے مرض میں مبتلا سمجھا جاتا ہے اور ایسے نظام میں غیر ضروری اور اتفاقی امور کو اصلی اور ضروری امور کے برابر اہمیت دی جاتی ہے۔ جو بات فی الحقیقت اہم ہو لیکن

قانون میں اہم سمجھی جائے اُس کو قانونی رسم پرستی کہتے ہیں۔ چنانچہ قدیم نظام قانونی (قانون روما) اس طرح کی رسم پرستی سے مملو ہے لیکن اہل یورپ خصوصاً انگریزوں کو بھی اپنے نظام قانونی پر فخر نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اُن کا قانون بھی ابھی تک اس عیب سے بالکل پاک نہیں ہوا۔ اگر قانون کا یہ مقولہ "کہ قانون ملک میں ادنی ادنی باتوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا" طنز نہیں ہے تو انگریزی قانون میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔

قانون کا چوتھا اور آخری عیب اُس کا دقیق اور گنجلک ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی قوم کا نظام قانونی ایسا سلیس اور عام فہم مرتب نہیں ہوا ہے کہ آدمی چلتا پھرتا مطالعہ کے ذریعہ سے یا دوسروں سے سن کر اُس کو سمجھ جائے۔ چونکہ کار قضا (یا عدالتی کاروبار) اصل میں متمدن و شایستہ حیات انسانی کے پیچیدہ کاموں کا عکس ہے لہذا اقوام متمدنہ کا قانون بھی دقیق و پیچیدہ زبان میں مرتب ہوتا ہے۔ بہ ایں ہمہ انگریزوں کا نظام قانونی دشوار اور پر پیچ مقدموں کی ضرورتوں کے سوائے دوسرے اسباب کی بنا پر اس قدر بے ترتیب، پریشان اور ضخیم اور ایسا دشوار ہو گیا ہے کہ اُس کا مطالعہ کرنے والا اُس کے مطالب اخذ کرنے میں نہ صرف حیران ہوتا ہے بلکہ اُس کی اصطلاحات کی بھول بھلیوں میں مبتدی کا دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ انگلستان کے قانون کی ضخامت اور دشواری کے چند وجوہ ہیں۔ کچھ تو اُس کی تاریخی ترقیات کے سبب سے اور کچھ قانون داں حضرات اور حکام عدالت کی نازک خیالی اور دقیقہ رسی سے اُصل قانون تو چھپ گیا اور اُس کی تفاسیر و تشریحات نے قانون کو بے انتہا ضخیم بنا دیا ہے اس دوسرے سبب سے قانون میں بہ نفسہ کوئی خوبی نہیں پیدا ہوئی بلکہ ان تصریحات و تشریحات نے اُس کو ایسا ادق بنا دیا ہے کہ ماہران فن کے سوائے دوسروں کے لیے اُس کا سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔ جن ملکوں میں نظام قانونی کی زیادہ تر عدالتی

فیصلوں کے ذریعہ سے ترقی ہوتی ہے جیسا کہ انگلستان میں ہوا ہے اُس کی عبارت کا ادق اور مغلق ہونا لازمی امر ہے۔ بہر حال یہ جو کچھ بھی قسم کا عیب اصلاح پذیر ہے۔ جس طرح ممالک یورپ میں انہوں قانون کی سلیس اور عام فہم زبان میں ترتیب وار تدوین کی گئی ہے اور اس کے مختلف مجموعے قرار دیے گئے ہیں اسی طرح اگر انگلستان کے قانون کی مجموعوں میں ترتیب دیجائے تو اُس کی ضخامت اور ثقل عبارت رفع ہو کر اُس کا حجم کم اور اُس کی زبان عام فہم ہو جائے گی۔

قانون کے فوائد و نقصانات کے تصور سے جن کا ذکر فقرات سابقہ میں کیا گیا ہے نظام قانونی کو بے موقع ترقی کرنے سے روکنے کی ضرورت بخوبی محسوس ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قانون کی ذات سے انسان کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا ہے لیکن ضرورت سے زیادہ قانون پر چلنے سے نقصان بھی کثرت سے ہوتا ہے۔ ہر ایک نظام قانون کی ترقی کا مدار اس امر پر ہے کہ قانون کا دائرہ عمل ترقی کرتا ہوا واقعات کے دائرہ کو اپنے میں شامل کرلے اور حکام عدالت کی شخصی رائے اور اختیار تمیزی کا پہلے سے طے شدہ قانونی اصول کے ذریعہ سے بتدریج اخراج ہوتا جائے لیکن عموماً کل نظامات قانونی کا رجحان اور خصوصاً اُن نظاما کا میلان طبع جن میں قانون کا ماخذ نظائر سمجھی جاتی ہیں اس طریقہ کو ترقی کرنے کا بہت کچھ موقع ملتا ہے۔ اس لیے اُن ملکوں میں جہاں اس طرح عدالتی فیصلوں کے ذریعہ سے قانون بنتا ہے وہاں نظائر قانونی کے پردہ میں اور اُن کے زیر اثر بلا کسی روک ٹوک کے قانون کی ترقی جاری رہتی ہے اور زیادہ مدت نہیں گذرتی کہ قانون کی عملداری اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ بلالحاظ ضرورت حکام عدالت کے اختیارات تمیزی کے بجائے قانون کے ذریعہ سے ہر ایک امر کا تصفیہ ہونے لگتا ہے اور اس بنا پر جب قانون کی کسی حد تک ترقی ہوتی ہے تو بلحاظ امور مختلفہ قانون کی وہ خرابیاں جو اس کی ذات میں مضمر ہوتی ہیں اُس کے فوائد ظاہری سے

زیادہ محسوس ہونے لگتی ہیں۔
ارسطو کی تقلید میں بیکن کا ایک مقولہ ہے کہ بہترین قانون وہ ہے جو ججوں کو اُن کے اختیار تمیزی کے استعمال کا بہت کم موقع دیتا ہے۔ گو بظاہر یہ قول صحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے لیکن عدالتوں کے طرز عمل پہ غور کرنے سے اس زمانہ میں اس کا مصداق صحیح نہیں ہو سکتا۔ قانون کے دائرۂ عمل میں بشکل عرض جو زیادتی ہوئی تھی اس کو کم کرکے اس کو صحیح و تندرست حالت پر لایا گیا ہے اور اس بنا پر اکثر امور میں حکام عدالت کے اختیارات تمیزی کے دائرہ کو وسعت دی گئی ہے۔ چنانچہ مقدموں کے دائر کرنے میں دعوے کے جن مخصوص اشکال و اقسام کی پابندی کرنی پڑتی تھی اُن اشکال کی تنسیخ ہوگئی ہے۔ پلیڈنگ یعنے عرضی دعویٰ وجواب دعویٰ وغیرہ کے متعلق قواعد اب اُس قدر سخت نہیں رہے ہیں۔ گواہوں کے بیانات کا اب امور واقعاتی سے تعلق ہوگیا ہے اور مثل سابق اس شہادت کو امر قانونی نہیں خیال کیا جاتا۔ عموماً ہر ایک قسم کی سزا دینے میں ججوں کو اپنے اختیار تمیزی پر عمل کرنے کا موقع دیا گیا ہے اور جو ناگفتہ بہ اور شرمناک حالت قانون کی سختی کے سبب سے فوجداری عدالتوں کی سابق میں تھی اور جو مظالم نظمائے فوجداری کے ہاتھوں مجرمین کو بپابندی قانون سزائے معینہ کے دینے میں ڈھائے جاتے تھے اب اُن کا سدِ باب ہوگیا ہے۔ ان وجوہ سے آیندہ اس سے زیادہ اصلاحات ہونے کی امید ہے۔
اب تک جو بحث ہم نے قانونی اصول و قواعد کے متعلق کی ہے اُس میں ہم نے ان قواعد کو لازمی طور پر ناممکن التاویل فرض کیا ہے یعنے یہ ایسے ٹھکانہ قواعد ہیں جن کی تعمیل کرانے میں حکام عدالت اپنی رائے کو دخل نہیں دے سکتے بلکہ بعض صورتوں میں ججوں کی رائے ان قواعد سے بدرجہا بہتر ہونے کے باوجود انھیں مجبوری قانون ملک کی کورانہ تقلید کرنی پڑتی ہے۔ لیکن یہ بات خلاف عقل و اصول معلوم

ہوتی ہے کہ ملک کے قانون کا زیادہ حصہ ناممکن التاویل سمجھا جاتا ہے بلکہ
اس قانون کو ججوں کے اختیارِ تمیزی کا محدود معین اور ہادی ماننا مقتضائے عقل
ہے۔ اکثر مقدمات کے مخصوص حالات ہوتے ہیں لہذا ججوں کو اُن حالات
کے مطابق اپنی قوت امتیاز اور فہم و ذکا کے استعمال کرنے کی اجازت
ملنی چاہیے نہ کہ قانون کے ذریعہ سے اُن کا اختیارِ تمیزی سلب کر دینا
جائز ہے۔ بظاہر ہم کو اس کا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا کہ کیوں ملک کا
قانون ججوں کو حکم دیتا ہے "کہ کل مقدمات میں خواہ تم ہمارے حکم کو
معقول سمجھو کہ نہ سمجھو تمکو اُس پر عمل کرنا چاہیے" اور یہ کیوں کہتا ہے کہ
"تم کو ہمارے احکام پر چلنا چاہیے بجز اُن صورتوں کے جن میں ہم اپنی
رائے کو دخل دینا مناسب سمجھتے ہوں" ملکی قانون کے اس قدر سخت اور
ناممکن التاویل ہونے کے باوجود اب بھی اُس کے بعض قواعد ممکن التاویل
ہیں اور اُن کے استعمال میں حکام عدالت اپنی رائے سے کام لے سکتے
ہیں اور اس بات کے قرائن پائے جاتے ہیں کہ انگریزی نظام قانون کا
بہت کچھ حصہ آیندہ چلکر جب اُس نظام کی تکمیل ہو گی تو مشروط اور ممکن التاویل
بنجائے گا۔ اس وقت تو خیر لیکن آیندہ انگریزی قوم کو اپنے نظام قانونی کو
اعلیٰ و ارفع بنانے کی سخت ضرورت محسوس ہو گی مگر اہل ملک نے ابھی تک
اس امر کا بخوبی اندازہ نہیں کیا ہے کہ قانون کو کس حد تک ممکن التاویل
قرار دینے سے وہ تمام خوبیاں حاصل اور برائیاں رفع ہو سکتی ہیں جو
ملکی قانون کی ذات میں مضمر ہیں۔ لیکن میری دانست میں خصوصاً قانون شہادت
کا بیشتر حصہ اس کی حقیقت پر نظر کرنے سے ممکن التاویل قرار دیا
جا سکتا ہے۔ جب قانون ملک حسب ضرورت ممکن التاویل سمجھا
جانے لگے گا تو اس طرح کے بنے ہوئے زیادہ قواعد ایسے ہوں گے
جن سے حکام عدالت کو اپنے اختیار تمیزی کے عمل کرنے میں ہدایت
و امداد ملے گی نہ کہ اُن کی موجودگی سے اُن کو اپنا اس طرح کا اختیار ترک
کرنا پڑے گا۔ ملکی قانون کو ممکن التاویل ماننے کی صورت میں کیونکہ گویا

ایسے قانون کی بنا تجربہ، نیک نیتی اور معقول وجوہ پر ہوتی ہے قانون مذکور کے قواعد سے حکام عدالت پر مقدمات کی سچائی کا اظہار ہوتا ہے اس کے برعکس اگر ملکی قانون ناممکن التاویل ہو تو عدالتوں سے کار انفصالی میں غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔

فصل ۱ے قانونِ عام اور قانونِ خاص[1]

ہر ایک متمدن سلطنت کا قانون دو حصوں میں منقسم ہو سکتا اور بنظر سہولت قانون عام اور قانون خاص سے ملقب کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم کے قانون سے ایسے کل قواعد قانونی مراد ہیں جن سے عدالتیں بحیثیت عدالت واقف رہتی ہیں اور جب کبھی کوئی ایسا امر جس کا اس طرح کے قانون سے تعلق ہو بغرض تصفیہ عدالت میں پیش ہوتا ہے تو عدالت اُس کے تصفیہ میں بطور عملدر آمد ان قواعد قانونی کا استعمال کرتی ہے۔ اس کے برعکس قانون خاص اُن قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن سے عدالتیں بحیثیت عدالت واقف نہیں رہتیں اور نہ معمولی طور پر اُن کا استعمال کرتی ہیں حالانکہ وہ قانون ملک کے صحیح قواعد ہوا کرتے ہیں بلکہ اہل مقدمات کا فرض ہے کہ وہ عدالتوں کو بوقت ضرورت اس طرح کے قوانین و قواعد کو ثابت کر کے عدالتوں کی اُن کے استعمال و اطلاق کی نسبت توجہ دلائیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہ قانون عام ایسا قانون ہے جس کا بالعموم اطلاق کیا جاتا ہے یعنے اُن کل مقدمات میں جن میں اس بات کا ثبوت نہیں دیا جاتا کہ فلاں مخصوص قانون کا اطلاق ہونا چاہیے اس قانون پر عمل کیا جاتا ہے اس کے برخلاف جب کوئی مقدمہ

---

[1] ہر چند اردو ادب قانونی میں ان اصطلاحات کے بجائے قانون مختص الامر اور قانون غیر مختص الامر الفاظ موجود ہیں لیکن یہ نہ معنی خیز ہیں اور نہ انگریزی اصطلاحات کا صحیح ترجمہ لہذا ”جنرل اینڈ اسپیشل لا“ کا قانون عام اور قانون خاص عام فہم اور صحیح ترجمہ کیا گیا۔ س۔ ع۔ ر۔ (مترجم)

اس قسم کا پیش ہوتا ہے جس میں ایک یا دو فریق مقدمہ کے اُس مقدمہ کے مخصوص حالات کے نظر کرتے قانون خاص کو ثابت کر کے اس کے اطلاق کیے جانے کی نسبت عدالت کو توجہ دلاتے ہیں اور اُس کے انفصال کے لیے قانون عام کو غیر متعلق قرار دیتے ہیں تو اس طرح کا قانون قانون خاص سمجھا جاتا ہے اور اس کی موجودگی ثبوت کے ذریعہ سے عدالت پر ظاہر ہوتی ہے۔

ان دونوں قسموں کے قانونوں کا مابہ الامتیاز واقفیت عدالت ہے۔ اس سے مراد ججوں کی وہ واقفیت ہے جس کو وہ باعتبار عہدہ حاصل کرتے اور جس پر وہ عمل کرتے ہیں اور اس کا مقابلہ ججوں کی اُس واقفیت سے کیا جاتا ہے جو اُن کو فریقین مقدمہ کی جانب سے باقاعدہ ثبوت کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ ججوں کی معلومات فی الواقع بہت وسیع ہوتی ہیں لیکن قانون کی نظر میں اُن کو عموماً اکثر امور کے علم کی بابت ناواقف سمجھا جاتا ہے اور جب تک ان باتوں کا ایسی شہادت کے ذریعہ سے جس کا طریقہ قانون میں تبلایا گیا ہے اُن کو ان باتوں سے واقف نکرایا جائے وہ ان چیزوں سے لاعلم ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بہت سی ایسی باتوں سے فی الواقع حکام عدالت ناواقف رہتے ہیں جن کا عدالتی علم رکھنے کے متعلق اُن کو قانون نے حکم دیا ہے اور جب ایسی شکل پیش آتی ہے تو ججوں کا حق اور فرض ہے کہ ہر ایک مفید اور موثر ذریعہ سے جس کو وہ بہتر سمجھتے ہیں اُن باتوں کا علم حاصل کریں۔ بہرحال پہلی قسم کے امور کی بابت حکام عدالت واقف ہوتے ہیں اور دوسری قسم کے امور وہ ہیں جن کا ثبوت کے ذریعہ سے ججوں کو علم ہوتا ہے۔ لیکن اس قاعدہ کے دو جزو ہیں اور ہر ایک جزو کے چند اہم مستثنیات ہیں چنانچہ بعض ایسے مخصوص اور مشہور واقعات ہیں کہ اُن کی شہرت کے سبب سے قانون ملک عدالتوں کو اُن کا علم ہونا فرض کر لیتا ہے اسی طرح بعض اس قسم کے قانونی قواعد ہیں جن کا عدالتوں کو علم ہونا چاہیے اور جب تک اُن کی موجودگی عدالت پر نہ ثابت کیجائے عدالت کا اپنے کو اُن کی بابت لاعلم خیال کرنا جائز ہے۔ بہرکیف ان

قواعد سے مراد وہی قواعد ہیں جن سے قانون خاص بنتا ہے اور جس کا ہم نے فقرۂ بالا میں ذکر کیا ہے۔

انگلستان کے نظام قانونی کا زیادہ اہم اور بڑا حصہ وہ ہے جو قانون کہلاتا ہے اور اس کے متعلق عدالتی علم یعنے قواعد قانونی کی واقفیت اور اُن کا تصفیۂ مقدمات میں منجانب عدالت بطور عملدرآمد اطلاق کیا جانا ایک معمولی قاعدہ ہے لہذا قانون ملک کے اس شعبہ کی بابت ہم زیادہ بیان کرنا بے ضرورت سمجھتے ہیں لیکن قانون خاص کے قواعد قابل غور ہیں۔ ان قواعد کی پانچ مخصوص قسمیں ہیں مگر اس مقام پر ہم اُن کی کیفیت مضمون میں ربط پیدا کرنے کی غرض سے مجملاً بیان کرتے ہیں لیکن اُن کا تفصیلی بیان اس کے بعد کسی باب میں مرقوم کیا جائے گا۔

(۱) رسوم مقامی۔ جس کسی مقام میں لوگ کسی رسم کے عادی ہوجاتے ہیں اور وہ رسم ایسا قدیم ہو کہ وہاں کے باشندے اس کی بنا ہونے کے زمانہ سے ناواقف ہوں تو وہ رسم اس مقام میں قانون کا سا اثر رکھتی ہے یعنے اُس علاقہ میں اُس رسم کو قانون عام پر فضیلت دیجاتی ہے بلکہ بعض صورتوں میں اس رسم کی بنا پر قانون عام میں کمی کردیجاتی ہے اس پر بھی وہاں کی عدالتیں بحیثیت عدالت اس رسم سے ناواقف سمجھی جاتی ہیں اور اگر کسی فریق مقدمہ کو اُس سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہو تو اُس کو اُن عدالتوں میں اُس رسم کو ثابت کرنا پڑتا ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو عدالتیں قانون عام کا اسی قسم کے مقدمہ پر اطلاق کرتی ہیں۔

(۲) رسوم تجارتی۔ قانون خاص کی دوسری قسم تاجروں کے اُن رسم و رواجات پر مبنی ہے جو انگلستان میں تجارت پیشہ لوگوں کے قانون کے (The Law Merchant) نام سے مشہور ہے مملکت انگلستان میں تاجروں کے رسم و رواج کو تجارتی امور میں قانون کا اثر بخشا گیا ہے چنانچہ اس رسم کی بنا پر قانون عام کے منشا کے خلاف جس دستاویز کو

وہاں کے تاجر چاہیں قابل بیع وشہری قرار دلوا سکتے ہیں۔ لیکن تاجروں کے اس مقامی رسمی قانون کا شمار مقامی رسمی قانون کے قانون میں نہیں بلکہ قانون خاص میں شمار ہوتا ہے اس پر بھی یہ قانون ایک حد تک مقامی رسمی قانون سے مختلف ہے۔ قانون عام تاجروں کے مقامی رسمی قانون کی اکثر باتوں کو خود اختیار کرتا جاتا ہے اور اس طرح اُس کا کثیر حصہ اس نے اپنے میں جذب کر لیا ہے۔ جب شہادت کے ذریعے کسی تجارتی رسم کی موجودگی عدالت پر ثابت ہوتی ہے اور ثابت ہونے کے بعد عدالت اس کو مان لیتی ہے تو وہ عدالت کے فیصلہ میں مندرج ہو جاتا ہے اور اس بنا پر نظیروں کو اس کا عدالتی علم ہوتا ہے یعنے حکام عدالت کو اس طرح کے طے شدہ رسم تجارتی کا جاننا اُسی طرح ضروری ہے جیسا کہ قانون عام سے واقف ہونا اُن کا فرض ہے اور جس کا ثبوت وہ نہیں طلب کر سکتے۔ اس لیے ان رسوم تجارتی کے متعلق جو ایک دفعہ بذریعہ عدالت طے ہو جاتے ہیں بار بار ثابت کرنے کی ضرورت نہیں[1]۔ اس اصول کی بنا پر تجارت پیشہ لوگوں کا قانون قانون خاص سے نکل کر قانون عام میں داخل ہو رہا ہے اور یہ انتقال اُس کی ترقی کا باعث ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں پہلے تک انگلستان میں ہنڈیوں کا قانون تجارت پیشہ لوگوں کے قانون خاص کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا اور اس لیے تصفیہ مقدمات پر اس کا اطلاق ثبوت لینے کے بغیر نہیں کیا جاتا تھا لیکن بیشمار اور مسلسل عدالتی فیصلے اس خاص قانون پر مبنی ہونے سے اُس نے ترقی کر کے اپنے کو قانون عام میں منتقل کر لیا

[1] ای ڈی بنام ایسٹ انڈیا کمپنی لا رپورٹ مرتبہ بیرو جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۰۔ بارنٹ بنام براہٹن لا رپورٹ مرتبہ میننگ اور گرینجر جلد ۱ صفحہ ۷۵۵۔ ڈنلپ بنام پلی فیسیلر (۱۸۹۸ء) کوئینز بنچ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵۔ گلاڈ فیصلہ بابت ٹورلو کوئینز بنچ ڈویژن جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۰۔ اور ولیمز بنام شولر (۱۹۰۲ء) کنگز بنچ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۳۔

اور اس بنا پر عدالتوں کا اُس کی بابت علم رکھنا اور تصفیۂ مقدمات میں اس کا بطور عمل درآمد اطلاق کرنا فرض ہو گیا ہے ۔

(۳) پرائیویٹ (غیر سرکاری یا مختص) وضع قوانین - اسٹاچیوٹ (انگریزی قانون موضوعہ) کی دو قسمیں ہیں پبلک (سرکاری یا غیر مختص) اور پرائیویٹ - ہر ایک پبلک ایکٹ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے وجود سے عدالتیں واقف سمجھی جاتی ہیں - اس لیے اُس کا ثبوت لینے کے بغیر امور تصفیہ طلب پر اُس کا اطلاق کرتی ہیں اور اس وجہ سے پبلک ایکٹ منجملہ متعدد ماخذوں کے قانون عام کا ایک ماخذ ہے - اس کے برعکس پرائیویٹ ایکٹ کا دائرۂ عمل محدود ہوتا ہے اور عدالتیں اُس سے بطور عملدرآمد واقف نہیں رہتی ہیں اور جب تک فریقین مقدمہ کی جانب سے عدالت کو اُس کے متعلق توجہ نہ دلائی جائے عدالت اُس کا اطلاق امر تصفیہ طلب پر نہیں کرتی - جن ایکٹ (قوانین موضوعہ) کے ذریعہ سے مختلف کمپنیوں کا قیام ہوتا ہے اور جن میں اُن کمپنیوں کے انتظام و انصرام کے متعلق قواعد و ضوابط درج رہتے ہیں یا ایسے قوانین جن کا کسی مخصوص دریائی جہاز رانی وغیرہ کے ہدایتی قواعد یا کسی بندرگاہ کی تعمیر و ترمیم سے یا دوسرے ایسے قوانین جن کا تعلق کل سلطنت یا اُس کی کل رعایا سے نہیں بلکہ چند مخصوص جماعتوں یا مخصوص مقامات سے تعلق ہو پرائیویٹ وضع قوانین کی مثالیں ہیں[1] -

محض پارلیمنٹ ہی پرائیویٹ قوانین نہیں بناتی یا بالفاظ دیگر پرائیویٹ

---

[1] دیکھو قانون انٹرپریٹیشن (انگلستان کا انٹرپریٹیشن ایکٹ) بابت ۱۸۸۹ء میں یہ حکم درج ہے کہ انگلستان کا ہر ایک ایکٹ (قانون موضوعہ) جو ۱۸۵۰ء کے بعد نافذ ہو پبلک ایکٹ (قانون عام) سمجھا جائے گا اور تصور کیا جائے گا کہ عدالت اس سے واقف ہے بشرطیکہ قانون مذکور میں کوئی حکم صراحتہً اس ہدایت کے خلاف نہ ہو ۱۲ -

وضعِ قوانین صرف پارلیمنٹ ہی کا کام نہیں ہے بلکہ اکثر صورتوں میں پارلیمنٹ کی اُن تمام ماتحت مجلسوں کو قانون سازی جن کو پارلیمنٹ نے یہ کام تفویض کیا ہے یا پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنیوں غیر سرکاری ہے اور اس لیے ان مجلسوں کا وضع کردہ قانون، قانونِ عام کا نہیں بلکہ قانونِ خاص کا ماخذ ہے مثلاً ریلوے کمپنی یا مجالس بلدی کے بنائے ہوئے ذیلی قوانین (بائی لاز) کا ججوں کو عدالتی علم نہیں ہوتا ہے اس لیے اس طرح کا بنا ہوا قانون ملک کے قانونِ عام کا جزو نہیں خیال کیا جاتا۔ اس کے برخلاف قانونِ موضوعہ کے زیرِ اثر ضابطۂ عدالت کو تنظیم دینے کی غرض سے جو اختیارات ججوں کو عطا کیے گئے ہیں اور اُن اختیارات کی رو سے جو قواعد ضابطۂ عدالت کے متعلق وہ لوگ مرتب کرتے ہیں اُن کا ملک کے عمومی قانون میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۴) قانونِ ممالکِ غیر۔ قانونِ خاص کی چوتھی قسم میں غیر ملکوں کا قانون داخل ہے اور موقع و محل کی مناسبت سے بعض وقت انگریزی عدالتوں میں انگریزی قانون پر نہیں بلکہ غیروں کے قانون پر عمل ہوتا ہے۔ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جو عدالتیں ہر وقت ملکی قانون کے بغیر کسی دوسری قوم و ملک کے قانون پر عمل کرنا پسند نہیں کرتی ہیں اُن میں کافی طور پر انصاف نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اکثر صورتوں میں عدالت کو اُس ملک اور علاقہ کے قانون کو جس کے حدود میں وہ واقع ہوتی ہے ترک کرکے اگر فریقین مقدمہ غیر ملکی ہیں تو ان کے حقوق و فرائض کا اندازہ کرنے کے لیے اُس غیر ملک کے نظامِ قانون کا لحاظ کرنا پڑتا ہے مثلاً اگر دو شخصوں کے درمیان فرانس میں کسی امر کی بابت معاہدہ ہو اور اُن کی نیت فرانس کے قانون پر عمل کرنے کی ہو لیکن اُن میں کا ایک شخص بصورتِ خلاف ورزی انگریزی عدالت میں نالش دائر کرے تو معاہدہ کے جواز اور اثر کا تصفیہ۔ فرانسیسی نہ کہ انگریزی قانون سے کرنا مقتضائے انصاف ہے۔ اس بنا پر اس طرح کے مقدمہ کے تصفیہ میں انگریزی حکام عدالت کو

انگریزی نہیں بلکہ فرانسیسی قانون کا اطلاق کرنا چاہیے۔ جن اصول کی بنا پر مقدمات کے تصفیہ میں مقامی قانون کا ترک کرنا اور قانون غیر کا اطلاق کرنا جائز رکھا گیا ہے اُن کے ذریعہ سے ایسے مسائل قانونی کا ایک مجموعہ تیار ہوا ہے جو پرائیویٹ قانون بین الاقوام کے نام سے موسوم ہے۔

چونکہ انگریزی عدالتیں مخصوص حالتوں میں غیر ملک کے قانون کو تسلیم کرتی ہیں اس لیے اُس قانون کا اُس قدر حصہ جس کو ان عدالتوں نے مان لیا ہے ایک حد تک انگریزی قانون میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً فرانسیسی قانون جب تک کہ اُس کا استعمال فرانس میں ہو فرانس کا قانون سمجھا جاتا ہے اور جب اُس کا اطلاق انگلستان میں کیا جائے تو اُس کا انگریزی قانون میں شمار ہونے لگتا ہے اس پر بھی فرانس کا قانون گو اُس کا استعمال انگریزی عدالتوں میں کیا جاتا ہو انگلستان کے قانون عام کا جزو نہیں بن سکتا کیونکہ انگریزی حکام عدالت کا قانون کی نظروں میں بجز اپنے ملک کے قانون کے کسی دوسرے ملک کے قانون سے سرکاری طور پر واقف ہونا اور اس کو تسلیم کرنا تصور نہیں کیا جاتا۔

(۵) قانون عہد و بیان۔ (قانون عہدی) پانچویں اور آخری قسم کا قانون خاص وہ ہے جس کا ماخذ ایسا معاہدہ سمجھا جاتا ہے جس کو کوئی دو آدمی آپس میں قرار دے لیتے ہیں۔ معاہدہ اصل میں ایک ایسا معاملۂ قانونی ہے جس کے دو جانب یا پہلو ہوتے ہیں اور اُن دونوں کی جداگانہ حیثیت ہوتی ہے اس بنا پر معاہدہ حقوق قانونی اور خود قانون دونوں کا ماخذ متصور ہوتا ہے۔ اگرچہ لوگ معاہدہ کی اس پہلی صفت سے زیادہ واقف ہیں اور اکثر حالتوں میں اسی ایک صفت سے معاہدہ کی شناخت کیجاتی ہے لیکن متعدد حالتوں میں اُس کی دوسری صفت سے واقف ہونا زیادہ مفید اور لوگوں کے معلومات کو بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ جو قواعد یا شرائط کسی معاہدہ میں منجانب فریقین اپنے حقوق و فرائض

اور ذمہ داریوں کی بابت قرار دیے جاتے ہیں وہ اصل میں اس طرح کا قانون بنجاتے ہیں جن پر قانون عام کے عوض فریقین عمل کرنے کے لیے رضامند ہوتے ہیں پس ایسے قواعد کے ذریعہ سے قانون عام میں کمی یا اضافہ ہوتا ہے اور یہ کہنا صحیح ہے کہ معاہدہ کے ذریعہ سے ملک کے معمولی قانون میں کمی و زیادتی ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں عہدنامہ کے شرائط ملکی قانون سے افضل و مرجح سمجھے جاتے ہیں چنانچہ ایسی شکل میں اس مقولہ کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ رسم اور معاہدہ فریقین سے قانون ملک باطل ٹھہرتا ہے۔

ہرچند عدالتیں ملک کے کل قانون کو خود مختارانہ اور تحکمانہ طور پر استعمال نہیں کر سکتی ہیں تاہم اس کے زیادہ تر حصہ سے عدالتیں اس طرح کا کام لے سکتی ہیں اس پر بھی اس قانون کے ایسے جزو کے قواعد کی تاثیر اس شرط سے مشروط سمجھی جاتی ہے کہ اگر کسی معاہدہ کے فریقین نے ان قواعد کے خلاف شرائط قرار نہ دیے ہوں تو ان پر عمل کرنا چاہیے مثلاً جن شرائط کی بنا پر کسی کمپنی کا قیام ہوتا ہے وہ اس کمپنی کے حق میں قانون ملک کا اثر رکھتی ہیں اور ان شرائط و قواعد کی وہی حیثیت ہے جو ان قوانین کی ہے جو کمپنیوں کے قیام کے متعلق انگلستان میں نافذ کیے گئے ہیں یا ان شرائط کا ان ضوابط و احکام سرکاری کا سا اثر سمجھنا چاہیے جن کا کسی کمپنی پر اس کے شرائط قیام کی عدم موجودگی میں اطلاق کیا جاتا ہے۔

اسی طرح شرائط قیام شراکت پر بھی قانون کی تعریف صادق آتی ہے۔ ان شرائط کا بھی وہی اثر و عمل ہے جو قانون شراکت (پارٹنرشپ ایکٹ) کے احکام کا انگلستان کے نظام قانونی میں ہو سکتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی کمپنی یا شراکت کے شرائط قیام سے ان قوانین کے احکام میں جن کو سلطنت کمپنیوں اور شراکتوں کے قیام و برخاست کے متعلق نافذ کرتی ہے اضافہ و ترمیم کرنا ہے کیونکہ ان دونوں قسم کے امور کی بابت عدالتیں کسی کمپنی اور شراکت کے بنائے ہوئے قواعد و شرائط قیام کی اسی طرح تعمیل کراتی ہیں جس طرح کہ انگلستان کے قانون شراکت اور قوانین کمپنی کو نافذ کرانا

اُن کا فرض ہے بہرحال عدالتوں کی رائے میں شرائط قیام کا وہی اثر و عمل ہے جو قانون ملک کا ہونا چاہیے۔

ہم نے قانون عام اور قانون خاص کے فرق کو حکام عدالت کی قانونی واقفیت اور عدم واقفیت پر مبنی کیا ہے اور ہمارے اس امتیاز پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ہم نے جو فرق بتلایا ہے اُس کا تعلق قانون کی ذات سے نہیں بلکہ وہ ایک خارجی اور سطحی اختلاف ہے۔ معترض کی حجت ہے کہ چونکہ قانون عام کا انگلستان کی کل مملکت اور اُس کی کل رعایا پر اطلاق ہوتا ہے اس لیے اس کو عام قانون کہتے ہیں اور مخصوص مقامات اور لوگوں پر قانون خاص کے اطلاق ہونے سے اُس کو قانون خاص کا لقب دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بحث اور اعتراض ایک حد تک صداقت پر مبنی ہے لیکن جس عقلی اور منطقی طرز پر ہم نے فرق زیر بحث کو قائم و ثابت کیا ہے اُس کی تہ تک معترض کی عقل نہیں پہنچی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ملک کے قانون عام کا دائرۂ عمل قانون خاص کے دائرۂ عمل سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور خصوصًا اس وجہ سے پہلی قسم کے قانون سے حکام عدالت واقف اور دوسری قسم کے قانون سے وہ ناواقف سمجھے جاتے ہیں لیکن جب ہم قانون ملک کو قانون عام اور قانون خاص کے دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصود کسی ملک کے نظام قانونی کو دو حصوں میں تقسیم کرنا نہیں ہے کیونکہ اکثر صورتوں میں قانون ملک کی اس طرح تقسیم نہیں ہو سکتی کہ مثلاً قانون عام کے زیادہ تر حصہ کا مخصوص لوگوں یا مخصوص جماعتوں پر اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ سولیسٹروں، نیلام کرنے والوں اور گروی لینے والوں کے قانون کا بہت ہی کم لوگوں پر اطلاق ہوتا ہے اس پر بھی یہ قانون ملک کے عام اور معمولی قانون کا ایک جزو اسی طرح خیال کیا جاتا ہے جس طرح سرقہ قتل انسان اور توہین تحریری کا قانون جس کا عوام الناس پر اطلاق ہوتا ہے اُس کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ شاہی حقوق اور اختیارات

کے قانون کا اطلاق منفرد شخص پر کیا جاتا ہے لیکن وہ قانون خاص نہیں ہے بلکہ وہ اُن قوانین کا ایک جزو ترکیبی ہے جس سے قانون ملک مرکب ہوا ہے۔ اس کے برخلاف رسم و رواج تجارتی قانون کی نظروں میں جائز مانا جانے کے لیے عمومیت کا محتاج ہے یعنے جب تک اُس شخص کی جانب سے جو کسی رسم تجارتی کو قانوناً جائز ٹھیرانا چاہے یہ نہ بتلایا جائے کہ اُس رسم پر انگلستان کی تمام مملکت میں نہ کہ کسی خاص حصہ میں عمل ہوتا ہے اُس رسم کو قانونی جامہ نہیں پہنایا جاتا۔ اس پر بھی جب تک کسی تجارتی رسم کو عدالت میں بذریعۂ شہادت ثابت نہیں کیا جائے عدالت اُس کو تسلیم نہیں کرتی ہے اور جب تک عدالت تسلیم نہ کرے وہ خاص قانون تجارتی متصور ہوتا ہے اور اس کا ملک کے معمولی قانون میں ہرگز شمار نہیں کیا جاتا جس طرح ہنڈیوں کے قانون کا اطلاق اندنوں عام ہے اُسی طرح سابق میں بھی اُس کا ہر ایک ہنڈوی پر اطلاق کیا جاتا تھا لیکن اس قانون کا اب قانون خاص میں شمار نہیں ہوتا بلکہ ملک کے قانون عام میں وہ ضم ہو گیا ہے۔ بہرحال اعتراض متذکرۂ بالا میں جس قدر صداقت ہے وہ اسی قدر ہے کہ جس قسم کے قواعد قانونی کا بمقابل دوسرے قواعد قانونی کے زیادہ عمومیت کے ساتھ اطلاق کیا جاتا ہے اسی قسم کے قواعد کو عدالتیں تسلیم کرتی ہیں اور اُن کے متعلق ثبوت نہیں لیا جاتا ہے۔

فصل ۱۲ کامن لا (قانون غیر موضوعہ)

بدقسمتی سے انگریزی وکلا اور قانون داں لوگ قانون غیر موضوعہ کی اصطلاح کو مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ اصطلاح بھی منجملہ اُن الفاظ کے ہے جو انگلستان کے نظام قانونی کے تین مختلف شعبوں میں مختلف معنوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

(ا) قانون غیر موضوعہ اور قانون موضوعہ۔ قانون غیر موضوعہ کی اصطلاح کا اطلاق بعض وقت اُس تمام قانون پر کیا جاتا ہے جو قانون موضوعہ نہ ہو اور نہ کسی اور طرح سے وضع ہوا ہو۔ قانون غیر موضوعہ انگلستان کا

وہ قانون ہے جو رسم و رواج اور فیصلہ جات عدالت سے بنا ہو اور جو پارلیمنٹ کے یا اُس کے ماتحت دوسرے مجالس وضع قوانین کے بنے ہوئے قانون سے متضاد و مغائر سمجھا جاتا ہو۔

(۲) قانون پبلک اور قانون اک وٹی کامن لا کا ایک دوسرا مفہوم ہے اور ان معنوں میں اُس سے مراد وہ قانون ہے جو اِک وٹی (نصفت) کا مقابل و حریف سمجھا جاتا ہے اور اس میں ملک کا وضع کردہ اور غیر وضع کردہ دونوں قسم کا قانون شامل ہے۔ اِک وٹی[1] سے مراد ایسا قانون ہے جس پر قدیم زمانہ میں عدالت چانسری کسی دوسرے قانون کو اطلاق کرنے کے بجائے محض عمل کرتی تھی چنانچہ جب ہم عدالت کنگس بنچ یا عدالت اکسچیکر (مال) کو کامن لا کی عدالتیں کہتے ہیں تو ہمارا مقصد اُن کے قانون اور چانسری کے قانون میں اختلاف بتلانا ہوتا ہے۔

(۳) کامن لا (قانون عام) اور قانون خاص۔ کامن لا کا ایک تیسرا مفہوم بھی ہے اور ان معنوں کے لحاظ سے یہ اصطلاح اُس اصطلاح کی جس کا نام ہم نے قانون عام بتلایا ہے مرادف ہے اور اس بنا پر کامن لا انگلستان کے قانون خاص کی مختلف قسموں جیسا کہ رسوم و رواجات مقامی ہیں مقابل سمجھا جاتا ہے اور جن کا عدالتیں کسی کے وقت بوجوہ خاص اور ثبوت لینے کے بغیر بطور عملدرآمد اطلاق نہیں کیا جاتا۔

قانون پیشہ انگریزوں نے کامن لا کی اصطلاح کو علمائے قانون کلیسہ سے اختیار کیا ہے لیکن یہ علما اُس کو کنیسہ کے قانون عام کے مفہوم میں استعمال کرتے تھے اور اس کا اُن مختلف رسوم سے امتیاز کیا جاتا تھا جن کے سبب سے دنیائے مسیحی[2] کے مختلف علاقوں کے کلیسائی

---

[1] اِک وٹی کے متعلق اس کے بعد کی فصل دیکھی جائے۔

[2] اگرچہ قانون عام (Jus Civile) کی اصطلاح کا قانون روما میں بھی پتا چلتا ہے لیکن اس کے وہ معنی نہیں ہیں جن معنوں میں ہم اُس کو استعمال کرتے ہیں بلکہ بعض وقت

عام قانون میں ترمیم اور کمی وزیادتی ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان رسوم کلیسائی سے بارھویں اور تیرھویں صدیوں میں انگریزی عدالتوں کے جج صاحبان جو پادریوں کے گروہ سے ہوتے تھے ضرور واقف رہے ہیں اس لیے انھوں نے اس اصطلاح کو اختیار کیا تھا چنانچہ ابتدائی زمانہ کے نظائر قانونی (Year Books) کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ اُس زمانہ میں ان معنوں کے لحاظ سے عام قانون اور قانون مختص میں بخوبی فرق ہونے لگا تھا۔ کامن لا وہ عام قانونی نظام ہے جس کی تعمیل برطانیہ کی معمولی شاہی عدالتیں ؎ کراتی ہیں اور اس طرح اس کا دوسری دو قسم کے قانون سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اولاً اس میں اور اُس قانون میں فرق کیا جاتا ہے جو نہ تمام معمولی شاہی عدالتوں میں نافذ ہوتا ہے اور نہ اُس کی تعمیل کیجاتی ہے بلکہ ملک کی اُن مخصوص عدالتوں میں جو دوسری قسم کے نظامات قانون کے ماتحت ہیں اُس پر عمل ہوتا ہے۔ مثلاً کنگس بنچ کی عدالت میں کامن لا اور انگریزی کلیسائی عدالتوں میں قانون کلیسائی اور عدالت بحریہ میں قانون ملک اور اس کے کچھ زمانہ کے بعد عدالت چانسری میں اک وٹی (نصفت) پر عمل کیا جاتا تھا۔

ثانیاً کامن لا کا مقابلہ قانون خاص کی اُن مختلف قسموں سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ اس کے معنی قانون قدرت کے لیے جاتے ہیں اور اُس کا مقابلہ قانون رومائے کیا جاتا ہے (D. 1-1-6. pr.) اور کبھی اُس کو ایسے قوانین کا متضاد سمجھا جاتا ہے جو النادر کالمعدوم ہیں اس دوسری قسم کے قواعد وہ ہیں جو خاص خاص فوائد اور ضرورتوں کے لحاظ سے عام قانون روما کے خلاف اصول بنائے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو (D. 28-6-15 and D. 1-3-16.)

؎ عہد ایڈورڈ اول ایربک جلد ۲۰ و ۲۱ صفحہ ۳۲۹۔ اس کے سوا سے ملاحظہ ہو تاریخ قانون انگلستان مصنفہ پالک و میٹ لینڈ جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ طبع اول۔

کیا جاتا تھا جن پر بادشاہ کی معمولی عدالتوں میں عمل ہوتا تھا اور جن کے سبب سے قانون ملک میں کمی ہوتی تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر کامن لا کا مقامی رسم[1] تجارت پیشہ لوگوں کے رسوم[2] قانون موضوعہ[3] اور قانون عہد و پیمان[4] سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ وہ فرق قابل غور ہے جو کامن لا (قانون غیر موضوعہ) اور وضع کردہ قانون میں ہے۔ ابتدا میں لوگوں کا خیال تھا کہ وضع کردہ قانون کے سبب سے اس قانون کی حیثیت میں جس پر بادشاہ انگلستان کی عدالتیں عمل کرتی تھیں کمی ہوتی ہے۔ اس بنا پر کامن لا یعنی قانون عام کا اسی طرح مد مقابل متصور ہوتا تھا جس طرح معاہدات، رواجات مقامی اور تجارت پیشہ لوگوں کا قانون ملک کے قانون عام کے متضاد سمجھے جاتے تھے۔ گو منطق کی رو سے اس طرح کا اختلاف صحیح نہیں ہو سکتا تاہم اگلے زمانہ کے قانون دان انگریز قانون ملک کی مختلف قسموں میں اس طرح فرق کرتے تھے۔ چنانچہ جو تعلق کسی مقامی قانون یا رسوم تجارتی کو انگلستان کے ملکی قانون سے ہے اسی طرح کا تعلق عام ایکٹ اور قانون ملک میں نہیں ہو سکتا اس پر بھی خواہ از روئے منطق ایسی طرح کا امتیاز جائز ہو کہ نہیں ایکٹ کو قانون خاص کی مختلف قسموں کے مساوی سمجھا جاتا تھا اور ان دنوں کے عالمان قانون کا خیال تھا کہ وضع کردہ ایکٹوں کے ذریعے سے قانون ملک کی وقعت کم ہوتی ہے۔ بنا بریں علیہ اس زمانہ میں بھی کامن لا ان معنوں میں سے جن کا ابھی ذکر ہوا اپنے ایک

---

[1] ایر بک ۲۱ و ۲۲ عہد ایڈورڈ اول صفحہ ۲۱۳۔
[2] ایر بک ۲۱ و ۲۲ عہد ایڈورڈ اول صفحہ ۴۵۸۔
[3] ایر بک ۲۱ و ۲۲ عہد ایڈورڈ اول صفحہ ۵۵۔
[4] براکٹن ۴۸۷ ب۔

مخصوص معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کے باعث اُس سے مراد ایسا انگریزی قانون پایا جاتا ہے جو غیر مکتوبی یعنے غیر وضع کردہ ہو اور اُس کا اُس کل قانون سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس کا ماخذ وضع قوانین ہو۔

فصل ۱۳ قانون اور نصفت

انگلستان میں ۱۸۷۳ء تک عجیب وغریب اور ایک دوسرے سے متضاد دو نظامات قانونی پر عدالتیں عمل کرتی رہی ہیں اور ان دونوں نظامات کے دو مختلف نام تھے یعنے کامن لا (قانون موضوعہ) اور اک وٹی (نصفت) بلکہ اکثر اوقات لوگ بنظر سہولت پہلی اصطلاح کو قانون اور دوسری کو نصفت کہتے تھے۔ اس طرح قانون اپنے زیادہ تنگ معنوں میں جس میں نظام اک وٹی داخل نہیں ہے استعمال ہوتا تھا۔ ان دونوں قانونی نظامات میں کامن لا زیادہ قدیم ہے اور اُس کی ابتدا انگلستان میں اُس وقت ہوئی ہے جس زمانہ سے بادشاہ نے عدالتوں کے ذریعہ سے عدل گستری کی ملک میں بنا ڈالی اور اُن زیادہ قدیم عدالتوں میں جیسا کہ کنگس بنچ کامن پلیز (دیوانی) اور محکمۂ مال کی عدالتیں تھیں اس نظام قانونی پر عمل ہوتا تھا۔ اس کے بہت دنوں بعد مسائل لطفتی کے مجموعہ کی بنا پڑی اور چانسلر (میر مجلس عدالت چانسری) کے ہاتھوں اُس کی ترقی ہو کر وہ اُس کا نفاذ عدالت چانسری میں کرتا رہا اور اُس کے ذریعہ سے ملک کے زیادہ قدیم قانون کی ترمیم اور اصلاح ہوتی رہی۔ اکثر امور کی بابت ان دونوں قانونی نظامات میں یکرنگی اور مساوات پائی جاتی تھی۔ کیونکہ عدالت چانسری کا مقولہ تھا کہ نصفت قانون کی تابع ہے یعنے جو اصول وقواعد زیادہ قدیم عدالتوں میں طے ہوتے تھے اُن کو چانسلروں نے اختیار کرکے نظام اک وٹی میں ضم کر لیا تھا جب تک ان اصول وقواعد کو رد کرنے یا اُن میں ترمیم کرنے کی کوئی خاص وجہ نہ ہوتی تھی یہ لوگ ان ہی پر عمل کرتے تھے۔ اس پر بھی متعدد

امور کی نسبت قانون اور نصفت میں سخت اختلاف ہو جاتا تھا اور ایک ہی معاملہ پر مختلف قسم کے قواعد کا اطلاق کیا جاتا تھا - ایک ہی مقدمہ کا کنگس بنچ کی عدالت میں ایک طرز سے اور چانسری کی عدالت میں دوسرے طریقہ سے تصفیہ ہوتا تھا جس کے سبب سے اکثر اوقات جس دعوے میں کہ کنگس بنچ کی عدالت ڈگری صادر کرتی تھی اگر وہی دعوے چانسری کی عدالت میں پیش ہوتا تو خارج کر دیا جاتا تھا - قانون تنظیم محکمہ جات عدالت بابت ۱۸۷۳ء کی رو سے ملک کے کامن لا کے اُن اجزا کی جن کا نصفت سے تصادم ہوتا تھا تنسیخ ہو گئی ہے اور اس کے بعد دونوں نظامات قانونی کو ملا کر قانون کا ایک ایسا مجموعہ بنایا گیا ہے جو اپنی ضرورتوں کو آپ پورا کر سکتا ہے اور اس بنا پر اُن متضاد اور مخالف نتائج کا سدِ باب ہو گیا ہے جو اس قانون کے اجرا کے پہلے اور قانون نصفت کی مخالفانہ حالت کے سبب سے پیدا ہوتے تھے -

ہر چند قانون اور نصفت کا فرق باہمی ایک تاریخی واقعہ بن گیا ہے لیکن اس زمانہ میں بھی ان دونوں کے امتیاز سے طلبا کو واقف ہونے کی ضرورت ہے - اس اختلاف کا جاننا نہ صرف اُس کی قیاسی دلچسپی کے سبب سے لازم ہے بلکہ اس اختلاف کا انگریزی نظام قانون پر ایسا گہرا اثر ہوا ہے کہ جب تک کوئی طالب علم بخوبی اُس کی ماہیت سے واقف نہ ہو انگریزی قانون کو عملی طور پر استعمال نہیں کر سکتا -

(۱) اگرچہ لفظ اک وٹی کے تین مختلف مفہوم ہیں لیکن ایک مفہوم کا دوسرے سے ربط ہے - پہلے مفہوم کے لحاظ سے اک وٹی قدرتی انصاف کی مترادف ہے چنانچہ لاطینی زبان کا مقولہ ہے کہ اک وٹی (نصفت) ایک قسم کی مساوات ہے یعنے ایک شخص کا دوسروں کے ساتھ نیکی اور بدی صلہ اور سزا میں غیر طرفداری اور انصاف کے ساتھ یکساں پیش آنا ہے - روزمرہ میں بھی اک وٹی کے معنی یہی ہیں اور اس مفہوم کو قانون سے کوئی تعلق نہیں ہے -

(۲) دوسرے معنوں کے لحاظ سے اکوٹی سے مراد نہ صرف قدرتی انصاف ہے بلکہ قانون کے ناممکن التاویل قواعد کے مقابلہ میں اکوٹی کے معنی ممکن التاویل قانون کے ہوتے ہیں اِسی بنا پر (Aequitas) (ممکن التاویل قواعد) کا (Summum jus) (سخت قانون) یا (Strictum jus) نہایت سخت یعنے ناممکن التاویل قانون) یا Rigor juris (قوانین شدید وسخت) سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ چونکہ قانون ملک میں عام اصول بیان کیے جاتے ہیں اور شخصی مقدمات کے مخصوص حالات کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے اس لیے قانون کی عمومیت کے سبب سے اکثر انفصال مقدمات کے وقت لوگوں کے حق میں ناانصافی ہوتی ہے اور بعض دفع قانون مرتب کرنے کے وقت کسی ایسے دعوے کے متعلق جس پر اُس قانون کا اطلاق ہونے والا ہے فریق متضرر کے موزون چارۂ کار کا اُس قانون میں قرار دیا جانا واضعان قانون کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ پس ایسی کل ضرورتوں میں جن میں قانون نے دادخواہوں کی ضرورتوں کے موافق چارۂ کار اور دادرسی کے بتانے سے اغماض کیا ہے عدالتوں کو قانون کے حدود سے تجاوز کرنے بلکہ اُس کے خلاف اور قدرتی انصاف یعنے ایسے ہدایات کے موافق جو عقل اور دیانتداری کے سبب سے انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ پس جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ بمقابلۂ قانون اکوٹی پر فیصلہ کیا گیا تو اُس سے یہی مراد ہے جس کو ہم نے اب بیان کیا اور جس حد تک جو عدالت ملکی قانون کے قواعد میں اس طریقے سے اضافہ یا مخصوص حالتوں میں اُن کو ترک کرنے کا اختیار رکھتی ہے وہ اکوٹی کے اس مفہوم کے لحاظ سے اکوٹی کی عدالت کہلاتی ہے اور اُس کا قانون کی عدالت سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔

قانون اور نصفت کا اختلاف جو اس طرح بیان کیا گیا ہے اس طرح کا فرق یونانیوں اور رومیوں کے یہاں بھی اُن کے طریقۂ عمل آئینی میں جائز مانا جاتا تھا چنانچہ ارسطو نصفت کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ

اُس کے ذریعہ سے ملکی قانون میں جہاں کہیں اُس کی عمومیت[1] کی وجہ سے نقص ہو اصلاح کیجاتی ہے۔ جو حکما اور علمائے قانون اُس کے بعد گزرے ہیں انھوں نے بھی اپنی تصنیفات میں متواتر نصفت کی اس تعریف کو لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے مقام پر ارسطو لکھتا ہے کہ "ثالث نصفت کے مطابق اور جج (قاضی) بپابندی قانون فیصلہ کرتا ہے۔ اور نصفت کے عمل کو ترقی دینے کی غرض سے طریقۂ ثالثی رائج[2] کیا گیا" اسی طرح سسرو کی تصنیفات میں جابجا نصفت اور قانون کا فرق بتلایا گیا ہے اور اُس نے بھی ہر مقام پر اس مقولہ کی جو ضرب المثل بنگیا ہے نقل کی ہے یعنے جس قدر سختی کے ساتھ قانون کا اتباع ہوتا ہے اُسی قدر وہ نقصان دہ ہوتا ہے اور انتہائی قانون سے مراد قانون ملک کی ایسی سختی جو نصفت کی آمیزش کے بغیر معتدل نہ ہوئی ہو۔ بعد ازاں رومیوں کے علمائے قانون کی کتابیں اس خیال سے بھری پڑی ہیں۔

یونانیوں اور رومیوں کے علم ادب سے گزر کر اس مسئلہ نے ازمنۂ وسطیٰ کے روایتی اصول قانون میں جگہ اختیار کر لی۔ چنانچہ اس کے متعلق اکوائی نس نے اپنی کتاب ٹراکٹیٹس ڈی لیجبس (رسالۂ قانون) میں طویل بحث کی ہے۔ اس بنا پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ماہرین قانون بھی نصفت سے واقف تھے جن کے ہاتھوں انگریزی نظام قانونی کی بنا ہوئی اور جس طرح قدما کے وضع کردہ بعض مسائل قانونی کا انگلستان میں عملدرآمد ہوا اسی طرح تیرھویں صدی کی انگریزی عدالتوں میں نصفت پر بھی عمل کرنا شروع ہو گیا تھا۔ اس امر کے یاد رکھنے کے لیے کہ اُس زمانہ کی شاہی عدالتیں قانون موضوعہ رسوم اور نظائر قانونی کی پابندی پر مجبور

ل (Nic Ethics V. 10.) اہل یونان کے یہاں انکی ٹی کا نام اسے پائی کیا (Epieikeia) تھا۔

(Rhet. 1-13-19.) ل

نہیں تھیں اور وہ بمقتضائے انصاف محدود قانون سے تجاوز کر سکتی تھیں ہمارے پاس کافی وجوہ موجود ہیں بلکہ اس کے صدیوں بعد قانون ملک اس قدر سخت، ناممکن التاویل اور ناقابل وسعت بن گیا کہ اس کے ذریعہ سے محض قانون ہی قانون کا ایک نظام تیار ہو گیا جس کی وجہ سے ان عدالتوں میں نصفت پر عمل کرنا موقوف ہو کر اس عدالت میں جس کا قیام ہو کر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور جس کی صدارت چانسلر کرتا تھا نصفت کی عملداری قائم ہو گئی۔

چونکہ چانسری کی عدالت کا مجلس شاہی کی ایک فرع کی حیثیت سے قیام ہوا تھا اس لیے اس میں اس اکوئٹی (عدل و انصاف) پر عمل ہونے لگا جس کو عام قانون نے اور ان عدالتوں نے جن میں اس قانون کے احکام کی تعمیل ہوتی تھی ترک کر دیا تھا۔ قانون کی شاہی عدالتوں میں قواعد کی سختی، ان کو محدود مفہوم اور اصطلاحات کے سبب سے جو ناانصافی اہل مقدمات کے حق میں ہوتی تھی اس طرز کے عدل و انصاف کے ذریعہ سے اس کا تدارک ہو گیا اور لوگوں کے لیے قانون کی عدالتوں کے فیصلوں کی ناراضی سے بادشاہ کی نیک نفسی اور انصاف سے استدعا کرنے کا موقع نکل آیا لیکن بادشاہ اس نیک نیتی اور انصاف پسندی کا اظہار چانسلر کی زبان (یعنی ذریعہ) سے کرتا تھا۔ اگرچہ بادشاہ انصاف کا صدر و منبع سمجھا جاتا تھا یعنی رعایا کے حق میں دادرسی کرنا بادشاہ کے خاص حقوق و اختیارات میں شامل تھا مگر اس نے اس خدمت قضا کو اپنے ملازمین (ججوں) کے تفویض کر دیا تھا اور ان ججوں نے اپنے کو ان ناممکن التاویل اور سخت قواعد کا جو ان عدالتوں کے ذریعہ سے بنائے گئے تھے پابند کر لیا تھا اس لیے رعایا میں سے اگر کسی شخص کو بادشاہ کی عدالتوں کے انصاف قانونی کا اعتقاد ہوتا تو وہ بادشاہ کے فطرتی (و طبعی) انصاف سے رجوع کرتا تھا اور اگر قانون کی عدالتوں کے ناممکن التاویل اور سخت قانون کو وہ اپنی ضرورتوں کے موافق نہ پاتا تو یہاں اس کی دادرسی نصفت کے ذریعہ سے کی جاتی تھی۔ ابتدا تو بادشاہ کے اس اختیار نصفتی پر مجلس شاہی عمل کرتی رہی لیکن اس کے کچھ دنوں بعد یہ شاہی اختیار چانسلر کے

تفویض کیا گیا جو بادشاہ کے ایمان کے محافظ کی حیثیت سے اختیار نصفتی کو استعمال کرنے لگا۔

(۳) اکوٹی کے پہلے دو معنوں کی بخوبی تصریح ہو جانے سے میرے خیال میں ناظرین کتاب اس کے تیسرے مفہوم کو جو اس فقرہ میں بیان کیا جاتا ہے آسانی سے سمجھ سکیں گے۔ یہ تیسرا مفہوم انگریزی زبان کے تسمیۂ قانون سے مخصوص ہے۔ قانون کی ضد نصفت نہیں ہے بلکہ وہ ایک قسم کا مخصوص قانون سمجھی جاتی ہے۔ اس بنا پر نصفت کو ایسا مجموعۂ قانون سمجھنا چاہئے جس پر چانسری کی عدالت عمل کرتی ہے اور اس نظام قانون کا اُس نظام سے مقابلہ کیا جاتا ہے جو اس کا حریف ہے اور جس کو ملک کے عام قانون کی عدالتیں نافذ کرتی ہیں۔ نصفت چانسری کا قانون ہے اور اُس کا ملک کے عام قانون سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ لیکن چانسری کی نصفت کی حقیقت اور مفہوم بدل گیا ہے کیونکہ ابتدا میں اس کی حیثیت کسی طرح سے قانون کی نہ تھی بلکہ نصفت سے فطرتی انصاف مراد لیا جاتا تھا۔ ابتدائی زمانہ میں جبکہ چانسلر اپنے مفوضہ اختیارات نصفتی پر عمل کرتا تھا اُس نے نصفت کو قانون عام کا جو کورٹ آف کامن پلیز (عدالت دیوانی) میں نافذ تھا ہمسر اور جدید قسم کا قانون نہیں قرار دے رکھا تھا بلکہ اُس کی غرض ان اختیارات کے ذریعہ سے قانون کے بغیر معدلت کرنا تھی اور وہ سالہا سال تک نصفت کو قانون بنانے کے بغیر اُس سے اس طرح کام لیتا رہا اور ابتداءً وہ ان اختیارات پر عمل کرنے میں قاعدے اور قانون کے کل قیود سے بالکل آزاد تھا بلکہ ہر ایک مقدمہ کے حالات خاص کے لحاظ سے جو بات اُس کو "مطابق انصاف و عقل معلوم ہوتی تھی یا جس میں وہ اپنی ایمانداری اور نیک نفسی سمجھتا تھا" اس کے موافق فیصلہ کرنا وہ اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ اور ہر ایک مقدمہ کی مخصوص

لہ یہ الفاظ اسپینس کی کتاب موسومہ اختیارات نصفت متعلق عدالت چانسری جلد ۱ صفحہ ۴۰۸ نوٹ (الف) سے لیے گئے ہیں۔

ضرورتوں کا وہ اپنے صوابدید پر اندازہ کرتا تھا۔ بہرحال مرورِ زمانہ کے ساتھ اس عدالت میں بھی عدالت کے اختیارات تمیزی کے عوض اسی طریقہ اور ترکیب سے مقررکردہ اصول وضوابط پر عمل ہونے لگا جس ترکیب سے اکثر ملکوں میں مقررکردہ اصول وضوابط کے ذریعہ سے نظامات قانونی کی بنا و ترقی ہوتی ہے۔ چانسلر نے بادشاہ کی نیک نفسی اور ایمانداری کی ہدایات واحکام کی تعمیل کرنے میں اُن کی اپنے طور پر تاویل کرنی بتدریج ترک کردی اور اپنے کو قاعدے اور نظیر کا پابند بنایا۔ جب چانسری کے طرزِ عمل میں اس طرح کا تغیر واقع ہوا تو اُس طرح کی نصفت جس پر ابتدا میں اُس کا عملدرآمد ہی تھا باقی نہیں رہی اور جو مفہوم شروع میں نصفت کا لیا جاتا تھا مفقود ہوگیا اور نصفت کی بھی وہی کیفیت ہوگئی جو ملک کے عام قانون کی تھی بالآخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان میں ایک کے بجائے دو دو نظامات قانون قائم ہوگئے اور اس دوسرے نظام نے اکثر امور میں پہلے نظام کو نہ صرف ساکت بنادیا تھا بلکہ اس کو دوسرے کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ قانونی ترقی حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اس کا قانون اسی طرح سخت اور ناممکن التاویل تھا اور اصطلاحات اور پہلے کے طے شدہ اصول سے پُر ہوگیا تھا جس طرح کہ اس قسم کی خرابیوں سے عام قانون بدنام تھا۔ چونکہ اس قانون جدید کا ماخذ نصفت تھی اور اُس کے ذریعہ سے اُس کی ترقی ہوئی تھی اس لئے اُس کو نصفت کہتے تھے

انگلستان کے چانسلر کے بنائے ہوئے قانون نصفت کے بالکل مشابہ پریٹر کا قانون تھا جس کا بانی رومیوں کا پریٹر سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح ملک کے قدیم قانون کی کمی اور غلطیوں کی نصفت کے ذریعہ سے تکمیل و اصلاح کرنے کا اختیار چانسلر کو انگلستان میں دیا گیا تھا اسی طرح رومیوں کی جمہوری حکومت میں ایسی ہی غرض کو انجام دینے کے لئے پریٹر کو جو اُس سلطنت میں سب سے اعلیٰ حاکم عدالت سمجھا جاتا تھا اختیار عطا کیا گیا تھا۔ جس طرح انگلستان میں اس اختیار کے سبب سے چانسری کے قانون کا ایک نظام تیار ہوکر ملک کے عام قانون کا ہمسر بن گیا اسی طرح روما میں پریٹر کے قانون کی ابتدا ہوئی

اور اُس کی جداگانہ ہستی کے سبب سے اُس میں اور قانون ملک میں امتیاز کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پیپی نی ین (Papinian) لکھتا ہے کہ "اُن تمام امور سے جن کو پریٹروں نے رضا یا قوم کی بھلائی کی غرض سے اپنے فیصلوں کے ذریعہ سے پیراستہ ملک کے قانون میں داخل کیا اور جو غلطیاں اُس میں تھیں اُن کے رفع کرنے سے وہ مجموعۂ قوانین (یا نظام قانون) تیار ہوا جو قانون پریٹر کے لقب سے ملقب ہے" لیکن انگریزی نصفت اور رومی نصفت میں ایک خاص قسم کا فرق ہے۔ روما میں قانون کے دونوں نظامات پر ایک ہی عدالت عمل کرتی تھی اور جب کبھی قانون ملک، قانون پریٹر کے متغائر و مخالف ثابت ہوتا تھا تو اس دوسرے قانون کو پہلے قانون پر فضیلت دیجاتی تھی اس کے برخلاف انگلستان میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے قانون اور نصفت کی تعمیل دو مختلف قسم کی عدالتیں کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ انگریزی اور رومی نصفت میں ایک اور فرق ہے۔ اگرچہ قانون پریٹر کا ماخذ پریٹر کی نصفت ہے لیکن وہ نظام قانون کبھی نصفت کے نام سے موسوم نہیں ہوا بلکہ انگلستان میں اس دوسرے نظام قانون کا اُس کے اصلی نام سے نصفت لقب قرار دیا گیا اور یہ نام انگریزی نصفت کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔

تیسرا باب

دیگر اقسام قانون

فصل ۴۱ - قانون کا عام مفہوم - قاعدۂ فعل

چونکہ سابق کے باب میں قانون ملک کی بابتہ تفصیل سے بحث ہوچکی ہے لہذا ہم اس باب میں قانون کی دوسری قسموں کا امتحان کرکے اُن کے باہمی فرق کو دکھلانا اور جو اختلاف اُن میں اور قانون میں ہے اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے زیادہ وسیع اور مبہم مفہوم کے لحاظ سے لفظ قانون کے معنی کسی کام کے قاعدہ کے ہیں یعنے ایسا معیار یا نمونہ جس کے ساتھ افعال کی (خواہ وہ افعال حیوان ناطق کے ہوں یا فطرت کے افعال وحرکات) مطابقت ہوتی ہے یا ہونی چاہئے۔ بقول ہوکر[۱] "انسان ہر ایک قسم کے قاعدے کو جس کے بموجب افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے خواہ اُس کا تعلق ملکی امور سے ہو کہ کلیسائی معاملات سے قانون کہنے کا عادی ہوگیا ہے"۔ بلیک اسٹن[۲] لکھتا ہے کہ "قانون کے سب سے زیادہ عام اور جامع مفہوم کے لحاظ سے اُس کے معنی کام کرنے کے قاعدے کے ہیں اور لوگ بلا احتیاط اس لفظ کا اطلاق جاندار اور غیر جاندار، حیوان ناطق اور حیوان مطلق کے ہر ایک قسم کے فعل پر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم قانون حرکت۔ قانون کشش ارضی، قانون مناظر ومرایا، قانون جر اثقیل، قانون قدرت اور

[۱] کلیسائی نظم مملکت جلد ا فصل ۳ صفحہ ۱۔

[۲] تفاسیر جلد ا صفحہ ۳۸ (Commentaries on the Laws of England 1. 38.)

قانون اقوام بلا تکلف کہا کرتے ہیں۔"

قانون کے جس مفہوم کا فقرۂ بالا میں ذکر کیا گیا ہے اُس کے لحاظ سے قانون کے متعدد اقسام ہیں اور منجملہ اُن کے ذیل کی قسمیں نہایت اہم ہیں اس لئے ان کا فصل واری بیان کرنا اور جداگانہ امتحان کرنا ضرور ہے۔ (۱) طبعی یا سائنٹفک قانون۔ (۲) قدرتی یا اخلاقی قانون (۳) قانون تعبدی (۴) قانون عہدی (۵) رسمی قانون۔ (۶) عملی قانون۔ (۷) بین الاقوامی قانون۔ (۸) ملکی قانون۔ لیکن ہماری رائے ہیں ان قوانین کے اختلاف نوعیت کو بذریعۂ تحلیل ثابت کرنے کے پہلے خیالات ذیل کا بطور تمہید اظہار کر دینا مناسب ہے:—

(۱) اسمائے قانون کی جو فہرست ہم نے پیش کی ہے وہ کسی منطقی قاعدے پر مبنی نہیں ہے بلکہ قانون کے مخصوص اقسام کے نام ہم نے ترتیب وار بیان کئے ہیں۔

(۲) ہماری اس تقسیم قوانین میں اگر ایک ہی قسم کا قاعدہ (قانون) دوسرے اقسام قانون کے زمرہ میں داخل ہو جائے تو اُس سے اس تقسیم پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔

(۳) ہم نے جو اقسام قانون کے مقرر کئے ہیں اُن کے جواز یا عدم جواز کی بابت بحث کرنا (یعنے اس بات کا ثابت کرنا کہ ان میں سے کون قسمیں صحیح طور پر اور کون اقسام غیر صحیح طور پر قانون کہلا سکتی ہیں) فعل عبث اور تحصیل حاصل ہے کیونکہ اس طرح کے مباحث سے نفس مضمون کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور جو کچھ بحث کیجاتی ہے وہ تکرار لفظی کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ہمارا کام حقیقت کو ماننا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انگریزی زبان میں قانون کا لفظ اُن قوانین کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جن کی فہرست سابق میں دی گئی ہے اس لئے اُن مختلف اقسام کے قواعد میں امتیاز کرنا اور اُن کی نوعیت کو سمجھنا جن پر ایک ہی لفظ قانون کا اطلاق ہوتا ہے ہمارا فرض ہے۔

فصل ۱۵ طبعی یا سائنٹفک قانون

طبیعیات یا سائنس کے قوانین کا اس سے زیادہ اور کچھ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اُن قوانین سے مراد ایسی عبارتیں ہیں جن سے عالم فطرت کی یکسانی اور یکرنگی پائی جاتی ہے یعنے یہ ایسے عام اصول ہیں جن کی بنا پر نظام عالم کے افعال و حرکات و سکنات میں قاعدہ اور ضابطہ نظر آتا ہے چنانچہ اس مفہوم کی بنا پر روزمرہ زبان میں قانون کشش ارضی قوانین مدوجذر یا قوانین ترکیب کیمیائی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ دنیا کے حالات پر ہی کیا موقوف ہے بلکہ ایسے کل افعال انسانی جن میں یکرنگی اور باقاعدگی پائی جاتی ہے اس قسم کے قانون کے تحت میں آسکتے ہیں مثلاً ہم سب لوگ قوانین اقتصادیات (سیاست مدن) یا گریم کا قانون اصوات کہا کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ایسے قواعد ہیں جن کے ذریعے سے اُن کاموں کا کیا جانا معلوم ہوتا ہے جن کو انسان کرتے ہیں مگر ان قوانین کا یہ منشا نہیں ہے کہ انسان کو کیا کرنا چاہیئے۔

طبعی قوانین بھی اصل میں قدرت کے قوانین ہیں اور بالعموم قدرتی قوانین یا قوانین قدرت کے نام سے ملقب ہیں لیکن ان اصطلاحات میں ایک قسم کا ابہام ہے اس لئے کہ ان کا اطلاق بھی قانون اخلاق پر کیا جاتا ہے یعنے ان سے مراد فطرتی حق و باطل کے اصول ہیں۔

یہ جو مذہبی خیال ہے کہ دنیا اور مافیہا کے جتنے کام ہیں (خواہ اُن کا تعلق جاندار مخلوق سے ہو کہ غیر جاندار اور خواہ حیوان ناطق کے وہ افعال ہوں یا حیوان مطلق کے) وہ سب خدا کی مرضی اور اُس کے حکم سے ہوتے ہیں لہٰذا اس تصور کی تقلید میں لوگوں نے لفظ قانون کا یکرنگی افعال و باقاعدگی کار کے واسطے استعمال کرنا شروع کر دیا اس لحاظ سے ایسے موقعوں پر اصطلاح قانون کا مفہوم ایک حکمانہ قاعدۂ کار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس تصور کی ابتدا عبرانیوں کی مذہبی کتاب زبور سے ہوئی

اور اس کے بعد از منۂ وسطیٰ میں جب علم الکلام اور الہیات (حکمت اولین) کی ایجاد ہوئی تو اُن کے ذریعہ سے اور بھی اس کا استحکام ہوا۔ یہ فلاسفہ کا وہ مذہب تھا جو عبرانیوں کے مذہبی معتقدات اور یونانیوں کے فلسفہ سے مل کر بنا تھا۔ انجیل میں بھی جا بجا اس امر کا ذکر کیا گیا ہے کہ عالم حکم خدا کے تابع ہے اور وہ اپنی کل مخلوق پر جس میں جاندار اور غیر جاندار دونوں شامل ہیں اُسی طرح حکومت کرتا ہے جس طرح آدمیوں کی ایک جماعت پر کوئی حاکم حکمراں ہوتا ہے اور دنیا کے کاروبار میں جو یہ انتظام اور انضباط نظر آتا ہے اُس کا سبب مخلوق کا اپنے خالق کی مرضی و احکام کی اطاعت و فرماں برداری کرنا ہے۔ چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ "اُس نے سمندروں کو امر کیا کہ میرے حکم سے سرتابی نکرنا[1]" "اُس نے پانی کے برسنے کا حکم دیا اور اُسی کے فرمان سے برق و رعد اپنا کام کرنے لگے[2]"۔ بہرحال اُن حکمائے اولین نے اس تصور کو اپنے مذہب فلسفہ کا اصول اولین قرار دیا چنانچہ ٹامس اکوائنس ولی کے خیال کے مطابق قانون ازلی ایک قسم کا فرمان الٰہی ہے جس کو خدا نے اپنی مصلحت سے اُن کل مخلوقات کو جو آسمان و زمین میں رہتی ہے اپنا مطیع اور فرماں بردار بنانے کی غرض سے جاری کیا ہے "قانون کی ایک قسم ازلی قانون ہے اور اس سے مراد خدا کی وہ حکمت ہے جس کے جاری کرنے کا وہ ارادہ رکھتا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ تمام جہان پر حکومت کرتا ہے... کیونکہ قانون ایسے حاکم کی ہدایت ہے جو ایک مکمل جماعت پر حکومت کرنے سے عقل و تجربہ رکھتا ہے۔ اس طرح کے حکم کے سوا قانون اور کچھ نہیں[3] ہے"۔ "چونکہ خداوند عالم نے اپنی صنعت کاملہ اور حکمت بالغہ سے دو جہان کو خلق فرمایا اور یہی عقل کل انسان کی شمع ہدایت ہے اور چونکہ دنیا کی تمام چیزوں کو

---

[1] ضرب الامثال ۸-۲۹ (Proverbs, 8. 29.)

[2] (Job, 28 26)

[3] (Summa, 1. 2. q. 91. art 1.)

اپنے اپنے فرائض انجام دینے اور جس غرض سے وہ خلق کی گئی ہیں اُس کی تکمیل کرنے کی ہدایت اسی عقل کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے عقل کل (حکمت الٰہی) کو ایک قسم کا قانون ازلی کہنا بجا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس بنا پر قانون ازلی حکمت و ارادۂ الٰہی کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور اُسی کی ہدایت پر مخلوقات کے کل افعال و حرکات میں باقاعدگی پائی جاتی ہے[۱]"

حکمائے اولین نے قانون ازلی کو دو حصوں میں منقسم کیا تھا۔ اس کے ایک جزو کے تابع افعال انسانی سمجھے جاتے تھے اور اس کا نام قانون اخلاق، قانون فطرت اور قانون عقل ہے لیکن اس کے دوسرے جزو کا تعلق افعال انسانی کے سوائے دوسری کل مخلوقات کے افعال سے ہے اور اس حصۂ قانون کا لقب اس زمانہ میں طبعی قانون یا قدرتی قانون ہو گیا ہے حالانکہ یہ اصطلاح بھی ابہام سے خالی نہیں ہے[۲]" قانون ازلی کے اس دوسرے حصہ کی باقاعدہ تعمیل ہوتی ہے کیونکہ حیوانات مطلق اس کے تابع ہیں اور وہ ارادۂ الٰہی کی بخوبی اطاعت کرتے ہیں مگر قانون مذکور کے پہلے جزو کی جو اخلاقی اور عقلی قانون ہے کامل طور پر پابندی نہیں کیجاتی اس لئے کہ انسان اپنے افعال کا مختار بنایا گیا ہے اور اس وجہ سے وہ خدا کے ارادہ سے روگردانی کر کے خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہے۔ لہذا قانون طبعی سے مراد عالم کے ایسے افعال و حرکات ہیں جو انسان کو نظر آتے ہیں اور جب لوگ قانون اخلاق یا قانون عقل کہتے ہیں تو اُس سے اُن کا منشا افعال انسانی کو موجودہ حالت سے بہتر حالت میں دیکھنا ہوتا ہے۔

ہوکر نے اپنی تصنیفات میں جو سولھویں صدی عیسوی کی ہیں

---

[۱] Summa, 1. 2. q. 93. art. 1.

[۲] Law of Nature in the sense of the Univers, i. e. Physical

Natural law, lex Nature, is either (1) the law of human Nature, i: e., the moral law, or (2) the

جا بجا نہایت فصاحت و بلاغت سے اس مذہب کے نظریۂ قانون کو بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "اُس کے حکم کُن سے موجودات عالم کا وجود ہوا اور اُس کے فرمانے سے کہ تم جس شکل میں خلق کیئے گئے ہو اُس میں رہو اور جو جو کام تمھارے سپرد ہیں اُن کو بجا لایا کرو دنیا کی کل چیزیں اپنی اپنی شکل پر قائم اور اپنے کار مفوضہ کی تکمیل کرتی ہیں اور انھی اوامر الٰہی پر قانون قدرت مبنی ہے!... جس روز خداوند عالم نے پہلے پہل اپنے احکام قانونی کا آسمان و زمین پر اعلان کیا تو جس صدا کے ذریعہ سے یہ اعلان ہوا اُس کو سن کر ان دونوں نے آمنّا و صدقّنا کہا اور اُس روز سے یہ دونوں خدا کے ارادہ کی تکمیل میں کوشاں ہیں اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں...... کیا یہ ہم کو بخوبی نظر نہیں آتا کہ مخلوقات کے قانون قدرت کی اطاعت کرنے سے دنیا قائم ہے[1]" "قانون کی عظمت ماننے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ اُس کا ماخذ علم خدا ہے اور اُس کی صدا پر انتظام و انضباط عالم قائم ہے آسمان اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب اُس کی فرماں بردار ہیں[2]"

اگرچہ زمانۂ حال میں طبعی یا قدرتی قانون پر اصطلاح قانون کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اُس کا مفہوم ضابطہ اور انتظام قدرت ہے لیکن اُس کا ماخذ مذہب مذکور کا نظریۂ قانون ازلی ہے بایں ہم وہ مذہبی تصور جس کی بنا پر خداوند عالم اس قانون کا واضع سمجھا جاتا تھا اب باقی نہیں رہا اور یہ جزو اُس نظریہ سے خارج کر دیا گیا اس لئے اُس تشبیہ کا اثر بھی جو غیر جاندار قدرت کے طبعی قانون سے اخلاقی یا ملکی قوانین کو دیجاتی تھی بہت کم ہو گیا ہے۔

فصل ۱۱ قانون قدرت یا قانون اخلاق

قدرتی یا اخلاقی قانون سے مراد قدرتی حق و باطل کے اصول یعنے قدرتی

---

[1] E C C. Pol. 1. 3. 2.

[2] E C C. Pol. 1. 16. 8.

انصاف کے اصول ہیں بشرطیکہ لفظ انصاف کا سب سے زیادہ وسیع مفہوم لیا جائے اور اس مفہوم کے لحاظ سے تمام قسم کے افعال جائز پر انصاف کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حق اور انصاف کی دو قسمیں ہیں قدرتی اور موضوعہ قدرتی انصاف سے مراد انصاف حقیقی و مثالی ہے یعنے ایسا انصاف جس سے بہتر کوئی دوسرا انصاف تصور میں نہ آسکے اور انصاف موضوعہ (وبناکردہ) وہ انصاف ہے جو پہلی قسم کے انصاف کے مقابلہ میں غیر مکمل اور کم درجہ کا سمجھا جائے اور اُس کا ماخذ کوئی ملکی قانون یا انسان کا بنایا ہوا قانون یعنے قانون موضوعہ ہو۔ جس طرح قانون موضوعہ کے ذریعہ سے انصاف موضوعہ ایجاد ہوتا ہے اُسی طرح حکما کے نزدیک قانون قدرت قدرتی انصاف کا باعث سمجھا جاتا ہے۔

جس خیال کی بنا پر ہم قدرتی اور وضعی انصاف میں فرق کرتے ہیں اور اسی کے مماثل قانون قدرت اور قانون موضوعہ میں امتیاز کیا جاتا ہے وہ فلسفۂ یونان سے لیا گیا ہے چنانچہ انصاف قدرتی کے لئے یونانی زبان میں ...... لفظ ہے اور انصاف وضعی کے واسطے ...... لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور قدرتی قانون جس سے کہنے والے کا منشا انصاف قدرتی ہوتا ہے اس طرح لکھا جاتا ہے ...... جب فلسفۂ یونان کی شمع ایتھنز میں گل ہوئی تو اُس حکمت کے آفتاب نے روما میں طلوع کیا اور (انصاف قدرتی بزبان یونانی) نے الفاظ (Justician Naturalis) کا ملبوس پہن لیا اور (Lex Naturae) نے (Jus Naturale) کی شکل اختیار کرلی۔

اہل یونان اس قانون قدرت کو تعبدی احکام کا ایک مجموعہ خیال کرتے تھے اور فطرت یعنے سارے جہان کو استعارتاً اس مجموعۂ قوانین کا جاری اور نافذ کرنیوالا مانتے تھے مگر یونانیوں میں خصوصاً رواقیوں (معتقدین زینو) یعنے زینونیوں کا زیادہ تر خیال تھا کہ فطرت ایک ایسی ذی حیات شئے ہے جس کا بدن جہان مادی اور جس کی جان و روح ذات الٰہی یعنے عقل کل ہے۔ انسان کی ہدایت کے واسطے اور اُس کا چال چلن درست کرنے کے لئے اُس عقل کل نے قانون قدرت کو جاری کیا ہے۔

اس ایک لقب کے سوائے قانون قدرت کے اور چند القاب مقرر کئے گئے ہیں جن سے اس کے مختلف اوصاف و انواع کا پتہ چلتا ہے چنانچہ اس کو قانون الٰہی (Jus Divinum) کہتے ہیں یعنے امر خدا جو انسانوں پر نافذ ہوا ہے اور قانون مذکور کی اس نوعیت کا زینونیوں کے اعتقاد ہمہ اوست سے اظہار ہوتا ہے اور جب حکمائے مسیحی نے اپنے نظام حکمت میں قانون قدرت کو داخل کرلیا تو انھوں نے بھی زینونیوں کے عقیدہ کو اس قیاس و تصور کا سرتاج قرار دیا۔ قدرتی قانون کا دوسرا لقب قانون عقل ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بنی عقل کے تابع دنیا قرار دی گئی ہے اور جس عقل سے عقل و فطرت انسانی خطاب کرتی ہے اور جس کا احساس اس دوسری عقل و فطرت کو ہوتا ہے اسی عقل نے اس قانون کو نافذ کیا ہے۔ اس قانون کا تیسرا لقب قانون غیر مکتوبی (Jusnum Scriptum) ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ پیتل کی تختیوں یا پتھروں کے میناروں پر یہ قانون لکھا نہیں گیا تھا بلکہ قدرت نے اپنے انگشت الہام سے انسانوں کے قلوب پر اس قانون کو کندہ کر دیا ہے۔ اس کا چوتھا نام سارے جہان کا قانون یا عام قانون (یونانی لفظ (Jus commone Jus Gentium) ہے چونکہ اس قانون کے تابع دنیا کا ہر ایک حصہ اور ہر ایک انسان ہے اس لئے وہ ہر مقام پر جائز سمجھا جاتا ہے اور دنیا کی تمام قومیں اس کو مانتی ہیں اور اس کی پابند ہیں ہر ایک ملک میں اس کی ایک ہی شان اور ایک ہی قسم ہے شہر ایتھنز میں اس کی جو شکل نظر آتی ہے وہی صورت روما میں دکھائی دیتی ہے اس لئے اس میں اور ملکوں کے قوانین میں بڑا فرق ہے کیونکہ مختلف ممالک کے قوانین بھی مختلف ہوتے ہیں (یونانی لفظ Jus civile) اسی قانون کا ایک اور لقب قانون ازلی (Lex Aeterna) ہے۔ چونکہ یہ قانون ابتدائے خلقت دنیا سے چلا آرہا ہے نہ تو کسی نے اس کو بنایا ہے اور نہ اس میں ترمیم و تبدیل کی گنجائش ہے اس لئے اس کو قانون ابدی کہتے ہیں۔ از بسکہ اس زمانہ میں قانون قدرت سے اصول اخلاق مراد لیجاتی ہے اس لئے اس کا اعلیٰ لقب قانون اخلاق قرار پایا ہے۔

لیکن قانون قدرت کے جس مفہوم سے ہم اس مقام پر بحث کرنا چاہتے ہیں

وہ اب باقی نہیں رہا اور اس اصطلاح کو اُن معنوں میں استعمال کرنا بالکل متروک ہوگیا ہے۔ بلکہ اس کے بجائے اصول انصاف فطرت اور قواعد اخلاق فطرت کی اصطلاحات خلائق کے زبان زد ہوگئی ہیں اور شاذ و نادر ہی کسی کی زبان سے قانون قدرت کا لفظ نکلتا ہے۔ بہرحال اس قدیم اور ازمنۂ وسطیٰ کی اصطلاح کو ترک کرنے کے دو مخصوص وجوہ ہیں اوّل یہ کہ قانون قدرت کی اصطلاح میں ابہام ہوگیا ہے کیونکہ اس ایک مفہوم کے سوا اُس کے دوسرے معنی قانون طبعی ہوگئے ہیں اور اس سے مراد طبعیات یعنے وہ انتظام و انضباط اور یکرنگی ہے جو انسان کو فطرت میں نظر آتی ہے ثانیاً یہ کہ اصول انصاف قدرت پر لفظ قانون کا اطلاق کرنے سے انسان کے ذہن میں چند بے اصل باتوں کا تصور آتا ہے اور قانون بنانے کے کل لوازمات کی تصویر جن کا قانون قدرت کے متعلق فی الواقع کوئی وجود نہیں ہے لفظ قانون کے کہنے سے سننے والے کے آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ لوازمات قانون میں حکم حاکم اُس حکم کا نفاذ اور حاکم کا اقتدار خارجی نیز وضع قوانین داخل ہیں کیونکہ زمانۂ حال میں علوم کی تقسیم ہوگئی ہے اور فلسفۂ جدید کی رو سے ایسے لوازمات و تصورات جن کا تعلق قانون کے وضع کرنے سے ہے قانون قدرت سے غیر متعلق سمجھے جاتے ہیں نیز اسی بنا پر لفظ قدرت کے ساتھ لفظ قانون کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اساتذۂ ماسلف کے اقوال سے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں قانون قدرت کی نسبت متقدمین اور ازمنۂ وسطیٰ کے لوگوں کے تصورات کا بخوبی پتہ ملتا ہے "

ارسطو[1] "قانون دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے عام اور خاص۔ قانون خاص قواعد و ضوابط مکتوبی پر مبنی ہے اور اُس کے ذریعہ سے آدمیوں پر حکومت کیجاتی ہے۔ قانون عام ایسے غیر مکتوبی احکام و قواعد پر مشتمل ہے جن کو دنیا کے کل انسان تسلیم کرتے ہیں "

---

[1] Rhet, 1. 10

"دو قسم کے قانون کے لحاظ سے حق و باطل کی تعریف کی گئی ہے . . . .
خاص قانون تو وہ ہے جس کو ہر ایک قوم نے اپنے لئے مقرر کیا ہے . . . . . .
عام قانون ایسا قانون ہے جس کی مطابقت صرف فطرت اور قدرت سے ہوتی ہے[1]"

سسرو "اس میں شک نہیں کہ دنیا میں ایک سچا قانون (lex) ہے یعنے عقل صحیح جو فطرت کے مطابق ہے اور کل آدمیوں کو عطا ہوئی ہے یہ کبھی بدلتی نہیں اور ہمیشہ رہنے والی ہے . . . . . . کوئی شخص اس قانون کو بدل نہیں سکتا اس میں نہ کمی ہوسکتی ہے اور نہ کسی کے کئے سے یہ منسوخ ہوسکتا ہے۔ اس قانون کی قید سے کوئی شخص ہم کو رہا نہیں کرسکتا نہ پریٹر ہی ہم کو اس کے اثر سے آزاد کرسکتا ہے اور نہ ہماری قوم (اس سے مراد روما کی جمہوری حکومت ہے) اور نہ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس قانون کو ایک شخص دوسرے شخص کو سمجھائے یا اُس کی تاویل کرے۔ جو حیثیت اس قانون کی روما میں ہے وہی ایتھنز میں ہے آج یہ جس طرح پایا جاتا ہے ویسا ہی کل نظر آتا ہے دنیا کے کل مقامات اور ہر ایک زمانہ کے لئے یہ ایک ہی قانون ہے یہ ہمیشہ جاری رہتا ہے اور کبھی بدلتا نہیں دنیا کی تمام قوتیں ہر زمانہ میں اس کی تابع رہی ہیں اور رہیں گی اور کل انسانوں کا ہمیشہ ایک ہی مالک اور حاکم رہے گا اور وہ حاکم خداوند تعالیٰ ہے جس نے اس قانون کو مرتب کیا اور اُس کو ترقی دیتا رہے گا[2]"

فلوجوڈیبیس "عقل صحیح صرف ایسا قانون ہے جو کبھی غلطی پر مبنی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسا قاعدہ یا حکم نہیں ہے جو کسی فنا پذیر شخص یا ہلاک ہونے والے قانون یا کسی ایسے بے جان اور مکتوبی قانون کے زیر اثر جاری کیا گیا ہو جو بیجان جھلی کے کاغذ پر لکھا گیا یا کسی بیجان منارہ پر

---

۱ Rhet 1, 13.
۲ De Rep. III. 22-23.

کندہ کیا گیا بلکہ یہ وہ قانون محکم ہے جو ہلاک نہیں ہوتا اور غیر قانونی فطرت نے اس قانون کا نقش غیر فانی دماغ (روح) پر کیا ہے[۱]"

گائیس "دنیا کی اُن تمام قوموں کے نزدیک جن کے یہاں قوانین اور رسوم کی عملداری ہے قانون کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا قانون وہ ہے جو ہر ایک قوم اور ریاست کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہے اور دوسری قسم کا قانون وہ ہے جو کافۃ الناس کے واسطے عام ہے۔ وہ قانون جس کو کسی قوم نے اپنے لئے قائم کیا ہے قانون ملک کہلاتا ہے کیونکہ ایسے قانون کا تعلق اسی ریاست سے مخصوص ہوتا ہے (Jus proprium civitas) لیکن اُس قانون کی جس کو عقل فطرتی کل آدمیوں کے ذہنوں میں قائم کرتی ہے انسان کی کل قومیں تابع ہیں اور اس قانون کے ماننے میں سب انسان برابر ہیں چنانچہ اس بنا پر اس کا لقب جس جنٹیم Jus gentium ہے[۲]"

جسٹی نین "قانون فطرت جس کو تمام اقوام انسانی مانتی ہیں اور جس کو مشیت ایزدی نے جاری کیا ہے ہمیشہ سے نافذ ہے اور ابد تک بلا ترمیم و تبدیل ایک ہی طور پر نافذ رہے گا۔ لیکن وہ قانون جس کو ہر ایک ریاست نے اپنے لئے بنایا ہے وضع قوانین یا اُس ریاست کی کل رعایا کی رضامندی سے جب ضرورت ہو بدلا جا سکتا ہے اور زمانۂ سلف میں بھی اس قسم کے قانون میں بارہا ترمیم ہوئی ہے[۳]"

---

[۱] Works, III. 516 (Bohus Ecc. Library) on the Virtuous being also Free.

[۲] Institutes I. 1.

[۳] Institutes I. 2. 11

ہوکر "قانون عقل یا وہ قانون جس کو فطرت انسانی نے عقل کل کی نمائش سے قانون تسلیم کرلیا ہے اور تمام انسانوں کا اپنے افعال کو ہمیشہ اُس کے تابع سمجھنا بجا اور درست ہے"[1]

کرسچین ٹامےسیس "قانون فطرت ایک قسم کا قانون الٰہی ہے جو انسانوں کے قلوب پر تحریر ہوا ہے جس کی وجہ سے آدمی کو اُس کا نفس نیک کام کرنے کی ترغیب دیتا اور بُرے کاموں سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے"[2]

رومی علمائے قانون کا جس جنیشیم (قانون اقوام)

زمانۂ حاضرہ کے اکثر اساتذۂ قانون نے اس رائے پر اتفاق کیا ہے کہ اگرچہ جس جنیشیم سے مراد اُس قدیم زمانہ میں جبکہ سسرو کی تصنیفات کا آغاز ہوا یونانیوں کا قانون قدرت تھا لیکن اس کا اصلی مفہوم کچھ اور ہے اور اُس کی ابتدا بھی ایک دوسرے طریقہ پر ہوئی ہے۔ اصل میں یہ قانون فلسفۂ یونان کا نتیجہ نہیں بلکہ قانون روما سے ماخوذ ہے۔ ان لوگوں کا ادعا ہے کہ جس جنیشیم کا مفہوم ابتداءً وہ نظام قانون تھا جس کو اُن بیرونیوں اور اجانب کے لئے جو روما میں سکونت رکھتے تھے وضع کیا گیا تھا اور ملکی قانون کے طور پر ان غیر ملکیوں کا تصفیۂ حقوق اُس کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا اور اس کی ضد وہ نظام قانون سمجھا جاتا تھا جس سے فائدہ اٹھانے کے مستحق صرف اصلی رومی باشندے جو شہریوں کے لقب سے مشہور تھے متصور ہوتے تھے اور اس کو وہ اپنا پیدائشی حق اور امتیاز خیال کرتے تھے لیکن اس جس جنیشیم کو ہرچند کہ اس کی ایجاد رومیوں کے قانون ملک (Jus civile) کے بعد ہوئی زیادہ

[1] Ecc. Pol. e. 1. 10. 1.

[2] Inst. Jurisp. Div. I. 2. 97

مکمل اور عقل سے مطابق ہونے کی وجہ سے لوگ قانون عقل یعنے یونانیوں کا قانون فطرت سمجھنے لگے اور اس بنا پر یہ لفظ ذومعنیین یا مشترک ہو گیا ہے (۱) جس جنیشیم یعنے قانون قدرت اور (۲) جس جنیشیم یعنے قانون روما کا وہ حصۂ موضوعہ جس کے تابع محض اجانب نہ کہ شہریان روما سمجھے جاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جس جنیشیم کی اصطلاح کے دو مفہوم لئے جاتے تھے لیکن ان قانون دان حضرات کی یہ توجیہہ جس کا ابھی ذکر کیا گیا شبہہ سے خالی نہیں ہے میری دانست میں ابتدائً جس جنیشیم کا اطلاق قانون قدرت پر ضرور کیا جاتا تھا اور اُس سے فلسفیانہ اور اخلاقی نہ کہ اصطلاحی قانون قدرت مراد لیجاتی تھی ارسطو اور اہل یونان جس لفظ کو قانون عام کے لئے استعمال کرتے تھے اُسی لفظ کو لوگ جس جنیشیم اور قانون قدرت کے لئے بولتے تھے۔ اور اس بنا پر جس جنیشیم کا اصطلاحی مفہوم اُس کے پہلے مفہوم کے تابع اور اس سے ماخوذ ہے اور اُس کا اطلاق نہ صرف قانون قدرت یعنے اصول انصاف قدرتی پر بلکہ روما کے ایک مخصوص قانون موضوعہ پر بھی کیا جانے لگا اور چونکہ یہ مخصوص قانون اصول انصاف قدرتی پر مبنی تھا اس لئے رومیوں کی عدالتیں تمام رومی رعایا کے حقوق وغیرہ کا تصفیہ خواہ وہ شہری ہوں کہ اجانب یا غیر ملکی اسی قانون کے ذریعہ سے کرتی تھیں۔ اسی طرح انگلستان میں بھی لفظ نصفت (اک وِ ٹی) کا پہلا مفہوم اخلاقی تھا اور یہ لفظ انصاف قدرتی کا مرادف سمجھا جاتا تھا لیکن مرور زمانہ کے ساتھ یہ ایک دوسرے اور اشتقاقی معنوں میں استعمال ہونے لگا اور انگلستان کے ایک مخصوص ملکی قانون کے لئے اصطلاح قرار پایا یعنے وہ قانون جس پر چانسری کی عدالت عمل کرتی تھی اور اُس کو اس لئے نصفت (اک وٹی) کہتے تھے کہ ابتدائً یہ لفظ اپنے اخلاقی معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور اُسی

لفظ اک وٹی سے نکلا تھا۔

اگرچہ خیالات و تصورات انسانی کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے اور اس مضمون کا بھی اس تاریخ سے تعلق ہے لیکن بخوف طوالت اس پر اس مقام میں زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں۔

فصل ۱۷ قانون تعبدی

ایسا حکم جس کو کوئی حاکم کسی کام کے کرنے کے لیے اپنی رعایا پر نافذ کرتا اور اُس کی تعمیل ان لوگوں سے بجبر کراتا ہے قانون تعبدی کہلاتا ہے یعنے تعبدی قانون ایک ایسا حکم اور فرمان ہے جس کے ذریعہ سے ایک اعلیٰ قوت کام کا ایک دستور العمل جاری کرکے (محکوم لوگوں سے) بجبر اُس کی تعمیل کراتی ہے تعمیل احکام کا ذریعہ محض قانونی سزا یعنے جسمانی تکلیف رسانی نہیں ہے بلکہ مختلف طرز کے جبر و تشدد سے انسان اپنے افعال سے روکا جاسکتا ہے چنانچہ پفنڈراف[۱] لکھتا ہے کہ "قانون ایک ایسا حکم یا امر ہے جس کو ایک راعی اپنی رعایا کے افعال کو منضبط و با قاعدہ بنانے کی غرض سے نافذ و جاری کرتا ہے" ایسا ہی آسٹن[۲] کا قول ہے کہ قانون وہ حکم ہے جس کی وجہ سے ایک شخص یا اشخاص ایک معینہ طریقہ پر عمل کرنے کے لیے مجبور رہیں"

قانون کو بنانے اور نافذ کرنے کے اقتدار و قوت پر نوعیت قانون منحصر ہے قانون کو نافذ کرنے والی دو قوتیں ہیں خداوند تعالیٰ اور انسان اور اس بنا پر اس کی دو قسمیں ہیں احکام الٰہی اور احکام انسانی قوانین الٰہی احکام خدا پر مبنی ہیں اور اُن کو خدا نے انسانوں پر جاری کیا ہے اور انسان اس جہان میں یا مرنے کے بعد دوسرے جہان میں سزا پانے کے خوف سے

---

۱ De Officio Hominis et Civis, 1, 2: 2.

۲ I. 96.

اُن کی تعمیل کرتا ہے مثلاً توراۃ کے دس حکموں کی تعمیل کا اسی خوف پر انحصار ہے۔ انسانی قوانین بھی تعبدی احکام پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ اُن کے جاری کرنے والے بھی انسان ہیں اور اُن کی تعمیل بھی انسان کرتے ہیں۔ بہرحال انسانی قانون یا احکام کی تین قسمیں ہیں، قانون ملک قانون اخلاق مثبت اور قانون اقوام۔ قانون ملک (اور خصوصاً اُس کا ایک جزو) اُن احکام سے بنتا ہے جن کو ریاست اپنی رعایا پر نافذ کرتی ہے اور اپنی قوت سے بجبر اُن کی تعمیل کراتی ہے۔ اخلاق مثبت جو بقول لاک[1] قانون رائے و شہرت ہے اُن قواعد و ضوابط پر مبنی سمجھے جاتے ہیں جن کو کسی نظم معاشرت (سوسائٹی) کے ارکان اپنے پر آپ نافذ کرتے ہیں اور اُن کی تعمیل لوگوں کی ملامت، سرزنش اور اظہار ناراضی و خفگی کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ قانون اقوام یا بین الاقوامی قانون (خصوصاً اُس کے ایک جزو کے نظر کرتے) ایسے احکام و قواعد پر مبنی ہوتا ہے جن کو چند ریاستوں کا ایک مجموعہ نافذ کرتا ہے اور اُن کی تعمیل کچھ تو مختلف قوموں کی رائے کے ذریعہ سے اور کچھ آپس میں جنگ چھڑ جانے کے خوف سے کیجاتی ہے۔

اکثر اساتذۂ قانون کی رائے ہے کہ قانون ملک کو بلحاظ اُس کے مختلف اجزا اور اشکال کے ایک خاص قسم کا قانون تعبدی سمجھنا چاہیے۔ اُن لوگوں کے خیال کے مطابق قانون ملک ایسے احکام پر مبنی ہوتا ہے جن کو سلطنت اپنی رعایا پر نافذ کرتی ہے اور اُن کی تعمیل اپنی قوت جسمانی سے کراتی ہے۔ اس کو یہ لوگ قانون ملک کی نہایت کامل اور بالغ تعریف اور تحلیل سمجھتے ہیں۔ اسی تعریف کا نام تعبدی قانون ملک بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا قانون ملک کا خالص تعبدی نظریہ ہے۔ چنانچہ ہابز[2] کہتا ہے کہ "قوانین ملک اُس شخص کے احکام ہیں جس کو اپنے زیر حکومت شہر (یعنی ریاست یا سلطنت)

[1] Locke on the Human Understanding, Bk. II. Ch. 28.

[2] Eng. Wks: II. 185.

میں سب سے زیادہ اقتدار حاصل ہے اور اُن کا تعلق اُس کی رعایا کے افعال آیندہ سے ہوتا ہے۔ چونکہ اس طرح کے خیالات کا بینتھم[1] اور آسٹن[2] نے بھی اظہار کیا ہے اس لیے اگر سب کے سب نہیں تو اکثر انگریزی اساتذۂ قانون اُس کے ہم خیال ہیں۔

اگرچہ قانون کا یہ تعبدی نظریہ کسی موزوں تشریح اور تحلیل کے لیے بخوبی کفی نہیں ہوسکتا لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حد تک حقیقت پر مبنی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایک نہایت امر ضروری یعنے قانون کا قوت جسمانی پر مبنی ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ قانون کی گستری کا لازمہ ہے اور عدل و انصاف کرنا سلطنت کا کام ہے اس لیے جب تک سلطنت اپنی مرضی و ارادہ (یعنے قانون) کی اپنی رعایا سے حسب ضرورت بجبر تعمیل نہ کرائے اُس کی مرضی نافذ نہیں ہوسکتی چنانچہ ہابز[3] لکھتا ہے کہ "آدمیوں (سپاہ) اور اسلحہ کے ذریعہ سے قانون کی طاقت اور قوت ظاہر ہوتی ہے قانون کا ماخذ نہ تو صرف رسم و رواج ہے اور نہ رعایا کی رضامندی و طبیعت ہے جیسا کہ بعض اساتذہ کا خیال ہے بلکہ قانون درحصل سلطنت جمہوری میں اُس شخص کی قوت اور مرضی ہے جو تلوار نمائش کی غرض سے نہیں باندھتا"۔

بہرحال تعبدی نظریۂ قانون سے جس حقیقی امر کا اظہار ہوتا ہے وہ یہی ہے یعنے سلطنت کا اپنے احکام کی بجبر تعمیل کرانا اور اگر فی الواقع ایسا ہے تو اس کے خلاف جو تاریخی دلیل پیش کیجاتی ہے اُس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی چنانچہ بعض علمائے قانون نے اس تعریف پر اعتراض کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قانون کو سلطنت کا حکم تعبدی کہدینے سے سننے والے کی طبیعت

---

[1] Principles of Morals and Legislation, p. 330 (Cl. Pressed), works, I. 151.

[2] I, 86.

[3] Weviathan, Ch. 46.

خوش ہو جاتی ہے لیکن یہ تعریف قدیم زمانہ کے قانون پر صادق نہیں آتی۔ اگرچہ اس زمانہ کی ترقی یافتہ سیاسی جماعتوں (سلطنتوں) کے نظر کرتے بظاہر قانون کی یہ تعریف مکمل اور صحیح معلوم ہوتی ہے مگر قدیم طرز کی ریاستوں کے لحاظ سے یہ غلط ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ کا قانون، سلطنت کا حکم تعبدی نہیں ہے بلکہ وہ رسم ورواج، مذہب اور رائے عامہ سے مستخرج اور ماخوذ ہے اور ریاست میں سب سے زیادہ مقتدر شخص یا جماعت نے اُس کو نہیں جاری کیا ہے۔ جب انسانی نظم معاشرت کو معقول ترقی ہوئی تو قانون نے موجودہ شکل اختیار کی اور لوگ اُس کو اقتدار اعلیٰ کا نتیجہ ماننے لگے لہذا اقتدار سیاسی اور تعمیل جبری سے پہلے قانون کی ایجاد ہوئی اور اُس کو ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے سلطنت اس لیے اس کی تعمیل کرتی ہے کہ وہ سلطنت کے قیام کے پہلے سے موجود ہے نہ کہ سلطنت قائم ہونے سے وہ قانون کی تعمیل کراتی ہے[1]۔

حامیان نظریۂ تعبدی اس اعتراض کا حسب ذیل جواب دیتے ہیں کہ اگر سلطنت کے قائم ہونے کے پہلے سے بعض قواعد کا موجود ہونا پایا جاتا ہے یا ان قواعد کی بلاوساطت سلطنت ایجاد ہوئی ہے تو اس بات سے ہماری دلیل باطل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ قواعد بھی زیادہ تر قانون کے مشابہ ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ قدیم زمانہ میں قانون کے عوض ان سے کام لیا جاتا تھا۔ اس بناپر ان قواعد کو قانون کا تاریخی ماخذ سمجھنا چاہیے اور انھی کے ذریعہ سے قانون کی ابتدا اور ترقی ہوئی۔ بس ان قواعد کی اس قدر اصلیت ہے لیکن فی الحقیقت یہ قانون نہیں ہیں۔ ہر ایک چیز کی اصلیت کے دریافت کرنے میں

---

[1] See, for example, Bryce's Studies in History and Jurisprudence, Vol. II. pp. 44 and 249. See also Maine's Early History of Institutions, Lect. 12. p. 346. and Lect. 13. p. 380; Walker's Science of International Law, pp. 11-21.

مختلف قسم کے احتمالات سے کام لینا پڑتا ہے اور جو احتمالات زیادہ ضعیف معلوم ہوتے ہیں اُن کا ترک کرنا بھی ضرور ہے چنانچہ قیاساً ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت ہی قدیم زمانہ میں انسان اور بے دم کے بندر میں جو انسان کے بالکل مشابہ ہے تمیز نہیں ہوسکتی تھی لیکن اس قیاس کی بنا پر اس زمانہ میں ہم انسان کی اس طرح تعریف نہیں کرسکتے کہ اُس میں بیدم کا بندر بھی شامل ہو جائے اور نہ یہ قیاس اس امر کی دلیل ہے کہ انسان بندر سے نکلا ہے۔ کسی دو چیزوں کی حقیقت اور اصلیت دریافت کرنے میں اگر اس بات کا پتا چلے کہ دونوں چیزوں کا ایک ہی ماخذ ہے اور ازروئے تاریخ دونوں کا ارتقا اور نمو ایک ہی طرز پر ہوا ہے تو اُس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو اصلی فرق ان دونوں چیزوں میں پایا جاتا ہے اُس کی نفی ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہو تو مختلف اشیا میں جو فرق و اختلاف ہے اور جس بنا پر اُن کے درمیان حدود قائم کیے گئے ہیں وہ مٹ جاتے ہیں بلکہ موجودات عالم کے متعلق لوگوں کا جو علم ہے وہ باقی نہیں رہتا اور علم کے عوض اُن کی تاریخ سے کام لینا پڑتا ہے نیز اشیا کے باہمی اختلافات کے لحاظ سے جو تعریفات اُن کی مقرر کی گئی ہیں وہ بیکار ہو جاتی ہیں۔ تاریخ موجودات کے جاننے سے آدمی کے اُس علم میں جو تحلیل کے ذریعہ سے وہ اُن کے متعلق حاصل کرتا ہے اضافہ ہوتا ہے لیکن اس طرح موجودات عالم کا علم حاصل کرنے کے بغیر محض اُن کی تاریخ سے کام نہیں چل سکتا۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ ابتدا میں (قبل آفرینش) دنیا یعنے کرۂ ارض مادی شئے نہ تھی اور نہ اُس کی کوئی شکل تھی بلکہ دنیا معدوم محض تھی اور سائنس کا تعلق موجودات سے نہ کہ معدومات سے ہے۔

اصل ہر قانون کے دو ماخذ ہیں صوری اور مادی (جسمانی) اور ان دونوں میں ایک اہم فرق ہے جس کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے لوگوں نے اس فرق کے سمجھنے میں غلطی کی اور اُس کی وجہ سے اُن کو قانون کی اصلیت کے متعلق تاریخی دلیل قائم کرنی پڑی۔ قانون کا ماخذ صوری وہ ہے جس کے ذریعہ سے قانون قانون سمجھا جاتا ہے یعنے قانون کی شان اور اُس کی قوت قائم ہوتی ہے اور اس ماخذ کا مفہوم سلطنت کی قوت اور مرضی ہے اس کے سوا اس سے کوئی

دوسری چیز مراد نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس قانون کے ماخذ ہائے مادی وہ ہیں جن کے ذریعہ سے اُس کے مخصوص مضامین (اور اقسام) کی ایجاد ہوتی ہے۔ جس طرح رسم اور مذہب کا کسی نظام قانونی کے ماخذ و مصدر میں شمار ہو سکتا ہے اُسی طرح سلطنت کی جانب سے جن جدید قانونی اصول کا اعلان ہوتا ہے وہ اُس کے ماخذ متصور ہوتے ہیں اور اسی کو وضع قوانین کہتے ہیں۔ لیکن قدیم زمانہ میں لوگ وضع قوانین سے واقف نہ تھے۔ سلطنت نہ تو قانون بناتی تھی اور نہ اُس کا اعلان کرتی تھی۔ جب تک انسانی نظم معاشرت قدیم حالت میں رہی ممکن ہے کہ کسی شخص کو وضع قوانین کے ذریعہ سے قانون بنانے کا طریقہ نہ سُجھائی دیا ہو اور نہ کسی حاکم و بادشاہ نے کبھی کوئی قانون بنایا ہو بلکہ اس کے عوض رسم اور مذہب کو ہی لوگ قانون کے ماخذ مانتے رہتے ہوں اس پر بھی اس نظریہ کے مخالفین کا جو ادعا ہے کہ بعض قواعد کی جن کا لوگوں کو اپنے کاروبار میں لحاظ کرنا پڑتا تھا قانون کی سی حقیقت اور شان سمجھی جاتی تھی تو اُس کا جواب صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے قواعد کو ہمیشہ منظم جمہوری حکومت اپنی قوت اور تائید سے بحال رکھتی اور اُن کی تعمیل کراتی تھی۔

اگرچہ تعبدی نظریہ صداقت پر مبنی ہے لیکن اُس کے ذریعہ سے کامل صداقت کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ نظریہ یک طرفہ اور نامونزوں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے اُس تحلیل کا جو نامکمل طور پر تصورات قانونی و عدل گستری کے متعلق کی گئی ہے۔ اس کا پہلا نقص یہ ہے کہ اس سے اخلاقی عنصر خارج کر دیا گیا ہے حالانکہ بغیر اس عنصر کے عدل گستری کا تصور مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اس نظریہ سے اُس تعلق اور ربط کا پتا بھی نہیں چلتا جو قانون اور انصاف کے درمیان میں پایا جاتا ہے اور قانون کے دوسرے جس قدر مفہوم ہیں اُن سب کو بجز جبر کے اس میں نظر انداز کیا گیا ہے اس طرح اصطلاح قانون کے متعدد معنوں اور پہلوؤں کو ترک کرکے اُس کے مفہوم میں تجرید اور تسہیل پیدا کی گئی ہے اور یہ ناجائز ہے کیونکہ اس کا ایک دوسرا مفہوم حق و انصاف ہے

جو پہلے مفہوم کے مثل نہایت ضروری اور مستقل ہے۔ اگر ایک نقطۂ خیال سے قواعد قانونی ایسے احکام سمجھے جاتے ہیں جن کو سلطنت اپنی رعایا پر جاری کرتی ہے تو دوسرے نقطۂ خیال سے یہی قواعد حق و باطل کے وہ اصول متصور ہوتے ہیں جن کی سلطنت اپنے ایک نہایت ضروری فرض کی بجا آوری یعنے عدل گستری کرنے میں پابندی کرتی ہے۔ قانون نہ تو انصاف محض ہے اور نہ جبر محض بلکہ وہ ان دونوں سے مرکب ہے یعنے قانون ایسا انصاف ہے جو سلطنت کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قانون اثباتی ہمیشہ انصاف پر مبنی نہیں ہوتا لیکن اس نقص کی وجہ سے کوئی شخص اس کو ناجائز نہیں کہہ سکتا اس پر بھی از روئے قیاس قانون اور انصاف مرادف الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ لوگوں پر انصاف کی حقیقت ظاہر کرنے کی غرض سے قانون بنایا گیا ہے اور جس طرح مصنوعات انسانی کی ایک نہ ایک غرض ہوتی ہے اسی طرح قانون بھی کسی مقصد کے بغیر وضع نہیں کیا جاتا ہے اس لیے قانون کی تعریف میں اس کے وضع ہونے کی غرض کا پہلو بھی شامل ہونا چاہیے۔ بوجوہ متذکرۂ صدر خالص تعبدی نظریہ میں بھی وہی یک طرفہ ہونے کا نقص پایا جاتا ہے جو خالص اخلاقی یا غیر تعبدی نظریہ میں موجود ہے۔ اس نظریہ کے ذریعہ سے جو تعریف قانون کی کیجاتی ہے اس سے اصطلاح قانون کے پورے مفہوم کے عوض صرف اس کے ایک جزو کا اظہار ہوتا ہے۔

زبان انگریزی کے روزمرہ کے لحاظ سے بھی لفظ قانون کا اخلاقی مفہوم کچھ کم رائج نہیں ہے چنانچہ بچہ بچہ کی زبان پر قانون اور انصاف کے الفاظ جاری ہیں اور لوگ قانون کی عدالتوں کو انصاف کی عدالتیں بھی کہتے ہیں۔ عدالتوں کے ذریعہ سے جو انصاف کیا جاتا ہے وہی قانون کا نفاذ و تعمیل ہے جس طرح حق، فعل ناجائز یا ضرر اور فرض، قانون کی مخصوص اور مشہور اصطلاحات ہیں اسی طرح ان الفاظ کو اخلاق سے تعلق ہے۔ انگریزی زبان پر کیا موقوف ہے بلکہ یورپ کی اکثر دوسری زبانوں میں بھی قانون اور انصاف کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے مثلاً جس، ڈرواٹ، ریخٹ اور ڈریٹو (jus, Droit,

Recht, and Dritto. ذو معنیٰ الفاظ ہیں یعنے یہی الفاظ قانون اور اخلاق دونوں میں استعمال کیے جاتے ہیں اور اُن کا اطلاق قواعد قانون اور قواعد انصاف دونوں پر برابر کیا جاتا ہے۔ کیا یہ حقیقی باتیں نہیں ہیں جو ہم نے بیان کی ہیں اور کیا ان الفاظ کا زبان پر اثر نہیں پڑتا ہے؟۔ کیا ہم ان الفاظ کو مجذوب کی بڑ اور صدائے بے ہنگام سمجھتے ہیں؟۔ بہر حال یہ اعتراضات ہیں جو تعبدی نظریۂ قانون کے مخالفین اُس کے معتقدین پر کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے وہ دوسروں کو ہم عقیدہ بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق موئیدین نظریہ کا جواب ہے کہ جو نسبت اشیا کے اسما میں پائی جاتی ہے اُس سے محض اُس نسبت کی ظاہری حالت معلوم ہوتی ہے جو مسمی بہا میں فی الحقیقت اور اندرونی طور پر واقع ہے۔ جیسا کہ اس نظریہ کا لقب ہے اُس کی رو سے قانون ملک سے مراد احکام نافذۂ سلطنت ہیں اور اُس میں ایسے اصول وقواعد داخل نہیں ہیں جن کا انصاف سے تعلق ہے لہذا نظریۂ مذکور کے حامی اُس کو ایسے الفاظ میں نہیں بیان کرتے ہیں جن سے تعریف قانون میں انصاف کا مفہوم شامل ہوسکے اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو اس نظریہ کی جو شان اور شوکت موجودہ الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہ سکتی۔

اگر ہم قانون کی تعریف میں اخلاقی عنصر کو جس کی کمی ہے داخل کریں یعنے قانون کی اس طرح تعریف کریں کہ وہ اُن اصول انصاف کا مجموعہ ہے جس کو سلطنت مانتی اور بجبر اُن کی تعمیل کراتی ہے۔ بالفاظ دیگر اگر ہم بلیک اسٹن کے ہم زبان ہوکر "قانون کو ایک ایسا قاعدۂ عمل (وکردار) کہیں جس کو سلطنت میں سب سے اعلیٰ قوت جاری کرکے اُس کے ذریعہ سے رعایا کو نیک کام کرنے اور برے کام سے بچنے کا حکم دیتی ہے" تو بھی ہماری تعریف بالکل صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر چند حکم اور تعمیل جبری کا لفظ قانون سے ضمناً اظہار ہوتا ہے کیونکہ جب تک سلطنت کی جانب سے عدل گستری کرنے میں جبر سے کام نہیں لیا جاتا قانون کی ایجاد نہیں ہوتی تاہم یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ ہر ایک قاعدہ یا قانونی اصول حکم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ

اکثر قواعد کا جن کا تعلق لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور افعال بیجا و ضرر کے انسداد سے ہے قانون میں شمار ہو سکتا ہے لیکن قانون ایسے تمام قواعد کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ قواعد اُس کا ایک جزو سمجھے جاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قانون اُن تمام اصول و قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کو سلطنت تسلیم کر کے اُن کا اطلاق عدل گستری میں عدالتوں کے ذریعہ سے کرتی ہے اور ان قواعد کے تعبدی اور غیر تعبدی ہونے کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا۔ صرف وہی قواعد جن کا تعلق فرائض قانونی سے ہے تعبدی قانون کے تحت میں آ سکتے ہیں اور کسی ملک کا نظام قانونی محض اس قسم کے قواعد سے نہیں بن سکتا۔ تمام ترقی یافتہ ملکوں کے مجموعات قانونی میں بیشمار ایسے اصول و قواعد پائے جاتے ہیں جو احکام تعبدی کے سوائے کسی دوسری غرض و غایت سے نافذ کیے جاتے ہیں اور اس وجہ سے قانون تعبدی کی تعریف اُن پر صادق نہیں آ سکتی اور ان غیر تعبدی اصول قانونی کی مختلف قسمیں ہیں چنانچہ بعض ان میں کے ایسے قواعد ہیں جن کے ذریعہ سے رعایا کو بعض کاموں کی اجازت ملتی ہے یعنی ان قواعد کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیجاتی ہے کہ فلاں فلاں افعال کا کرنا فرض نہیں ہے یا بعض افعال کا ارتکاب ناجائز نہیں ہے۔ ذیل کے قواعد ان کی مثالیں ہیں: جادوگری یا الحاد جرم نہیں ہے۔ اگر تجارت میں ایک شخص کے مقابلہ کرنے سے دوسرے شخص کو نقصان پہنچے تو شخص متضرر کو اس کے سبب سے دعویٰ کرنے کا حق نہیں پیدا ہوتا کسی شخص کو ان قواعد کے قانون ماننے سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ ان پر قانون کی تعریف صادق آتی ہے اور قانون سے مراد وہ اصول ہیں جن پر انصاف کی عدالتیں عمل کرتی ہیں لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ سلطنت ان کا کیا مفہوم لیتی ہے اور کیوں اُن کی تعمیل کراتی ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قواعد احکام نہیں بلکہ اجازتیں ہیں۔ ان کے ذریعہ سے رعایا پر فرائض نہیں قائم کیے جاتے بلکہ اُنھیں ان کے ذریعہ سے مختلف قسم کی آزادیاں عطا ہوتی ہیں۔ یہی کیفیت ضابطۂ عدالت کے اُن لاتعداد لاتحصیٰ قواعد کی ہے جو اکثر و بیشتر غیر تعبدی ہیں کیونکہ قانون کے صحیح مفہوم کے لحاظ سے یہ

ایسے قواعد عمل نہیں ہیں جن کو سلطنت نے نافذ کیا ہے چنانچہ قواعد مندرجہ ذیل غیر تعبدی قانون کی مثال میں پیش کئے جاتے ہیں۔ سنی سنائی بات شہادت نہیں ہو سکتی، شہادت تحریری شہادت لسانی سے افضل و بہتر سمجھی جاتی ہے۔ جس معاہدہ کا زمین کی بیع و شری سے تعلق ہو اُس کا بذریعہ تحریر ثابت کیا جانا ضرور ہے، فلاں فلاں امور کو عدالتیں تسلیم کرتی ہیں یا اجزاء مکمل شدہ کی بابت تحقیقات نہیں ہوتی ایسے جن امور کا ایک مرتبہ فریقین مقدمہ کے درمیان عدالت تصفیہ کر دیتی ہے انہی امور کی بنا پر انہی فریقین کو دوبارہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں دعوے کا حق نہیں پیدا ہوتا یا یہ کہ دستاویزات کی تاویل کرنا جج کا کام نہ کہ جوری کا منصب ہے یا گواہ کے اظہار کو قلمبند کرنے کے قبل اُس کو حلف دینا یا اُس سے اقرار صالح کرانا لازم ہے یا جوری کا اپنے فیصلہ کے اظہار کرنے میں متفق الرائے ہونا ضرور ہے وغیرہ۔ امید ہے کہ ناظرین کتاب ان تمثیلات کے ملاحظہ سے قانون کے اُس فرق کو جس کو اس فصل میں بیان کیا گیا ہے بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ بلحاظ نوعیت یہ سب اصول و قواعد ایسے قواعد ہیں جن پر حکام عدالت عدل گستری کیا کرتے ہیں اپنی شخصی رائے کو ترک کر کے عمل کرتے ہیں اور یہ ایسے قواعد عمل نہیں ہیں جن کو سلطنت نے نافذ کیا ہے اور جن کی تعمیل اس کی رعایا پر واجب ہے اور عدم تعمیل کی بذریعہ قانون سزا دی جاتی ہے۔

فقرہ بالا میں جن قواعد کا ذکر کیا گیا ہے ان کے سوائے غیر تعبدی قانون کے اور بہت سے اقسام ہیں اور ان قواعد و قوانین کے ذریعہ سے دوسرے قواعد کی موجودگی اُن کا استعمال و اطلاق کیا جانا دریافت کیا جاتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے اُن کی تاویلات کی جاتی ہیں۔ تمثیلات بالا سے نہ صرف اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ قانون کے خالص تعبدی نظریہ میں ایک نہایت ضروری مفہوم کی کمی ہے بلکہ اُس نظریہ کی بنا پر قانون کی جو تعریف کی گئی ہے اُس میں اصطلاح قانون کے وہ تمام مفاہیم داخل نہیں ہیں جو فی الحقیقت اُس میں پائے جاتے ہیں۔ جس قدر قانونی اصول و قواعد کہ

سلطنت میں رائج ہوں وہ اُس کے احکام نافذہ نہیں ہیں اور اُن کا جس قدر حصہ احکام کی تعریف میں داخل ہو اس کی حیثیت بھی اُس کی خاص نوعیت کی وجہ سے احکام سلطنت سے بڑھ جاتی ہے اور اس دوسری قسم کے قانونی اصول و قواعد کو نظریۂ تعبدی میں نظر انداز کیا گیا ہے۔

بعض مصنفین نے اعتراض متذکرۂ صدر سے بچنے کی ایک سبیل نکالی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ جس قدر عدالتی ضابطہ کے قواعد او غیر تعبدی اصول ہیں وہ حقیقت میں سلطنت کے ایسے احکام ہیں جن کو سلطنت نے اپنی معمولی رعایا پر نہیں بلکہ ججوں پر نافذ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مثلاً اس قاعدے کے کہ قتل عمد ایک جرم ہے کل اشخاص مخاطب ہیں اور اُن سب کو اس کے ذریعہ سے قتل عمد کے ارتکاب سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن اس قاعدے کا کہ قتل عمد کی سزا دار یا قصاص ہے خطاب ججوں سے کیا گیا ہے تاکہ وہ اس سزا کی تجویز کرنے میں اس قاعدے پر عمل کریں۔ لیکن اس جواب کی نسبت ہمارے دو عذرات ہیں ایک عذر تو یہ ہے کہ سلطنت کی سب سے اعلیٰ قوت کا اپنے فرائض عدالتی کا کسی دوسرے کو تفویض کرنا لازمی امر نہیں ہے اور اس بات کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ کسی مطلق العنان بادشاہ یا کسی سلطنت کی سب سے اعلیٰ مجلس وضع قوانین اپنی ذات سے عدالتی فرائض کو انجام دینے کے عوض کسی دوسرے کے سپرد کرے۔ اچھا تو اس صورت میں ضابطۂ عدالت کے قواعد، حکام عدالت پر نافذ نہیں ہو سکتے اور نہ اُن کی تعمیل کرنا اُن حکام کے لیے لازم ہے۔ اس پر بھی کوئی شخص ان قواعد کو قانون ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہمارا دوسرا عذر یہ ہے کہ ہر چند سلطنت اپنے عدالتی فرائض ججوں کے تفویض کرتی ہے اور اگرچہ حکام عدالت

See for example, Bentham's Principles, p. 330 (Works I. 151); Ihering, Zweck im Recht, I. p. 334 (3rd. ed.)

سلطنت کے ماتحت ہوتے ہیں لیکن اپنے فرائض منصبی کی کامل بجا آوری میں ججوں کا قانون کی اطاعت کرنا ضروری نہیں ہے ہم اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سے صاف کیے دیتے ہیں۔ عدالتیں عموماً قواعد شہادت پر عمل کرتی ہیں اور اگر کوئی جج ان قواعد کی پابندی نہ کرے تو قانوناً اُس کو سزا دی جا سکتی ہے۔ لیکن محض اس بنا پر کہ قواعد شہادت کا لحاظ نہ کرنے میں ججوں کو قانوناً سزا دی جا سکتی ہے حالانکہ یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیا قواعد شہادت قانون شہادت کا لقب پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں؟۔ یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ اس طرح کے جس قدر قواعد ہیں اُن کی قانون کی سی شان ہے اور اُس کا سبب عدالتوں کا عدل گستری کرنے میں فی الواقع ان قواعد کا لحاظ کرنا ہے نہ اس وجہ سے کہ اگر حکام عدالت ان کی پابندی نہ کریں تو اُن کو سزائے قانون بھگتنی پڑتی ہے۔

فصل ۱۸۔ قانون عہدی

قانون عہدی سے مراد ایسا قاعدہ یا نظام قواعد ہے جس کو کسی معاملہ کے فریقین اُس کو باضابطہ بنانے کی غرض سے آپس میں طے کرتے ہیں۔ فریقین کے درمیان جو اقرار ہوتا ہے وہ اُن کے واسطے قانون ہے۔ اس کی مثالیں کسی کلب یا انجمن کے قواعد و ضوابط اور قوانین وسٹ (تاش کی بازی)، کرکٹ اور اسی قسم کے متعدد کھیلوں کے قواعد ہو سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وسٹ وغیرہ کے اس کے سوا کچھ قواعد و قوانین نہیں ہو سکتے کہ اُس کے کھیلنے والے صریحاً یا ضمناً قواعد پر آپس میں عمل کرنے کے متعلق اقرار کرتے ہیں۔

لیکن اکثر صورتوں میں قانون عہدی قانون ملک سمجھا جاتا ہے کیونکہ جن قواعد کی کہ لوگ آپس میں قرارداد کر لیتے ہیں سلطنت اکثر اُن کی اُن سے تعمیل کراتی ہے۔ خواہ سلطنت قواعد عہدی کو قانون کا ایک جزو تسلیم کرے کہ نہ کرے اور خواہ وہ اس بنا پر اُن کی تعمیل کرائے کہ نہ کرائے لیکن قانون کے

زیادہ وسیع معنوں کے لحاظ سے کہ قانون فعل انسانی کے لیے ایک قاعدہ ہے ان قواعد پر قانون کا لفظ صادق آتا ہے۔

قانون عہدی کا سب سے زیادہ اہم جزو قانون بین الاقوامی ہے جن کا بیان ہم عنقریب کرنے والے ہیں کیونکہ یہ قانون خصوصاً ایسے قواعد سے بنا ہے جن کو سلطنتوں نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں باہمی رضامندی سے طے کیا ہے اور اُن کے تعلقات باہمی کے تصفیے بھی اسی قانون کے تابع ہیں۔

فصل ۱۹ قانون رسمی[لہ]

قانون رسمی سے مراد ایسا قاعدۂ عمل ہے جس کا لوگ فی الواقع لحاظ کرتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں یعنے ایسا قاعدہ اور ضابطہ جس پر کوئی قوم یا کسی مقام کی آبادی اپنی رضا اور رغبت سے عمل کرتی ہو اور اُس کی وجہ سے اُن کے افعال میں یکرنگی پائی جاتی ہو۔ رسم اُن لوگوں کے واسطے قانون سمجھا جاتا ہے جو اُس کے پابند ہیں، یہ اُن لوگوں کا قاعدہ و قانون ہے جنھوں نے اُس کو اپنے لیے مقرر کیا ہے اور جو اپنے افعال و کردار کو اپنی خوشی سے اُس کا تابع بناتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بسا اوقات رسم ایک طرح کا وجوب خیال کیا جاتا ہے یعنے اکثر اوقات لوگ اُس کی تعمیل قانون تعبدی کی حیثیت سے کرتے ہیں یعنے جس طرح قانون ملک اور قانون اخلاق اثباتی کی تعمیل کیجاتی ہے اُسی طرح رسم و رواج کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے لیکن بلا لحاظ تعمیل اور حقیقت کی بنا پر کہ لوگ رسم کے پابند ہوتے ہیں رسم بھی قانون کے وسیع معنوں کے لحاظ سے جبکہ اُس کا مفہوم ایک قاعدۂ عمل ہوتا ہے بذات خود قانون متصور ہوتا ہے۔

[لہ] یہ ملحوظ خاطر رہے کہ جس طرح قانون عہدی کی اصطلاح مبہم ہے اُسی طرح قانون رسمی کی اصطلاح بھی مشترک ہے۔ اس کا ایک مفہوم اُس قسم کا قانون ہے جس کا کتاب ہذا میں ذکر کیا گیا ہے اور اُس کے دوسرے معنی قانون ملک کا وہ جزو ہے جس کا ماخذ رسم ہو۔

بعض اساتذہ قانون رسمی کو قانون بین الاقوامی تصور کرتے ہیں اور اس بنا پر وہ قانون رسمی کو ایسے قواعد بیان کرتے ہیں جن کو سلطنتیں ایک دوسرے کے ساتھ مسلوک ہونے کی غرض سے آپس میں قرار دے لیتی ہیں لیکن ہم ان کے اس خیال کے متعلق اس کے بعد اس باب کی کسی ایک فصل میں بحث کریں گے۔ اس کے پہلے قانون ملک کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔ چونکہ قانون ملک ایسے قواعد پر مبنی ہوتا ہے جن کی عدل گستری کرنے میں سلطنت فی الواقع پابندی کرتی ہے اس لیے قانون ملک بھی قانون رسمی کی ایک قسم یا صنف ہے یعنے قانون ملک عدالتوں کی رسم ہے۔ قانون ملک اور رسم عوام یا اس رسم کے درمیان جن کی پابندی رعایا کرتی ہے ایک نہایت اہم تعلق ہے اور اس کی نسبت ہم کسی دوسرے باب میں آیندہ بحث کریں گے لیکن اس مقام پر خیالات ذیل کا ظاہر کر دینا کافی ہے:—

(۱) رسم عوام بنفسہ قانون ملک نہیں ہے کیونکہ اس دوسرے قانون کا کمال و خاصہ صرف یہ امر ہے کہ سلطنت اس کو تسلیم کرتی اور عدل گستری میں اس پر عمل کرتی ہے۔

(۲) نہایت قدیم زمانہ میں جبکہ سلطنتوں کا قیام نہیں ہوا تھا اور سلطنت نے قانون بنانے اور اس کی تعمیل کرانے کا کام اپنے ذمہ نہیں لیا تھا بلکہ لوگ رسم کے تابع تھے قانون ملک کے عوض رسم عوام پر عمل ہوتا تھا۔

(۳) قانون ملک کے مختلف ماخذ ہیں اور ان میں کا ایک ماخذ رسم عوام ہے کیونکہ جب کسی ملک میں قانون کی ایجاد ہوتی ہے تو زیادہ تر اس ملک کے قدیم رسوم کے نمونہ پر جدید قانون وضع کیا جاتا ہے۔ قانون ملک کا جو اصل میں سلطنت کی رسم ہے اکثر و بیشتر حصہ اس قانون رسمی پر مبنی ہوتا ہے جو محض اس ملک کی اس میں سلطنت قائم ہونے کے پہلے رسم رہی ہو۔

فصل نمبر ۲ قانون عملی

قانون رسمی کے بعد قانون کی ایک اور قسم باقی رہ جاتی ہے اور یہ قانون

ایسے قواعد پر مبنی ہوتا ہے جو کسی شئے یا فائدہ کے عملی طور پر حاصل کرنے کی غرض سے بنائے جاتے ہیں اور اس بے بضاعت کو اس سے بہتر لفظ نہ ملنے کے سبب سے اس قانون کے لیے قانون عملی کی اصطلاح تجویز کیجاتی ہے - یہ قوانین ایسے قواعد ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کے اغراض کی تکمیل ہوتی ہے اور ہر ایک مطلب و غرض کے حاصل کرنے کے لیے ان سے آدمی ہدایت پاتا ہے کہ اُس کو کیا کرنا چاہیے اور کس طریقہ سے اس کا حصول ممکن ہو سکتا ہے[1] - چنانچہ قوانین صحت، قواعد منطق و عروض، قواعد دستکاری (اسٹائل) قواعد تجارتی اور اسی طرح کے بیشمار قواعد و قوانین جو کسی فن یا تجارت کو کامیاب یا بکار آمد و مستعد بنانے کی غرض سے وضع کیے جاتے ہیں اس قانون کی تمثیلات ہو سکتے ہیں ۔ بعض کھیلوں کے قوانین جیسا کہ تاش کا ایک کھیل وہسٹ ہے دو قسم کے ہیں ان میں سے بعض قواعد قانون عرفی اور باقی قانون عملی ہیں اس لیے کہ یہ دوسرے قواعد کھیل کو کامیاب بنانے کی غرض سے وضع کیے جاتے ہیں ۔

فصل ۱۲ ۔ قانون بین الاقوامی

قانون بین الاقوامی یا قانون اقوام ایسے قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کی خود مختار سلطنتیں اپنے تعلقات باہمی اور معاملات میں تابع ہیں - اگرچہ کافۃ الناس کو اس امر سے اتفاق ہے کہ اس قسم کا ایک مجموعہ یا نظام قانون موجود ہے اور سلطنتیں فی الواقع اس قانون کو مانتی اور اس پر عمل کرتی ہیں لیکن جب کوئی شخص اس قانون کی اصلیت اور اس کے خواص صفات دریافت کرنے کی غرض سے اس کے متعلق کتابوں کی سیر کرتا ہے تو اُس کو ان اساتذہ کے

[1] ان قوانین سے مراد وہ مسائل اخلاقی ہیں جن کے لیے کینٹ (Kant) اور علم اخلاق کے دوسرے ممتاز اہل قلم نے "امر فرضی" کی اصطلاح تجویز کی ہے - قانون اخلاق میں ان اوامر کی ضد اوامر واقعی ہے -

خیالات میں جنھوں نے اُس کی نسبت خامہ فرسائی کی ہے بے انتہا اختلافات نظر آتے ہیں اور کوئی عالم قانون ایک رائے پر قائم نہیں پایا جاتا۔ لیکن جس رائے کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اور جس کو ہم نے اس کتاب میں اختیار کیا ہے اُس کے مطابق قانون اقوام، قانون عہدی کی ایک ضروری صنف ہے۔ قانون اقوام کا ماخذ اقرار بین الاقوامی ہے اور یہ قانون ایسے قواعد پر مبنی ہوتا ہے جن کو نیم آزاد یا ذی اقتدار سلطنتیں ایک دوسرے سے مسلوک ہونے کی نسبت اور معاملات کو آپس میں طے کرنے کے متعلق آپس میں قرار دیتی ہیں۔

لارڈ رسل آف کلوّوین نے قانون اقوام کی حسب ذیل تعریف کی ہے "چند قوموں نے معاملات کو آپس میں طے کرنے کے متعلق اور ایک دوسرے کے ساتھ مسلوک ہونے کی بابت متعدد شرائط اور قواعد قرار دے لیے ہیں اور ان قواعد کے مجموعہ کا نام قانون بین الاقوامی ہے"۔[۱] اور لارڈ چیف جسٹس کول رج لکھتا ہے کہ "قانون بین الاقوامی رواجات اور عملدرآمد کا وہ مجموعہ ہے جن کو ترقی یافتہ اور شایستہ ریاستوں نے اس اقرار سے مرتب کیا ہے کہ تعلقات باہمی میں اُن کا لحاظ کیا جائے گا"۔[۲] لارڈ اشر ایک فیصلہ میں اپنا خیال اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ "متعدد اساتذہ اور ماہرین فن کے اقوال سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ کسی قاعدے یا اصول کو قانون اقوام میں شامل کرنے کے لیے اُن قوموں کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت ہے جن کے معاہدات کی بناپر وہ قانون بنتا ہے"۔[۳] لارڈ کاک برن لکھتا ہے کہ

---

[۱] L. Q. R. XII p. 313, Adopted by Lord Alverstone, C. J., in West Rand Gold Mining Co. V. Rex, (1905) 2 K. B, at p. 407.

[۲] Reg. V. Keyn, 2 Ex. D. p. 63.

[۳] Reg V. Keyn, 2. Ex. D. p. 131.

[۴] Reg. V. Keyn, 2 Ex. D. p. 202.

اُن قوموں کی رضامندی کا حاصل کرنا ضرور ہے جن کو ہم قانون اقوام کا پابند کرنا چاہتے ہیں۔ اظہار رضامندی کے دو طریقے ہیں ایک صریح اور دوسرا ضمنی مثلاً جو امور کہ صلحنامہ کے ذریعہ سے جن قوموں کے درمیان طے پاتے ہیں یا جن باتوں پر بعض حکومتوں کا اتفاق ہوتا ہے وہ رضامندی صریح میں داخل ہیں اور جو باتیں کہ عملدرآمد قدیم پر ریاستیں آپس میں طے کرتی ہیں وہ رضامندی ضمنی کا نتیجہ ہیں۔"

بین الاقوامی معاہدے کی جس کے ذریعہ سے قانون اقوام کی ایجاد ہوئی ہے دو قسمیں ہیں صریح یا ضمنی۔ جو اقرار کہ صلحناموں اور بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے وہ معاہدہ صریح ہے جیسا کہ پیرس کا اعلان یا ہیگ کے معاہدات اور معاہدہ (لیگ) اقوام کے شرائط جو جرمنی سے صلح کرنے کے وقت ۱۹۱۹ء میں طے پائے تھے۔ ریاستوں کے رسم و رواج اور عملدرآمد سے خصوصاً اقرار ضمنی کا اظہار ہوتا ہے۔ جب ریاستیں اپنے معاملات میں ایک عرصہ سے بعض قواعد کی پابندی کرتی رہتی ہیں تو قیاس کیا جاتا ہے کہ آئندہ بھی وہ انہی قواعد پر ضمناً عمل کرتی رہیں گی اور جب بعض سلطنتیں دوسری سلطنتوں کو چند رسوم پر چلنے کی ہدایت کرتی رہتی ہیں تو ضمناً یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہدایت کرنے والی ریاستیں بھی اُن رسوم کو ملحوظ رکھتی ہیں۔ قانون بین الاقوامی جس کا ماخذ اقرار صریح ہوتا ہے محدود معنوں میں قوموں کا قانون عہدی کہلاتا ہے حالانکہ اس کے وسیع مفہوم کے لحاظ سے یہ سارے کا سارا قانون عہدی ہے اور اس کا وہ جزو جو اقرار ضمنی پر مبنی ہوتا ہے قوموں کا قانون رسمی کہلاتا ہے۔ اس قانون کی تاریخی ترقی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان دونوں صورتوں میں سے قانون اقوام پہلی شکل اختیار کرنے کی جانب راغب ہے اور پراگندہ قواعد کو جمع کر کے ترتیب دینے کی نسبت لوگوں کا رجحان پایا جاتا ہے اور جب اس طرح اس قانون کی تدوین اور ترتیب ہو گی تو وہ ایک ایسے معاہدہ بین الاقوامی کی شکل اختیار کر لیگا جس کے متعلق تمام مہذب شائستہ سلطنتوں نے اپنی رضامندی صریح ظاہر کی ہو جس طرح رسمی قانون ملک تشریحی قانون منضبطہ میں ضم ہوتا ہے اسی طرح رسمی قانون اقوام کو قانون عہد نامجات صلح (قانون عہ

صلح کے عہد ناموں کے ذریعہ سے بنتا ہے) اپنے میں ضم کرتا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ قانون اقوام کی اور دو قسمیں قرار پا سکتی ہیں، عام قانون اقوام اور خاص قانون اقوام۔ قوموں کا عام قانون تو وہ ہے جس پر دنیا کی تمام یا اکثر شائستہ ریاستیں عمل کرتی ہیں اور جو اُن کی متفقہ رائے اور عام رضامندی پر خواہ اُس کا صریحاً اظہار کیا گیا ہو کہ ضمناً مشتمل ہوتا ہے۔ اس طرح سے قانون خاص سے وہ قانون مراد ہے جس کو کسی دو سلطنتوں نے اپنے عملدرآمد کے لئے قرار دیا ہو اور یہی دو ریاستیں اُس کی تعمیل کرتی ہوں اور اس کی وجہ سے قوموں کے قانون عام میں اضافہ نہیں بلکہ کمی واقع ہوتی ہے۔

قانون بین الاقوامی پر صرف وہی دو سلطنتیں کاربند ہو سکتی ہیں جنھوں نے اُس پر عمل کرنے کا صریحاً یا ضمناً باہمی اقرار کیا ہے۔ ایسی ریاستوں کے مجموعہ سے جن میں اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کی مہذب و شائستہ قومیں بستی ہیں قوموں کا ایک خاندان یا معاشرت بنتی ہے یعنے ایک ایسی بین الاقوامی معاشرت قائم ہوتی ہے جو قانون اقوام کے تابع سمجھی جاتی ہے اور جس طرح ہر ایک قوم اپنے قانون ملک کو تسلیم کرتی ہے اور اُس کے ماتحت ہے اُسی طرح قوموں کی معاشرت پر قانون اقوام کے ذریعہ سے حکومت کیجاتی ہے۔ باہمی اقرار کے ذریعہ سے نئی نئی ریاستیں اُس معاشرت میں شریک ہوتی جاتی ہیں اور اس بنا پر اُن حقوق سے مستفید ہوتی ہیں جن کو قانون بین الاقوامی نے انھیں عطا کیا ہے اور اُن فرائض کی بجاآوری اُن پر لازم آتی ہے جن کو اُس قانون نے اُن پر عائد کیا ہے۔

لیکن قانون اقوام کی نسبت اساتذہ کی رایوں میں اختلاف ہے اور کسی نے بھی کما حقہ اس کی اصلیت نہیں بیان کی ہے۔ بہرحال اس کے متعلق جس قدر مختلف و متضاد نظریات ہیں وہ مجملاً ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) قانون بین الاقوامی قانون قدرت کا ایک شعبہ ہے یعنے ریاستیں اپنے تعلقات باہمی پر قدرتی انصاف کے قواعد کا اطلاق کرتی ہیں اور انھی قواعد کے ذریعہ سے اُن کے باہمی معاملات طے پاتے ہیں۔

(۲) قانون اقوام ایک قسم کا قانون رسمی ہے یعنے ریاستہا آپس کے

معاملات میں فی الواقع بعض رسمی قواعد کی پابندی کرتی ہیں۔

(۳) وہ ایک قسم کا قانون تقیدی ہے یعنے قوموں کی رائے کی بنا پر یا جنگ کے خوف اور دہشت سے سلطنتیں اس قانون کی تعمیل کرتی ہیں۔

(۴) وہ ایک قسم کا قانون عہدی ہے اور اس کا فقرات بالا میں بالتفصیل ذکر آچکا ہے۔ میں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے کہ ان میں سب سے آخر کا نظریہ صحیح ماننے کے قابل ہے لہذا میں اختصاراً ان نظریات کی اصل حقیقت اور ان کے مضامین کے متعلق بحث کرنا چاہتا ہوں۔

فصل ۱۲ قانون اقوام یعنی قانون قدرت

قانون اقوام اور اصول انصاف قدرتی کے درمیان جو نسبت پائی جاتی ہے اس کے لحاظ سے ان اساتذہ کے جنھوں نے قانون بین الاقوامی کے متعلق خامہ فرسائی کی ہے تین گروہ ہیں۔ پہلے گروہ کا عقیدہ ہے کہ جس قدر قانون اقوام ہے وہ قانون قدرت میں داخل ہے اور وہ محض ایسے قدرتی انصاف سے بنا ہے جس کا اطلاق فرمانروا سلطنتیں اپنے تعلقات باہمی اور کردار پر کرتی ہیں اور قانون بین الاقوامی کو ایک جداگانہ علم تصور کر کے اس کی تحصیل کرنا بے سود ہے کیونکہ وہ فلسفۂ اخلاق کی ایک فرع ہے اور اس کو قانون اثباتی سمجھنا یعنے قانون اقوام کو مختلف سلطنتوں کے درمیان مروجہ قوانین و قواعد کا مجموعہ ماننا لغو و بیکار ہے۔ چنانچہ ہابز کا مقولہ ہے کہ قانون بین الاقوامی کی وہی کیفیت ہے جو قانون قدرت کی تھی اور پہلا قانون دوسرے سے جدا نہیں ہے۔ حکومت و سلطنت قومی کے قیام کے قبل جس قانون کے تابع دنیا کی مختلف آبادیاں تھیں اور جس کے ذریعہ سے فریقین کے معاملات طے پاتے تھے اور جو قانون قدرت سے ملقب کیا جاتا تھا وہی قانون سلطنت کی ایجاد کے بعد فرمانرواؤں کے تعلقات باہمی کے انضباط وغیرہ کے لئے قانون اقوام کے نام سے موسوم ہو گیا۔ کرسچین تامسیس۔ پفنڈراف برلاماکی اور اکثر دوسرے اساتذہ بھی ہابز سے متفق الرائے ہیں لیکن بانکرشوک

ہیں یہ رائے وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی لیکن اس پر بھی اس نظریہ کے دلائل ایسے پرزور ہیں کہ اب بھی اس کی تائید میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔

دوسرے گروہ کا مقولہ ہے کہ قانون اقوام نہ صرف قدرتی ہے بلکہ اثباتی ہے یعنے اُس کے دو علٰحدہ علٰحدہ اجزا ہیں۔ جزو اول کا لقب قوموں کا قانون قدرت اور جزو دوم کا نام قوموں کا قانون اثباتی ہے۔ پہلا جزو ان قواعد انصاف قدرتی پر مبنی ہوتا ہے جن کی پابندی سلطنتیں اپنے تعلقات باہمی میں کرتی ہیں اور جزو دوم ایسے قواعد سے بنتا ہے جن کو حکومتیں اقرار، رسم یا کسی اور طریقہ سے اپنے تعلقات باہمی کو اُن کا تابع بنانے کی غرض سے قائم کرتی ہیں۔ قوموں کے قانون قدرتی سے قانون اثباتی میں اضافہ اور اُس کی اعانت ہوتی ہے کیونکہ جب کسی امر یا معاملہ کے متعلق قانون اثباتی موجود ہو تو اُس وقت اور صرف اس صورت میں پہلے قسم کے قانون اقوام سے مدد لیجاتی ہے۔ اس خیال کے بانی اور حامی گروٹی اس۔ وُلف۔ وٹل۔ بلیک اسٹن۔ ہیلک۔ وہیٹن، فلیمور۔ فی اور۔ لوئیس اور دوسرے چند اساتذہ ہیں۔ تیسری رائے کے مطابق قانون بین الاقوامی از سرتا پا اثباتی متصور ہوتا ہے۔ یہ ایسا مجموعۂ قوانین ہے جن کو فی الواقع چند فرمانروا سلطنتیں اپنے معاملات باہمی میں قرار دے لیتی ہیں۔ اور یہ کہ انصاف قدرتی کے قواعد بذات خود قانون بین الاقوامی کے قواعد نہیں ہیں لیکن ان دوسرے قواعد کا اس قانون سے صرف اس وقت تک اور اُس حد تک تعلق ہوتا ہے جبکہ اور جس حد تک یہ قواعد سلطنت کے بنا کردہ نظام قانون اثباتی میں داخل کر لئے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں اساتذہ کا اسی رائے پر اجماع ہے اور ہم بھی اُسی کو صحیح مانتے ہیں[1]۔ جو علمائے قانون، قانون اقوام کو ایسے انصاف قدرتی کے قواعد مانتے ہیں جن کے ذریعہ سے

---

(1) It is maintained by such writers as Hall, Rivier. [1]
Bluntschli, Nys, Sidgwick, Prof. Westlake, Dr. Walkor, Dr. Lawrence

سلطنتوں کے معاملات باہمی تصفیہ پاتے ہیں وہ اس قانون کو اخلاق بین الاقوامی کہتے ہیں اور اس لقب کی بنا پر وہ اس میں اور قانون اقوام میں فرق کرتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے قواعد میں ایک طرح کی مشابہت بھی ہے اور اختلاف بھی۔ اس بنا پر ایک ریاست سے دوسری ریاست کے ساتھ معاملہ کرنے میں بین الاقوامی اخلاق کی خلاف ورزی سرزد ہوسکتی ہے لیکن وہ دونوں قانون اقوام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی ہیں یا یہ کہ ازروئے اخلاق دو ریاستوں کے شرائط میں خلاف ورزی نہ پائی جاتی ہو لیکن قانوناً ایک ریاست پر دوسرے کے مقابلہ میں وعدہ خلافی کا الزام لگایا جاسکتا ہے یا یہ کہ ریاستوں کا سلوک باہمی خلاف اخلاق اور خلاف قانون دونوں ہوسکتا ہے۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا انصاف قدرتی کے قواعد کو قانون اقوام میں شامل سمجھنا چاہیئے کہ نہیں یعنے کیا ان قواعد کو قانون بین الاقوامی سے ملقب کرنا جائز ہے۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس سوال کا تعلق اصطلاحات سے ہے اور اصطلاحات کے ذریعہ سے اشیا کی صفات اور اُن کی افراد کا فرق بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔ اس طرح کے قواعد دنیا میں موجود ہیں اور ریاستیں بپاس آبرو اُن کا لحاظ کرتی ہیں۔ قانون بین الاقوامی اور اخلاق بین الاقوامی کے قواعد کو دو علٰحدہ ناموں سے منسوب کرنے میں جو فرق کہ فی الواقع ان دونوں قسم کے قواعد میں ہے اُس کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بین الاقوامی اخلاق کے قواعد کی پابندی کرنا ریاستوں پر لازم ہے خواہ ان قواعد کو ملحوظ رکھنے کی بابت آپس میں انھوں نے کوئی قرارداد کیا ہو کہ نہیں اور اس بنا پر اس قسم کے قواعد کو ریاستوں کا یقین کے ساتھ جاننا ناممکن ہے اور اس وجہ سے اُن کی موجودگی کی نسبت لاطائل بحثیں ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف قانون بین الاقوامی کے قواعد کی حالت ہے۔ قرارداد مابین اقوام کے ذریعہ سے ان کی تعریف کیجاتی اور ان کا تعین ہوتا ہے اور اس لئے ان کی بابت سلطنتوں کو نہ تو کوئی شبہہ پیدا ہوتا ہے اور نہ لایعنی مباحث پیش آتے ہیں۔ اخلاقی قواعد کو تسلیم

کرنے میں جو دشواریاں ریاستوں کو پیش آتی ہیں اُن سے یہ دوسری قسم کے قواعد مبرا ہیں۔

فصل ۳ ۔ قانونِ اقوام یعنی قانونِ رسمی

چونکہ خود اُن اساتذہ میں جو قانون بین الاقوامی کو قانون اثباتی کا ایک نظام خیال کرتے ہیں اس قانون کی اصل حقیقت اور اُس کے ماخذ کی بابت آپس میں اختلاف ہے اس لئے اس فصل میں ہم اُن جوابات کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو اس اختلاف کے رفع کرنے کے متعلق اُن کی جانب سے ادا کیے گئے ہیں۔ بعض مصنفین کے نزدیک قانون اقوام کا ماخذ رسم اقوام ہے یعنی قانون بین الاقوامی محض اُن قواعد و ضوابط پر مبنی ہے جن کا فرداً فرداً سلطنتیں اپنے معاملات باہمی میں لحاظ کرتی ہیں[1] لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

---

[1] تاریخ قانون بین الاقوامی مصنفہ ڈاکٹر واکر جلد (۱) صفحہ (۲۱) میں لکھا ہے "قانون اقوام کا اصلی ماخذ اُس کا فی الواقع لحاظ کرنا ہے" اور اُسی کتاب کے صفحہ (۱۳) میں درج ہے کہ "ریاستوں کے عمل و کردار باہمی کے مجموعہ کے سوائے قانون اقوام کوئی اور شئے نہیں ہے" اس خیال کے معتقدین کے ناموں کی فہرست کا پیش کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ اکثر مصنفین نے اپنے غیر یقینی اور مبہم بیانات سے اس مضمون یعنے قانون اقوام کے ماخذ کو صحیح طور پر نہیں بتلایا ہے۔ کبھی تو اس کا ماخذ وہ بین الاقوامی رضامندی یا دیگر قوموں کے عملدرآمد کو قرار دیتے ہیں اور اس بات کو وہ صفائی اور صراحت سے نہیں بتلا سکتے کہ اس طرح کا عملدرآمد بذات خود مؤثر ہوتا ہے یا اُس کے ذریعہ سے قوموں کی رضامندی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ خود لفظ رضامندی کو نہایت مذبذب اور مبہم طور پر استعمال کرتے ہیں اس سے اس امر کا انکشاف نہیں ہوتا کہ رضامندی سے اُن کی مراد بین الاقوامی معاہدہ یا بین الاقوامی شرائط یا ریاستوں کا وہ عملدرآمد ہے جس کو انھوں نے باہمی اتفاق سے قرار دیا ہے۔

اور اکثر علمائے قانون اس کو غلط سمجھتے ہیں۔ رسم بین الاقوامی قانون بین الاقوامی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ رسم ایک قسم کی شہادت ہے جس کے ذریعہ سے اس امر کا پتہ ملتا ہے کہ دنیا کی قوموں نے کسی ایک رسم کی پابندی کرنے کا آپس میں معاہدہ کیا ہے معاہدہ رسم کے لئے ہی مختص نہیں ہوسکتا بلکہ وہ کل قانون اقوام کا ماخذ ہے جس قدر قانون بین الاقوامی بنا ہے اُس کی ایجاد معاہدہ کے ذریعہ سے ہوئی ہے چنانچہ ریاستوں کے مابین بعض ایسے رسوم بھی پائے جاتے ہیں جن کی بنا معاہدہ کے ذریعہ سے نہیں ہوئی ہے اور اس وجہ سے اُن کا اثر قانون کا سا نہیں ہے سلطنتیں جب چاہتی ہیں اُن سے انحراف کرسکتی ہیں۔ اس کے برعکس قانون اقوام کا زیادہ تر حصہ ایسا ہے جو مطلق رسم و رواج پر نہیں بنا ہے بلکہ اُس کی بنا بین الاقوامی معاہدات سے ہوئی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ جب ان معاہدات پر سلطنتیں عمل کرتی ہیں تو اُن کے ذریعہ سے معاملات کے طے کرنے اور رسل و رسائل کے جاری رکھنے میں ایک قسم کی رسم پڑجاتی ہے اور اُس کی بھی قانون کی سی تاثیر سمجھی جاتی ہے لیکن معاہدے اور رسم میں فرق یہ ہے کہ جس وقت سے معاہدہ کا قیام ہوتا ہے اُس وقت سے وہ قانون متصور ہوتا ہے اور معاہدہ پر فی الواقع عمل کئے جانے کے بغیر وہ قانون سمجھا جاتا ہے چنانچہ جو جدید قواعد جنگ معاہدات کے ذریعہ سے ریاستیں آپس میں قرار دے لیتی ہیں اُن پر عمل کئے جانے کے بغیر وہ زمانۂ صلح و امن میں بھی قانون متصور ہوسکتے ہیں۔

فصل ۱۲ قانون اقوام بمعنی قانون تعبدی

بعض مصنفین قانون اقوام کو قانون تعبدی کی ایک قسم خیال کرتے ہیں کہ اُن کے نزدیک یہ قانون ایسے قواعد پر مبنی ہے جن کی تعمیل کرانے والی قوت سلطنتوں کی رائے عامہ ہے اور اُس کی تعمیل سلطنتیں کرتی ہیں اس کے علاوہ خاص خاص صورتوں میں بذریعۂ جنگ خطا کار سلطنت سے متضرر سلطنت یا اُس کے حلیف اس قانون کی تعمیل کراتے ہیں چنانچہ

آسٹن کا مقولہ ہے کہ "وہ قوانین و قواعد قوموں یا فرمانرواؤں پر اُن کی رائے عامہ کے ذریعہ سے عائد کئے جاتے ہیں اُن کا اطلاق قانون اقوام یا بین الاقوامی قانون ہے" اس رائے کے متعلق غور کرتے ہیں اس امر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اکثر صورتوں میں قانون اقوام (کے قواعد) کی تعمیل اسی طرح بین الاقوامی رائے عامہ کے ذریعہ سے کرائی جاتی ہے اور یہی بین الاقوامی رائے اُس کی تعمیل نہ کرنے کی سزا بھی جاتی ہے لیکن اس مقام پر غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس سزا کا حقیقت میں اس قانون سے تعلق ہے کہ نہیں کیونکہ اگر ہم اس سزا کو قانون اقوام سے متعلق سمجھتے ہیں تو اُن کل قواعد پر جن کی خلاف ورزی کرنے کی یہ سزا ہو سکتی ہے قانون اقوام کا اطلاق ہو سکتا ہے اور جن کے لئے اس طرح کی سزا نہیں دی جا سکتی وہ اس قانون کے دائرہ سے خارج سمجھے جاتے ہیں مگر صرف سزائے جنگ اس قانون کا معیار نہیں ہے اور اس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ قانون اقوام کی خلاف ورزی کی صورت میں اس سزا پر بہت ہی کم عمل کیا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں قانون اقوام کی خلاف ورزی کے بغیر ریاستوں میں جنگ چھڑ جاتی ہے۔ اچھا جب سزا کی یہ حالت ہے تو بین الاقوامی رائے کے ذریعہ سے جو سزا دی جاتی ہے اس کی کیا تاثیر ہو سکتی ہے؟ کیا یہ دوسری سزا قانون اقوام کو جانچنے کا طریقہ قرار پا سکتی ہے اور کیا اس قانون کے بقا کے لئے اس کی ضرورت ہے؟۔ وجوہ مندرجہ ذیل کی بنا پر ہم اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں:۔

(۱) سلطنت کے اکثر افعال بلحاظ رائے عامہ ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں اور اس سلطنت کی رعایا حکومت کو ان افعال کی بنا پر ملامت کرتی ہے حالانکہ ان کے ذریعہ سے قانون اقوام کی کسی طرح خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے اس کے برعکس بعض صورتوں میں ہر چند کہ ایک سلطنت چند ایسے کام کرتی ہے جن کا اس کو قانونی حق حاصل ہے تاہم ان جائز افعال کی وجہ سے دوسری سلطنتیں اس سے ناراض ہوتی اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔

(۲) بعض ایسے مخصوص اشکال پیش آتے ہیں جن میں گو قانون اقوام کی

صریح خلاف ورزی ہوتی ہے لیکن اس قسم کی خلاف ورزیاں خاص حالات کے اعتبار سے قابل عفو سمجھی جاتی ہیں اور بین الاقوامی رائے ان کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتی ہے۔

(۳) رائے عامہ روز بروز بدلتی رہتی ہے۔ ہر ایک واقعہ کے مخصوص حالات ہوتے ہیں اور ان کے لحاظ سے لوگوں کی رائے واقعات کے متعلق قائم ہوتی ہے کسی دو سلطنتوں میں ایک سی رائے عامہ نہیں پائی جاتی بلکہ ایک ہی سلطنت کے تمام باشندوں کی ایک رائے نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس قانون اقوام کی کیفیت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قانون اقوام میں مثل رائے عامہ کے رد و بدل نہیں ہوتا بلکہ یہ قانون غیر متبدل اور معین قواعد کا ایک مستقل نظام ہے اور اس کو عوام کی پسندیدگی اور عدم پسندیدگی سے کوئی تعلق نہیں۔ اصل میں یہ قانون فرمانروا حکومتوں کے صریح اور ضمنی قول و قرار سے بنتا ہے اور اس کے بنانے میں عوام کی موافق و مخالف آرا کا جو ہر لحظہ بدلتی رہتی ہیں کوئی دخل نہیں۔ قانون اقوام ایک علیحدہ شے ہے اور بین الاقوامی اخلاق ایک شئے دیگر ہے لیکن اس مقام پر ہم جس خیال اور مسئلہ کی تنقید کر رہے ہیں اس میں یہ دونوں چیزیں ایک سمجھی جاتی ہیں اور اس وجہ سے ان چیزوں کے تصورات میں خلط ملط ہو گیا ہے۔ اصل میں قانون اقوام جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے حکومتوں کے اقوال اور معاہدات سے بنتا ہے اور نہ کہ بین الاقوامی اخبار نویسوں اور مضمون نگاروں اور مصنفین کتب کی خامہ فرسائی کا نتیجہ ہے اگر لوگوں کی رائے میں استقلال و اتفاق ہو تو بلاشبہ رائے عامہ کا اثر قانون اقوام پر پڑ سکتا ہے اور یہ اس کے تابع ہو سکتا ہے لیکن یہ ایک دوسری بات ہے۔

(۴) رائے عامہ کسی علمی و اصولی (سائنٹیفک) مجموعہ قواعد و مسائل قانونی کی بنا نہیں ہو سکتی کیونکہ عوام الناس جن افعال و کردار کو اپنے عقیدہ میں قانون قدرتی کے مطابق سمجھتے ہیں انھی پر رائے عامہ قائم ہوتی ہے اور اگر انھوں نے صحیح طور پر رائے قائم کی تو جو قانون اس رائے پر مبنی ہوگا وہ حقیقی قانون قدرت سمجھا جائے گا اور اگر عوام نے رائے قائم کرنے میں غلطی کی تو قانون جو اس

رائے کے مطابق بنایا جائے صحیح نہیں ہو سکتا اور اس لئے جب واضعان قانون پر اُن کی غلطی کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ قانون کالعدم سمجھا جاتا ہے گویا ابتدا سے بنا ہی نہ تھا اس لئے کسی قانون اقوام کی جو رائے عامہ کی غلط فہمی پر مبنی ہو علمی اور اصولی طور پر تاویل اور تحقیق کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جو قانون اقوام کہ صحیح رائے عامہ پر بنایا جاتا ہے وہ لامحالہ اصول قانون قدرتی ہے اس لئے یہ بھی علمی تاویل و تحقیق کا موضوع نہیں قرار پا سکتا۔

بعض مصنفین نے ان اعتراضات سے بچنے کی غرض سے قانون اقوام کی ایک دوسرے نہج سے تعریف کی ہے۔ اس قانون میں ان لوگوں کے نزدیک صرف ایسے قواعد و ضوابط داخل ہیں جن کو بین الاقوامی رائے منظور یا نامنظور کرتی ہے اور جو قواعد و ضوابط اقوام اس میں نہیں آسکتے اُن کو وہ بین الاقوامی اخلاق اثباتی بتلاتے ہیں۔ اس رائے کے مطابق قانون اقوام ایسے قواعد سے بنتا ہے جن کو بین الاقوامی رائے نہ صرف منظور کرتی ہے بلکہ بذریعۂ جنگ اُن کو تعمیل کرانا اُس کے نزدیک جائز ہے اور بین الاقوامی اخلاق اثباتی یہ لوگ اُن قواعد کو سمجھتے ہیں جن کو رائے عامہ منظور تو کرتی ہے لیکن لڑائی کے ذریعہ سے اُن کا نفاذ و تعمیل اُس کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ جس طرح قدیم علمائے اخلاق فرائض کی دو قسمیں فرض کامل و فرض ناقص قرار دے کر اُن میں فرق کرتے تھے اسی طرح ان مصنفین نے قانون اقوام اور بین الاقوامی اخلاق میں فرق کیا ہے[1]۔

اگرچہ یہ قول پہلے قول سے کم ضعیف ہے لیکن اس پر بھی پہلے اعتراض کے سوائے باقی تین اعتراضات جن کا اس کے قبل ذکر کیا گیا ہے وارد ہوتے ہیں اس کے علاوہ اس پر ایک اور نکتہ چینی کیجا سکتی ہے۔ جنگ یا کسی اور

See Westlake, International Law. P. 7; Chapters on the Prls. of Int. Law, p 2; Hall. Int Law, p. 1; Sidgwick, Elements of Politics, Ch 17. PP. 274 Sqq, Ist. Ed ۱ـ

طریقۂ جبری کو جائز ماننے یا نہ ماننے کے لحاظ سے رائے عامہ کو دو حصوں میں منقسم کرنا ممکن نہیں ہے کسی ریاست کی جانب سے قانون اقوام کی خلاف ورزی ہونے کی صورت میں جبر استعمال کرنے کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے معین قواعد واصول سے اُس کی صحت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہر ایک واقعہ کے حالات مخصوص اور مختلف ہوتے ہیں اور اُن حالات کے نظر کرکے جبر کے جائز اور ناجائز ہونے کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے اور یہ کام رائے عامہ کا نہیں ہے اس لئے کہ تمام افراد انسانی کی رائے متفق نہیں ہوسکتی۔ علاوہ بریں اکثر صورتوں میں ایک سلطنت کے افعال سے خواہ وہ قانوناً جائز ہی کیوں نہ ہوں اور اُن کے وقوع میں آنے سے قانون اقوام کی کسی طرح خلاف ورزی نہ ہوتی ہو دوسری سلطنتوں کے اغراض کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور اس بنا پر رائے عامہ کے نزدیک ایسے افعال ناجائز سمجھے جاتے ہیں اور جنگ کے ذریعہ سے ان کا انسداد اور سلطنت متضرر کی دادرسی کرنا رائے عامہ جائز سمجھتی ہے حالانکہ قانون اقوام کی رو سے ایسی صورتوں میں نہ کسی قسم کی دادرسی ہوسکتی ہے اور نہ ضرر رسیدہ سلطنتیں انتقام لے سکتی ہیں۔ اس کے برعکس اکثر اوقات سلطنتیں معاملات باہمی میں فی الواقع اُن قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرجاتی ہیں جن کا صحیح طور پر قانون اقوام سے تعلق ہو لیکن اس طرح کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کا ارتکاب ایسے خفیف اور ادنیٰ درجہ کے امور میں کیا جاتا ہے جن کی تلافی یا مکافات کے لئے جنگ کرنے یا جبر کے استعمال کو بین الاقوامی رائے بیہودہ اور مہمل خیال کرتی ہے۔

چوتھا باب

عدل گستری

فصل ۲۵ ضرورت عدل گستری

کسی نے سچ کہا ہے[1] کہ دو بھیڑیوں میں انسانوں سے زیادہ اتفاق دیکھی پائی جاتی ہے اگر سب آدمیوں کی ایک سی عقل ہوتی یا سب ایک قوت کے ماتحت ہوتے تو ان میں بھی نفاق و اختلاف نہ ہوتا۔ چونکہ بدقسمتی سے ہر ایک آدمی کا فہم و شعور جداگانہ ہے اور ہر ایک شخص اپنی اپنی اغراض و جذبات کا تابع ہے اس لئے ان میں یکدلی اور یکرنگی پیدا کرنے کے واسطے کسی حکومت کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نفس الامر میں ہابز کا یہ مقولہ جو اپنے زمانہ کا ممتاز اور فاضل محقق و حکیم تھا صداقت پر مبنی ہے لیکن فیلسوف مذکور نے اپنی عادت کے موافق خصلت انسانی کی تصویر نا ملائم اور جگر خراش الفاظ میں کھینچی ہے جس کی وجہ سے اس کی شہرت پر حرف آتا ہے اور لوگ اس قول کو مبالغہ آمیز خیال کرتے ہیں۔ لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ انسان از روئے فطرت حیوان حربی ہے اور نہ صرف سلاطین بلکہ ہر ایک شخص کی دلیل آخری یعنی چارۂ کار جبر ہے چنانچہ تنگ آید بجنگ آید کا بھی یہی مطلب ہے۔ جب تک آدمیوں کے دلوں میں کسی عام قوت کا خوف نہ ہو وہ امن و امان کے ساتھ بسر نہیں کر سکتے اور نہ ان میں اتفاق و ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے بجز اس شکل کے کہ انسان کی بالکل اس کی ابتدائی معاشرت میں

1 Jeremy Taylor's Works, X11. 306, Heber's ed al.

بسر ہوتی ہو یعنے جبکہ وہ وحشی سمجھا جاتا تھا۔ اس قسم کی حکومت (قوت) کے بغیر انسان نہ تو متمدن و شائستہ بن سکتا ہے اور نہ دنیا سے ظلم و جبر اور نا انصافی کا انسداد ہو سکتا ہے بلکہ انسان کی زندگی جیسا کہ لاویاتان[۱] کا مصنف لکھتا ہے "تنہائی، غربت، افلاس، پریشانی اور وحشت میں بسر ہوتی ہے" بہر حال مصنف مذکور کا چاہے کچھ خیال ہو لیکن اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ کوئی معاشرت انسانی خواہ وہ کتنی ہی منتظم کیوں نہ ہو اور اس کے افراد قانون عقل کے قانون جبری سے زیادہ متابعت کرتے ہوں اور اُن میں ہمدردی و الفت کی وجہ سے نہ کہ حکومت کے مجبور کرنے سے اتفاق و یکجہتی پیدا ہو گئی ہو جہاں ہم ایسی جماعت انسانی میں حکومت کی جانب سے جبر کا عمل میں لایا جاتا اور اُس کا موثر ہونا ضرور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح کی پُرامن سیاسی جماعتوں میں داب سلطنت ظاہر نہیں ہونے پاتا بلکہ باشندوں کی امن پسند طبیعت اور اُن کے اتفاق و ہمدردی کے سبب سے جبر حکومت پوشیدہ رہتا ہے مگر رہتا ضرور ہے۔ جس ملک میں حکومت کو کبھی اپنی قوت کے اظہار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی ہو اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اُس میں جبر حکومت (داب سلطنت) باقی نہیں ہے بلکہ عدم ضرورت اُس حکومت کی اعلیٰ کامیابی اور فتح کی دلیل ہے۔

جن لوگوں کو دنیا کی ہر ایک بدی میں نیکی مضمر نظر آتی ہے اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک شئے اور حالت ترقی کر کے بہتر ہوتی جاتی ہے وہ حکومت کے جبر کو جس کے ذریعہ سے انسان مطیع کئے جاتے ہیں اُس کی تہذیب و شائستگی کی ترقی کا ایک عارضی لازمہ خیال کرتے ہیں۔ یہ بات ضرور ہے کہ جس طرح مختلف اقوام اور سلطنتوں میں تہذیب و شائستگی کی ترقی ہوگی اُسی طرح حکومت کی جانب سے جبر کے استعمال کرنے میں خواہ اُس کا اظہار بدل گستری کی شکل میں ہو کہ جنگ کی صورت میں بتدریج

1 Hobbes Leviatham, ch. 13. ۱ط

تصفیہ ہوتی جائے گی۔ چنانچہ اکثر منتظم سلطنتیں عدل گستری کرتے ہوئے اب جبر سے بہت ہی کم کام لیتی ہیں۔ ان ریاستوں میں رعایا کے حقوق و فرائض کا اعلان کر دینا کافی سمجھا جاتا ہے اور حکومت کو جبر سے ان کی تعمیل کرانے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ اسی طرح ہم سمجھتے ہیں وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ قوموں کے نزاعات جو اس زمانہ میں جنگ کے ذریعہ سے تصفیہ پاتے ہیں محض اعلان و اشاعت کی بدولت طے ہو جایا کریں گے۔ جس طرح ان سلطنتوں کے اثر سے مختلف شائستہ اور مہذب ملکوں کی رعایا امن پسند اور صلح جو ہو گئی ہے اور رعایا کے حقوق و فرائض کے قیام و بحالی کے لئے حکومت کو جبر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اسی طرح مستقبل قریب میں بین الاقوامی نزاعات کو بین الاقوامی معاشرت کی دائرہ حکومت کے زیر اثر جبر استعمال کرنے کے بغیر قومیں آپس میں طے کر لیں گی۔ لیکن اس امید افزا خیال سے ہمارے قول کی تردید نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ مکمل حکومت کے لئے حکومت کو جبر استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس لئے جب بین الاقوامی معاشرت ساجا کو مکمل ترقی ہوگی تو سلطنتوں کو بھی اپنے نزاعات باہمی کے تصفیہ کرنے میں جبر استعمال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ سلطنت کے نہایت اہم اور مستقل فرائض میں سے ایک فرض عدل گستری ہے اور اسی کے ذریعہ سے اس کی تہذیب و شائستگی کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ فرض اپنی آپ نظیر ہے۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ انسانوں کے اغراض و خواہشات میں جو اختلاف ہے وہ کبھی مٹنے والا نہیں۔ انسان اپنے جذبات کے سبب سے اپنی اغراض و مقاصد کا جبر سے حاصل کرنے کے لئے مجبور ہے اور جب حصول مدعا میں قانون سے اس کو مدد نہیں مل سکتی تو اپنے شخصی جبر سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے شخصی جبر کو روکنے کی غرض سے حکومت اپنا جبر استعمال کرتی ہے۔ اس بنا پر ہمارا ادعا ہے کہ قومیں خواہ تہذیب و شائستگی میں کسی درجہ کی ترقی کیوں نہ کر لیں لیکن

عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے حکومت کو جبر استعمال کرنا پڑے گا۔

اس میں کلام نہیں کہ رائے عامہ بھی ایک قابل قدر اور نہایت ضروری جبر و قوت ہے لیکن قانون کے جبر کا وہ بدل نہیں ہو سکتی یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح کسی قوم کی سچی نیک نفسی اور صحیح و تندرست رائے عامہ کے بغیر اُس ملک میں حکومت کے لئے موثر و مستقل طریقہ سے عدل گستری کرنا ممکن نہیں اُسی طرح اُس ملک کی رائے عامہ بھی قانون ملک اور جبر حکومت کی حمایت کے بغیر صحت کی حالت میں نہیں رہ سکتی۔ جس نظام قانونی کا مدار محض رائے عامہ ہو وہ بلحاظ عمل و تاثیر اُسی طرح کمزور ثابت ہوتا ہے جس طرح کہ کسی ملک کا قانون جو محض جبر و تشدد کی بنا پر بنایا جاتا ہے۔ ان دونوں قسم کے نظامات قانونی نہ تو مستقل ہوتے ہیں اور نہ کامل مستعدی سے ان پر حکومت عمل کر سکتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اُن لوگوں پر جن کو رائے عامہ ملامت و سرزنش کرتی ہے اُس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا جبر کے قانون پر بھی کیا منحصر ہے بلکہ ہر ایک قسم کا قانون اُن لوگوں کے واسطے بنایا جاتا ہے جو انصاف پسند نہیں ہوتے اور جو لوگ انصاف کی پابندی کرتے ہیں اُن کو قانون کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس قانون رائے تو پہلی قسم کے لوگوں کے متعلق نافذ کیا جاتا ہے اور اکثر بدکار لوگ نہایت چالاکی سے اُس کی خلاف ورزی کر کے سزا پانے کے بغیر بچ جاتے ہیں جو مجرم اور سفاک اس طرح انصاف کا خون کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں اُن کو اس میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہوتی ہے اس لئے جس قانون سے ایسے خطاکاروں کی سرکشی توڑی جاتی ہے اُس کی تعمیل کے لئے عوام کی سرزنش اور ملامت سے زیادہ سنگین سزاؤں کی تخویف ضرور ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ بڑی بڑی سلطنتوں میں قومی رائے جب تک سلطنت کی قوت اور جبر سے اُس کی تائید نہ ہو اپنا اثر نہیں دکھلا سکتی البتہ نہایت چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور بستیوں میں جس کے افراد میں بلحاظ قوم و زبان و اغراض

اتفاق و یکجہتی ہو یا نہ ہو، حاکم حکومت کے جبر و قوت کی شرکت کے بغیر قانون کی تاثیر رکھتی ہے بشرطیکہ اس طرح کی ہر ایک چھوٹی ریاست اور نظم معاشرت میں چند اس سے بھی زیادہ چھوٹی معاشرتیں اور انجمنیں بن گئی ہوں اور ان اندرونی انجمنوں کے اغراض و ضمائر ایک دوسرے سے مخالف و متضاد ہوں۔ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ صرف اپنے عزیز ترین اقربا اور احبا کی رائے کا لحاظ کرتا ہے اور دوسرے ابنائے جنس کی اس کو پروا نہیں ہوتی ہے اور نہ کبھی ان کا اس پر کوئی اثر ہو سکتا ہے اس لئے اگر کسی بدکار اور مجرم کے دوست احباب اس کے ارتکاب جرم کی نسبت تعریف کر کے اس کا دل بڑھاتے رہیں تو دس ہزار آدمیوں کی ملامت و سرزنش اس کو اپنے افعال مجرمانہ کے ترک کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی چنانچہ چور بھی اپنے فعل کو بہتر سمجھتا ہے اور اس کے ہم جنس اس کے کام کو پیشہ کی انجام دہی خیال کرتے ہیں (گلہ بین یا جیب بر، پرداز کبوتر یا کبوتر باز یا باز) تاہم حکومت کے دوسرے ہزاروں باشندے چوری کو فعل قبیح سمجھتے ہیں لیکن ان کی ملامت اور تنفر کا چوروں کی قلیل جماعت کے خیالات پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا لہذا جو اخلاقی سزا کہ معاشرت کی جانب سے خطاکاروں کو دی جاتی ہے وہ منتظم حکومت کے جبر و قوت کی شرکت کے بغیر موثر نہیں ہو سکتی چونکہ انسان فطرتاً خود غرض واقع ہوا ہے اور خواہش نفسانی کا تابع ہے اس لئے حکومت کی پناہ کے بغیر انسان کا جماعت کی شکل میں آباد رہنا ممکن نہیں ہے نہ معاشرت باقی نہیں رہ سکتی۔ امن و انتظام، تہذیب و شائستگی قائم رکھنے کے لئے ریاست کو قانون بنانا اور انصاف کرنا ضروری ہے۔

فصل ۲۶ بنائے عدل گستری

ابتدائی زمانہ میں جب انسان کی طرز معاشرت وحشیانہ تھی اور منظم و منضبط حکومتوں کا قیام نہیں ہوا تھا ستم رسیدہ اور متضرر اشخاص اپنا انتقام

آپ لیا کرتے تھے اور اگر ایک شخص کی دوسرا شخص حق تلفی کرتا تو دوسرا اپنے حق کو بچانے کے لیے جنگ جدل اور دھینگا مشتی سے اپنی آپ مدد کرتا تھا بعض وقت ضرر رسیدہ کے قرابتدار اور احباب بھی اس کے دشمنوں سے انتقام لینے میں اس کے شریک ہو جاتے تھے لیکن اب یہ طریقہ باقی نہیں رہا ہے بلکہ ضرر رسیدہ کی امداد ریاست اپنی تلوار سے کرتی ہے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت اور امن و انتظام کے قیام کی غرض سے سیاسی حکومتیں ایجاد ہوئی ہیں اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مقام پر سترھویں اٹھارھویں صدیوں کے فلسفہ کا ذکر کیا جائے جس کے ذریعہ سے منتظم ریاست کا قدرتی ریاست سے مقابلہ کیا جاتا تھا اور ایک سلطنت دوسری سلطنت کی ضد سمجھی جاتی تھی لیکن اس زمانہ میں لوگ قدرتی ریاست کو نہیں مانتے بلکہ اسے افسانہ خیال کرتے ہیں اکثر اساتذہ کا خیال ہے کہ اس زمانہ کے حکمانے جبکہ اکثر پڑھے لکھے آدمی معاہدۂ معاشرتی پر عقیدہ رکھتے تھے ایک قسم کی فرضی اور ذہنی ریاست کا تصور قائم کیا تھا اور اس کا نام سلطنت فطرت رکھا تھا لیکن میری رائے میں اس زمانہ کے علمائے سیاست نے سلطنت فطرت کے رد کرنے میں بہت زیادتی کی ہے سلطنت فطرت کا استعمال دو قسم کی متضاد سلطنتوں کے واسطے کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے ایک ایسے عہد سلطنت کا اظہار کیا جاتا ہے جس کو لوگ عہد زریں کہنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ نہایت قدیم اور ابتدائی طرز کی سلطنت اور اس زمانہ کو عہد زریں کہنا حد درجہ کی غلطی اور مبالغہ ہے۔ اس اصطلاح کا دوسرا مفہوم وہ ہے جس کو بقول ہابز "تمام افراد سلطنت کا ایک دوسرے سے برسر پیکار رہنا" کہنا مناسب ہے۔ بہرحال سلطنت فطرت کی اصطلاح سے ایک صحیح بات کا سراغ ملتا ہے کہ جب سے دنیا میں انسان کا وجود ہوا اس وقت سے معاشرت انسانی کا کچھ نہ کچھ قیام ہوا ہے خواہ اس کی شکل اور قسم کچھ ہی کیوں نہ رہی ہو اس لیے ہم کہتے ہیں کہ حالت یا سلطنت فطرت سے معاشرت انسانی کی عدمیت نہیں ثابت ہوتی بلکہ

اس قسم کی سلطنت دلیل ہے اس امر کی کہ معاشرت انسانی (ریاست) کی بنیاد اور تنظیم انسان کی جسمانی قوت پر نہیں قائم کی گئی تھی جو سلطنت کی ترتیب و ترکیب اور قیام کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ معاشرت انسانی اور بنی نوع انسان کا ایک ہی وقت میں وجود ہوا ہے لیکن اس معاشرت نے ترقی کر کے جو معاشرت سیاسی کی شکل اختیار کی ہے اور جس کو اس نام سے ملقب کرنا صحیح اور ضروری ہے اس کو تاریخ انسان کا ایک مخصوص واقعہ سمجھنا چاہیے۔

اُن اسباب اور حالات میں جن کے ذریعہ سے سلطنت فطرت ترقی پا کر سلطنت منتظم میں منتقل ہوئی سب سے زیادہ اہم سبب یہ تھا کہ افراد سلطنت کی منفردہ قوت جسمانی اور جبر کے عوض اُن کی مجموعی اور متحدہ قوت جسمانی اور جبر کا استعمال میں لایا جاتا ہے اور منفرد رعایا اور باشندوں کو جو اپنے ابنائے جنس وغیرہ سے ضرر پہنچتا ہے اس کی چارہ سازی اور جن جرائم وغیرہ کا منفرد باشندوں کی ذات و مال پر ارتکاب کیا جاتا ہے اُن کی پاداش میں مجرمین کو تمام افراد سلطنت کی مجموعی اور متحدہ قوت اور جبر کے ذریعہ سزا دی جاتی ہے۔ رعایا جو اپنا بدلا آپ لیا کرتی تھی وہ سلطنت کے منتظم ہو جانے کے بعد معدلت فوجداری میں منتقل ہو گیا ہے اور معدلت دیوانی اُس طریقہ اور حالت کی قائم مقام بن گئی ہے جس میں اور باشندگان سلطنت بذریعۂ تشدد اپنی مدد آپ کرتے تھے۔ چنانچہ اس مضمون کو لاک[1] نے اس طرح ادا کیا ہے کہ سلطنت فطرت میں صرف قانون فطرت کا نفاذ ہوتا ہے اور ہر ایک شخص اپنے معاملہ میں اپنے فریق ثانی سے اس قانون کی تعمیل کراتا ہے اور جو شخص اس قانون کو تعمیل کرانا چاہتا ہے اختیار تعمیل بھی اُسی کو حاصل رہتا ہے۔ اس کے برعکس سلطنت منتظم میں قانون فطرت میں قانون ملک کے ذریعہ سے

[1] Treatise on Government. II. Ch. 2. al.

اضافہ ہوتا ہے اور چونکہ اس دوسری قسم کے قانون کا نفاذ باشندگان سلطنت کی تنظیم یافتہ یعنی متحدہ اور مجموعی قوت کے ذریعہ سے کیا جا کر اس کا عمل قائم رکھا جاتا ہے اس لیے پہلی قسم کے قانون کے جس کا نفاذ باشندگان سلطنت کی منفردہ قوتوں کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے باقی رکھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ دو متضاد نظامات قانون کا ایک ہی سلطنت میں نافذ کرنا جائز ہے۔ اس امر سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کے ابتدائی زمانہ کے نظام قانونی یعنی قانون فطرت میں بے انتہا خرابیاں تھیں اور نہایت ہی قدیم زمانہ کی ریاستوں میں اس قانون کی وجہ سے جو طوفان بدتمیزی برپا ہوتا تھا اور جس جس قسم کی سوئے انتظامی سے ریاستوں کو مقابلہ کرنا پڑتا تھا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ہر ایک شخص اپنے معاملہ یا اپنے دعوے کا آپ فیصلہ کرتا تھا اور حق کا معیار قوت قرار دی گئی تھی جو شخص اپنے فریق ثانی پر قوت جسمانی کے ذریعہ سے غلبہ پاتا وہی حق پر سمجھا جاتا تھا۔ بہرحال سلطنتوں میں قوت منفردہ کے بجائے نہایت دشواری سے اور تعویق کے ساتھ بتدریج قوت مجموعی کے ذریعہ سے جرائم کی سزادہی وغیرہ کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ ابتدائی زمانہ کے انسانوں میں فساد اور شر کا مادہ زیادہ ہوتا تھا اور وہ اپنی نزاعات کا تصفیہ خود آپس میں جنگ و جدال کر کے کر لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطنت کی مقرر کردہ عدالتوں کے فیصلوں کو تسلیم کی خو بھی ان لوگوں میں بہت ہی کم ہوتی تھی چنانچہ عدل گستری اور محکمہ عدالت کی ابتدائی تاریخ سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ سلطنتوں نے رعایا کی مرضی پر چھوڑ رکھا تھا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی نزاعات کا سرکاری عدالتوں سے تصفیہ کرائے "دیوانی اور فوجداری نزاعات کا تصفیہ جس طرح اس زمانہ میں رعایا اپنی مدد آپ کر کے اور خانہ جنگی کے ذریعہ سے کر لیتی تھی اس کے لیے سلطنت رعایا کو سرکاری عدالتوں میں رجوع ہونے کے واسطے مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ یہ حال ہی کا واقعہ ہے کہ حکومتوں نے اپنی قوت کی ترقی کے ساتھ اس قدیم اور وحشیانہ طریقۂ انفصال کو بتدریج

استعمال کیا اور رعایا نے اس اصول کو مان لیا ہے کہ وہ اپنی تمام نزاعات کا عدالتوں میں رجوع ہو کر تصفیہ کرا لیا کرے۔

اکثر قدیم سلطنتوں کے قوانین (دیوانی اور فوجداری ضابطوں) کے مجموعوں کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ سلطنت نے رعایا کو ذاتی نزاعات کے متعلق نہایت ملایمانہ اور خوف زدہ لہجہ میں اور بہت پس و پیش کر کے اس امر کے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ ان کے انفصال کے متعلق اپنی ذاتی قوت سے کام نہ لے بلکہ سرکاری عدالتوں میں رجوع کرے جیسا جیسا ہر ایک حکومت کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا اس طرح اس نے اس امر کی طرف للکار کر رعایا کو متوجہ کیا ہے اور بتدریج سرکاری مداخلت کو ترقی ہوئی ہے۔ چنانچہ تحقیقات بذریعہ جنگ کے طریقہ کو جو قانون انگلستان میں انیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک رائج تھا اگلے زمانہ کی اس طرز کی یادگار سمجھنا چاہیے جبکہ نزاعات کا تصفیہ لڑائی کے ذریعہ سے ہوا کرتا تھا اور اس طریقہ کو لوگ پسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ سلطنت کو انفصال مقدمات کے متعلق جو حق اور اختیار حاصل تھا اس کو وہ اس طریقہ تحقیقات کے استعمال کرنے میں صرف کرنے کے بجائے اس کے ذریعہ سے وہ رعایا کے اس حق اور اختیار کو باضابطہ اور موثر بناتی رہی جس کی بنا پر اس کا

ا؎ ۱۸۱۸ء میں قتل عمد کے ایک استغاثہ (اس زمانہ میں استغاثہ کو مرافعہ کہتے تھے) میں ملزم مرافع نے جنگ کے ذریعہ سے اپنی تحقیقات کرانے کی درخواست کی اور عدالت کنگز بنچ نے اس کو منظور کر کے ملزم کو مستغیث سے لڑنے کی اجازت دیدی لیکن مستغیث (مرافعہ علیہ) نے اس طریقہ انفصال کو قبول نہیں کیا کیونکہ اس میں ذاتی طور سے کہیں زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لیے ملزم بری کر دیا گیا۔ آشفورڈ بنام تھارنٹن بارن آل اینڈ الڈرسن جلد ا صفحہ ۴۰۵۔ اس مقدمہ کے سبب سے جرائم سنگین کے متعلق استغاثہ پیش کرنے اور تحقیقات بذریعہ جنگ کے طریقوں کی قانون موضوعہ ۵۹ جارج سوم باب ۴۶ کے ذریعہ سے تنسیخ عمل میں آئی۔

ہر ایک فرد اپنی مدد اپنے ہاتھ سے کر کے اپنی جان و مال کی حفاظت کرتا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ زمانۂ مابعد میں جو طرز تحقیقات بذریعۂ جنگ کی بہ نسبت قائم کیا گیا اس میں اس کا نام بدل کر فیصلۂ الٰہی رکھا گیا اور اس کو آزمائش غیبی کی ایک نوع قرار دیا گیا ہے۔ وجہ تسمیہ کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقدمہ کی کامیابی پر مقدمہ کے ہر ایک فریق کا برسر حق ہونا منحصر تھا۔ اور چونکہ اس زمانہ کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ خدا اس شخص کی مدد کرتا ہے جو حق پر ہو اس لیے تحقیقات بذریعۂ جنگ یا فیصلۂ الٰہی کے طریقہ میں فریق غالب کا حق تسلیم کیا جاتا اور فریق مغلوب غاصب اور دروغ گو خیال کیا جاتا تھا۔ مگر ہماری رائے میں اس طریقہ کے جاری ہونے کے صدیوں بعد لوگوں نے اپنے طور پر اس کی اس طرح توجیہ کی ہے اور ان کے بیان کی واقعات سے تائید نہیں ہوتی ہے جس طرح کسی سلطنت کے باشندے اپنی ذاتی اور خانگی نزاعات کا جنگ کے ذریعہ سے تصفیہ کرتے تھے اسی طرح آزمائش غیبی یا فیصلۂ الٰہی کے ذریعہ سے قومیں اور سلطنتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنے جھگڑوں کو فیصل کرتی تھیں لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ جنگ انفصال ان دونوں میں سے کسی ایک طرز تحقیقات کی بنا اور اصل نہیں ہے۔ چنانچہ سیکسن سلاطین کے قوانین سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں قانون کے ذریعہ سے انتقام شخصی کی قطعی ممانعت نہیں کی گئی تھی بلکہ اس طریقۂ انفصال کو ان قوانین کے ذریعہ سے باضابطہ اور محدود[1] بنا دیا گیا تھا۔ اس لیے سیکسن

---

[1] قوانین شاہ الفریڈ جلد ۱ ص ۱ (قدیم قوانین و آئین انگلستان مرتبہ تھارپ جلد ۱ صفحہ ۹۱) "ہمارا حکم ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ اس کا دشمن اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہے تو اطلاع دیئے اور اس سے انصاف چاہنے کے بغیر اس سے جنگ نہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا شخص دشمن کے گھر کا محاصرہ کر سکتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ سات روز تک محاصرہ کرنے کے بغیر دشمن پر حملہ نہ کرے بشرطیکہ وہ اس مدت میں مجبور ہو کر گھر کے باہر نہ نکل آئے ۔ ۔ ۔ ۔ اگر دشمن کو محصور کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو تو

میں ہر ایک شخص ضابطہ اور اصول کے مطابق اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے وہ کام کرتا تھا جو اندنوں اسی غرض کی انجام دہی کے لیے حکومت کرتی ہے۔ جیسا جیسا معدلت شاہی کو (انگلستان میں) ترقی ہوتی گئی ویسا ویسا قانون ملک کا انداز بیان بدلتا گیا اور زمانۂ حال کے نظریہ پر کہ ریاست کی قائم کردہ عدالتوں کے سوائے کسی دوسرے شخص کو عدل گستری کا اختیار نہیں ہے عمل ہونے لگا۔[۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- اس کو لازم ہے کہ اپنے کو آپ سے قریب کے آلڈرمین (تعلقدار) کے پاس لبسواری اسپ پہنچائے اور اس سے استمداد کرے اور اگر آلڈرمین مدد نہ کرے تو اس کو چاہیے کہ لڑنے سے پہلے حتی المقدور جلد اپنے کو بادشاہ کی خدمت میں پہنچا کر مدد طلب کرے۔"

۱؎ چونکہ لوگ قوانین اور احکام کی پابندی نہ کرکے قدیم طریقے یعنے انتقام شخصی پر عمل کرتے تھے اس لیے منتظم حکومت کے قائم ہونے کے صدیوں بعد ہنری سوم کے آخری دور میں اس بیقاعدگی اور قانون کی خلاف ورزی کو روکنے کی غرض سے حکومت کو قوانین نافذ کرنا پڑے۔ چنانچہ مارل برو کے اسٹاچیوٹ (بابت ۵۲ سنہ جلوس ہنری سوم باب ۱) میں رعایا کی اس عادت اور قانون سے اس کی عدم آشنی کا ذیل کے الفاظ میں اعادہ کیا گیا ہے کہ "حالیہ فساد کے زمانہ میں جو اس قلمرو میں برپا ہوا تھا اکثر لوگوں نے اور اس کے قبل امرائے عظام اور دوسرے بہت سے ادنیٰ درجہ کے اشخاص نے بادشاہ اور اس کی عدالتوں کے ذریعہ سے اپنے حق میں انصاف کرانے کو ناپسند کیا ہے اور ان لوگوں کی خواہش ہے کہ جس طرح اس بادشاہ کے ابتدائی عہد میں اور اس کے اجداد کرام اور سلاطین ماسبق کے زمانہ میں وہ شخصی انتقام پر عمل کرنے کے عادی تھے اور اپنے دشمنوں اور ہمسایہ کو بذریعۂ جنگ و محاصرہ مجبور کرکے اپنی حسب خواہش ان سے جرمانہ اور تاوان وصول کیا کرتے تھے اسی طرح اب بھی انھیں انتقام لینے اور لوگوں کو اذیت پہنچانے کا موقع دیا جائے۔" اس عادت کو مٹانے کی غرض سے اس اسٹاچیوٹ میں حکم دیا گیا ہے کہ

فصل ۷ - عدالت دیوانی و فوجداری

قبل ازیں عدل گستری کی تعریف کرتے وقت ہم نے بیان کیا تھا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ — "تمام اشخاص کے حق میں خواہ وہ اعلیٰ اقتدار رکھتے ہوں کہ ادنیٰ، بادشاہ کی مقرر کردہ عدالتیں انصاف کریں گی اور اس کے بعد سے کوئی شخص کسی قسم کا دوسرے سے انتقام لینے اور اس کے مال کو قرق کرنے کا مجاز نہ ہوگا بجز اس کے کہ عدالت مذکورہ اس کے متعلق فیصلہ صادر نہ کرے۔" ہرچند انگلستان میں آج سے صدیوں پہلے عادت متقدر ہوگئی تھی اور قانون کی قوت و صولت قائم ہو چکی تھی لیکن اقلیم یورپ کے دوسرے ملکوں میں جہاں کی حکومت کمزور تھی رعایا کی جنگ شخصی کا حق تسلیم کیا جاتا تھا اور اس طرح کی مختلف ریاستیں قانون نافذ کرکے کچھ مدت پہلے تک اس حق کو منتظم و منضبط بناتی رہتی ہیں چنانچہ موسیو نائیس (M. Nys.) نے اپنی کتاب مبادیات قانون بین الاقوامی مطبوعہ ۱۸۹۴ء کے باب پنجم میں نہایت دلچسپ پیرایہ میں ان حالات کا ذکر کیا ہے۔ اس قدیم خیال اور طریقہ کا عکس ابھی تک انگلستان میں ملزمین کے چالان میں نظر آتا ہے۔ اس زمانہ میں بھی ہر ایک چالان مقدمہ میں ملزم پر "ہمارے مالک و آقا بادشاہ کے امن کو توڑنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ چونکہ بادشاہ انگلستان نے بہت زمانہ سے گویا جنگ کا اجارہ خود لے لیا ہے اس لیے اس کی رعایا میں سے جو کوئی شخص خانہ جنگی کرتا ہے یا کسی اور قسم کے دنگے اور فساد کا مرتکب ہوتا رہتا ہے وہ امن بادشاہ میں خلل اندازی کرنے کا ملزم سمجھا جاتا ہے۔ امن بادشاہ کے متعلق سر الیف پالک کے آکسفورڈ لکچرز از ۵۶ تا ۹۰ صفحات قابل دید ہیں۔ اس کے علاوہ مضامین منتخب تاریخ قانون انگلو امریکن جلد دوم کے ۴۰۳ سے ۴۱۳ تک کے صفحات کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ آئس لینڈ کی قدیم قوموں کے قانون اور شخصی جبر و جنگ کے درمیان جو نسبت تھی اس کی نہایت دلچسپ شگفتہ الفاظ میں ڈیسنٹ نجال نے اپنی کتاب سیگا میں تصویر کھینچی اور اس کتاب کو ڈیسنٹ نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

ریاست جبر و تشدد کے ذریعہ سے اپنی سیاسی آبادی میں حق کو قائم رکھتی ہے اور اسی کا نام عدل گستری ہے یعنے اس سے مراد ریاست کا اس قاعدے اور ضابطے کو جو اس نے حق کے متعلق نافذ کیا ہے بذریعۂ جبر و سزا اجاری کا کرنا ہے۔ اس بنا پر عدالت کے دو طریقے ہیں دیوانی اور فوجداری، اور عدالتوں کا کام، جو لوگوں کے حقوق کی بذریعۂ جبر سلطنت و سزا دہی حفاظت کرتی ہیں، دو قسم کا ہے حقوق کی تعمیل کرنا یا افعال ناجائز کی پاداش میں مرتکبین کو سزا دینا یعنے عدالت اس شخص کو جس کے ذمہ کوئی فرض ہو اس فرض کی بجا آوری کے لیے مجبور کرتی ہے یا جب ایسا شخص اپنے فرض کے ادا کرنے میں خطاوار ہوتا ہے تو اس کو عدالت سزا دیتی ہے۔ لہذا اس تقسیم عمل کی بنا پر عدالت دیوانی اور فوجداری میں فرق کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی عدالت تعمیل حقوق پر اور دوسری قسم کی عدالت افعال ناجائز (جرائم) کی سزا دہی پر مبنی ہے۔ دیوانی طرز کی کارروائی میں مدعی اپنے حق کا دعوی کرتا ہے اور عدالت مدعی علیہ کو مجبور کر کے مدعی کے حصول مقصد میں امداد کرتی ہے کبھی ادائے دین کی نالش پیش ہوتی ہے اور کبھی اس جائداد کی واپسی کا دعوی جو ناجائز طور پر روک لی گئی ہو کیا جاتا ہے۔ بعض وقت مدعی ضرر ناجائز پہنچنے کے سبب سے ہرجہ کی نالش کرتا ہے اور کبھی حکم امتناعی جاری کرانے کی درخواست کرتا ہے۔ اس کے برعکس فوجداری مقدمہ میں گو مستغیث حق کی نالش نہیں کرتا لیکن وہ مدعی علیہ پر جرم کا الزام لگاتا ہے یعنے اس کی حیثیت مدعی کی نہیں بلکہ الزام لگانے والے کی ہوتی ہے۔ اس قسم کے مقدمات میں عدالت مدعی علیہ کو کسی فرض کے ادا کرنے کے لیے یا کسی حق کی حفاظت اور اس کے قائم رکھنے کے واسطے مجبور نہیں کرتی بلکہ جس فرض کی تعمیل کرنے میں وہ کوتاہی کرتا ہے یا جس کسی کے حق کی پامالی کرتا ہے اس کی پاداش میں اس کو سزا دیجاتی ہے۔ چنانچہ قتل عمد کی سزا میں مدعی علیہ (مجرم) سولی پر چڑھایا جاتا ہے اور سرقہ کی سزا میں اس کو قید بھگتنی پڑتی ہے۔

بلحاظ نالش دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے دعووں میں مدعی مدعی علیہ کے فعل ناجائز کے خلاف خواہ حقیقت میں اُس کا ظہور ہوا ہو کہ اُس کے واقع ہونے کا اندیشہ ہو شکایت کرتا ہے کیونکہ اصولاً کوئی شخص اپنے حق کے پامال ہونے یا اُس کی پامالی کا خوف رکھنے کے بغیر نہ نالش کرسکتا ہے اور نہ ان دونوں میں سے کسی ایک شکل کے پیش آنے کے بغیر اُس شخص کے خلاف جس نے مدعی کے حق کو پامال کیا ہے یا اُس کو ضرر پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے ازروئے قانون کوئی کارروائی کیجاسکتی ہے۔ مجرم کی صرف اُس وقت تحقیقات ہوتی ہے اور اُس کے حق میں عدل کیا جاتا ہے جبکہ اُس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہو یا وہ اُس کے ارتکاب کا ارادہ رکھتا ہو۔ یعنے دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کی نالشوں میں بنائے دعوی کی اصلیت تو ایک ہے لیکن کارروائی اور طرز عمل میں سخت اختلاف ہے۔ دیوانی مقدمہ کی بنا حق کا دعوی اور فوجداری مقدمہ کی مناط الزام جرم ہے معدلت دیوانی کا تعلق مدعی اور اُس کے حقوق سے ہے اور معدلت فوجداری کے ذریعہ سے مجرمین اور اُن کے الزامات منسوبہ کی تحقیقات کیجاتی ہے پہلی طرز کے عدل سے مدعی کی دادرسی ہوتی ہے اور دوسری قسم کے عدل سے مدعی علیہ کو وہ سزا دیجاتی ہے جس کا وہ مستوجب ہوتا ہے۔

جس فعل ناجائز کے لیے دیوانی چارۂ کار اختیار کیا جاتا ہے وہ دیوانی طرز کا فعل ناجائز اور جس فعل ناجائز کے واسطے فوجداری کارروائی کیجاتی ہے وہ فوجداری طرز کا فعل ناجائز یا جرم کہلاتا ہے۔ چونکہ مرتکب فعل ناجائز یا اُس کا ارادہ رکھنے والے کے خلاف ایک نہ ایک قسم کی عدالتی کارروائی کیجاتی ہے اس لیے وہ بلحاظ نوعیت کارروائی دیوانی یا فوجداری عدالت کے نزدیک اپنے فعل ناجائز یا اُس کے ارادہ کے لیے ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔

بعض وقت ایک ہی شخص کے خلاف ایک ہی فعل کے واسطے دیوانی اور فوجداری دو قسم کی نالشیں کرنی پڑتی ہیں یعنے اُس کا فعل دیوانی کارروائی کے لحاظ سے فعل ناجائز اور فوجداری طرز عمل سے جرم قرار پاسکتا ہے اور مدعی کو

اُس کے مقابلہ میں دونوں قسم کی دادرسی مل سکتی ہے۔ ایک وقت میں ایک شخص کے خلاف مدعی کو عدالت سے دو قسم کی دادرسی کا دیا جانا خلاف عقل نہیں ہے چنانچہ بصورت امکان عدالت (قانون ملک) کو لازم ہے کہ جو لوگ اپنے فرائض کا لحاظ نہ کرتے ہوں یا اُن کی ادائی میں کوتاہی کرتے ہوں اُن کو اُن فرائض کی انجام دہی کے لیے نہ صرف مجبور کرے بلکہ اُن کو سزا دے کر آیندہ اُن سے جو افعال ناجائز ہونے والے ہیں اُن کا انسداد کرے مثلاً سارق کو مال مسروقہ کے واپس کرنے کے لیے مجبور کرنا کافی نہیں ہے بلکہ سرقہ کے واسطے اُس کو سزائے قید کا دینا بھی ضرور ہے تاکہ وہ اور دوسرے اشخاص آیندہ چوری کرنے سے باز آئیں لیکن اس قسم کی دوہری دادرسی اور چارہ کار کے بعض مستثنیات بھی ہیں۔ جن مقدمات میں بلحاظ حالات حق کی تعمیل کرانا نہیں ہو سکتا اُن میں صرف سزا سے کام لیا جاتا ہے اور جن مقدمات میں حق کی تعمیل سے عدالت کو توقع ہوتی ہے کہ بار دیگر فعل ناجائز کا ارتکاب نہ ہوگا تو عدالت صرف اسی ایک دادرسی کے دینے پر اکتفا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ مدعی علیہ سے خرچہ عدالت بھی مدعی کو دلوایا جاتا ہے۔ اور چونکہ دیوانی عدالت کی ڈگری کی تعمیل میں بھی مدعی علیہ کو ایک قسم کی سزا برداشت کرنی پڑتی ہے اس لیے اُس پر بجز فوجداری طرز کی ذمہ داری کا عائد کرنا غیر ضروری اور خلاف انصاف سمجھا جاتا ہے اور ہم اس کو تفصیل سے آیندہ بیان کریں گے۔

ہم نے دعویٰ فوجداری کی تعریف کی ہے کہ اُس کے ذریعہ سے مدعی علیہ کو فعل ناجائز کرنے کی سزا دیجاتی ہے اور دیوانی نالش وہ کارروائی ہے جو مدعی اپنے حق کی تعمیل کرانے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اگرچہ دیوانی اور فوجداری طرز کی نالشوں کی یہ ایک مسلمہ تعریف ہے لیکن اس مقام پر ہم اُن تعریفات پر غور کرنا چاہتے ہیں جن کے ذریعہ سے اکثر لوگ دیوانی طرز کے افعال مضرت رساں اور جرائم میں فرق کرتے ہیں جرائم کو یہ لوگ عام افعال ناجائز (افعال ناجائز بمقابلہ سلطنت) اور دیوانی نالشوں کو خاص افعال ناجائز (نقصان و ضرر جو منفرد اشخاص کے حقوق کو پہنچتا ہو) قرار دیتے ہیں ان لوگوں کے خیال کے مطابق (عام ضرر)

عام فعل ناجائز وہ ہے جبکہ سلطنت یا اُس کی کل آبادی کے خلاف کسی جرم کا ارتکاب کیا جائے اور اُس کے متعلق اس طرح مقدمہ چلایا جائے کہ سلطنت اُس کا ایک فریق متصور ہوسکے۔ خاص فعل ناجائز یا خاص ضرر ایسا جرم ہے جو کسی رعیت کے خلاف سرزد ہوا ہو اور متضرر کی جانب سے نالش پیش ہونے پر اُس کے متعلق مقدمہ چلایا جائے چنانچہ سارق کے خلاف تاج برطانیہ کی جانب سے استغاثہ پیش ہوتا ہے لیکن مداخلت بیجا بخانہ وغیرہ کے کرنے والے پر دیوانی نالش کے ذریعہ سے صرف وہ شخص مقدمہ چلاتا ہے جس کے حق کو اُس نے صدمہ پہنچایا ہے۔ اسی طرح فوجداری طرز کے ازالۂ حیثیت عرفی کو ایک طرح کا ضرر عام سمجھنا چاہیے اور اُس کے مرتکب کے خلاف تاج برطانیہ استغاثہ کرتا ہے اس کے خلاف دیوانی طرز کا ازالۂ حیثیت عرفی ایک طرح کا خاص ضرر ہے اور اُس کے متعلق وہ شخص جس کی توہین کی گئی ہے دیوانی عدالت میں نالش دائر کرکے ہرجہ پانے کا طالب ہوتا ہے۔ اُن لوگوں کی رائے کا بلیک اسٹن کی تحریر سے بخوبی اظہار ہوتا ہے جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ "افعال ناجائز کی دو قسمیں یا دو جنس ہیں، خاص افعال ناجائز اور عام افعال ناجائز پہلی قسم کے افعال ناجائز تو وہ ہیں جن کے ذریعہ سے منفرد اشخاص کے حقوق دیوانی کی بحیثیت منفردہ پامالی ہوئی ہو اور اس بنا پر اکثر ان کو دیوانی طرز کے نقصانات کہتے ہیں اور دوسری قسم کے افعال ناجائز وہ ہیں جن کے ذریعہ سے ایسے عام حقوق اور فرائض کی پامالی کیجاتی ہے جس کا تعلق سلطنت کی تمام آبادی (رعایا) سے ہوتا ہے اور اس ضرورت سے اس تمام آبادی کی ایک شخصیت متصور ہوتی ہے اور پہلی قسم کی خطاؤں سے ان کو جدا کرنے کے لیے ان کا نام جرائم صغیرہ رکھا گیا ہے[1]"

[1] (Misdemeanors جرائم صغیرہ) اس فرق کے متعلق آسٹن کا نظریہ بلیک اسٹن کے نظریہ سے کسی قدر مختلف ہے لیکن دونوں کے نظریات قابل اعتراض ہیں اور آسٹن کے نظریہ پر بھی وہی اعتراضات وارد ہوسکتے ہیں جو بلیک اسٹن کے نظریہ کے متعلق ظاہر

لیکن یہ توجیہ کافی نہیں ہے اور اس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسے تمام افعال ناجائز جو عوام (سرکار) کے خلاف کیے جاتے ہیں جرائم نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص (رعیت) محصولات کے ادا کرنے سے انکار کرے تو گو اس کا انکار کرنا سلطنت کے خلاف ضرور فعل ناجائز ہے اور سلطنت کے دعویٰ کرنے پر عدالت اس کی تحقیق کرتی ہے لیکن بایں ہمہ وہ فعل ناجائز دیوانی طرز کا ہے۔ اور اس کی وہی حیثیت ہے جو کسی خانگی آدمی کے دیوانی طرز کے فعل ناجائز کی ہوتی ہے جبکہ وہ دائن کو اپنے ذمہ کا قرضہ ادا کرنے سے انکار کرتا ہے جس طرح ایک رعیت کی عہد شکنی دوسری رعیت کے ساتھ جرم نہیں ہوسکتی اسی طرح کسی رعیت کا سلطنت سے معاہدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا جرم کی تعریف میں نہیں داخل ہوسکتا۔ رقم قرضہ واپس پانے یا ہرجہ کی تمام نالشیں یا سرکاری جائداد کو واپس حاصل کرنے یا کسی امانت سرکاری کی تعمیل کرانے وغیرہ کے جس قدر دعاوی سلطنت کی طرف سے دائر ہوتے ہیں اگرچہ کہ شخص متضرر اور مدعی خود سلطنت ہوتی ہے لیکن بلحاظ نوعیت اس طرح کی جس قدر نالشیں ہیں اُن سب کا محدلت دیوانی سے تعلق ہے۔

ثانیاً اور بیان متذکرۂ صدر کے برعکس یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:۔ کیے گئے ہیں۔ اس لیے ہم آسٹن کے نظریہ کے متعلق علیحدہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اگرچہ آسٹن افعال ناجائز کی تقسیم دو حصوں میں کرتا ہے یعنی فعل ناجائز خلاف سرکار اور فعل ناجائز خلاف رعیت لیکن اس فرق کا سبب اس کے نزدیک حق سرکار اور حق رعایا کو گزند پہنچنا نہیں بلکہ حق تو ایک ہی ہے اور اس کی پامالی کی صورت میں دو مختلف چارۂ کار یا دادرسیوں کے اختیار کیے جانے سے فعل ناجائز کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ چنانچہ اس کی کتاب جیورسپروڈنس طبع سوم کے صفحہ ۵۰۵ میں لکھا ہے کہ "جب فعل ناجائز کا تعلق قانون دیوانی سے ہوتا ہے تو اس کی سینکشن (سزا) کی تعمیل اہل فریق کی خواہش پر کرائی جاتی ہے جس کا کہ حق پامال ہوا ہے اور جب جرم ہوتی ہے تو اس کی سینکشن کی تعمیل فرماں رواکی مرضی پر ابتداءً کرائی جاتی ہے۔

تمام جرائم افعال ناجائز خلاف سرکار نہیں ہیں چنانچہ اکثر جرائم کی تحقیقات جن کے متعلق سرسری شہادت لینے کے بعد عدالت اثبات جرم کی تجویز کرتی ہے رعایا کی جانب سے استغاثہ پیش ہونے پر کیجاتی ہے لیکن اس پر بھی اس میں شک نہیں کہ ان جرائم کی فوجداری طریقہ سے تحقیقات ہوتی ہے۔

اسباب متذکرۂ صدر کی بنا پر یہ نتیجہ مستنبط کرنا پڑتا ہے کہ فعل ناجائز کی جو دو قسمیں قرار دی گئی ہیں فعل ناجائز خلاف سرکار و فعل ناجائز خلاف رعایا اور جرائم اور دیوانی طرز کے نقصانات (یا ضرر) اور ایک کو دوسرے کا مساوی لوگ خیال کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ اصل میں یہ فعل ناجائز کی منطقی تقسیمات نہیں بلکہ تقسیمات متداخلہ ہیں کیونکہ سرکاری حقوق (عام حقوق) کی اکثر اوقات بذریعۂ عدالت بجبر تعمیل ہوتی ہے اور غیر سرکاری اشخاص (یعنے رعایا) کے خلاف جو ناجائز افعال سرزد ہوتے ہیں ان کے متعلق مرتکبین کو سزا دی جاتی ہے۔ فوجداری اور دیوانی ناجائز افعال یعنے جرائم اور ہر جہ کی نالشات دیوانی میں جو فرق کیا جاتا ہے اس کا سبب دو مختلف قسم کے حقوق نہیں ہیں جن کی پامالی کے باعث پامال کنندہ کے خلاف مقدمہ چلایا جاتا ہے بلکہ حق پامال شدہ تو ایک ہے لیکن اس کی دادرسی دو طرح سے کیجاتی ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ اس حق کے اتلاف و پامالی کے روکنے اور انتقام لینے کے لیے دیوانی اور فوجداری عدالتوں میں رجوع ہونے کے دو چارۂ کار قرار دیے گئے ہیں۔

جس نظریہ کی بنا پر فعل ناجائز کی دو قسمیں متقرر کی گئی ہیں اس کی خوشنمائی اور خوش آہنگی کا سبب عدل گستری کی تاریخ ترقی کی ایک مخصوص حالت جناحیت ہے زمانۂ گذشتہ میں سلطنتیں مجرمین کو سزا دینے کا اختیار ضرر رسیدہ کے تفویض کرتی تھیں اور جب یہ اختیار منفرد اشخاص کو ملتا ہے تو لامحالہ فوجداری چارۂ کار دادرسی کی شان گھٹ کر وہ دیوانی چارۂ کار کی شکل میں متبدل ہوجاتا ہے اور مجرمین کو سزا دینے کے عوض ضرر رسیدہ ان سے ہرجہ و تاوان وصول کرنے لگتا ہے اس طرح سلطنت جب متضرر کو مالی فائدہ پہنچاتی ہے تو وہ لوگ اس مالی تسکین و تسلی کو اپنے خشک اور بے نفع حق انتقام پر ترجیح دینے

لگتے ہیں۔ مجرمین کو بھی ضرر رسیدہ لوگوں کو روپیہ بصورت معاوضہ دینے اور
اپنے کو اُن کے انتقام یعنے سزایابی سے بچانے کا موقع ملتا ہے اور اس کا نتیجہ
یہ ہوتا ہے کہ جس سلطنت میں جرائم کی پاداش سزا دہی قرار پائی ہو اُس میں سزا
کے عوض معاوضہ رقمی لینے کا طریقہ رائج ہو جاتا ہے اس لیے قدیم قوموں اور
سلطنتوں کے مدون مجموعہ ہائے قوانین میں صحیح اور حقیقی معنوں میں قانون فوجداری
مفقود رہتا ہے اور اس کے عوض قانون دیوانی کے اس جزو سے کام لیا
جاتا ہے جس کا تعلق تاوان وہرجہ کی دادرسی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ قتل عمد،
سرقہ اور حملۂ مجرمانہ اپنے صحیح معنوں میں جرائم نہیں بلکہ دیوانی طرز کے افعال
ناجائز خیال کیے جاتے ہیں جن کے واسطے ہرجہ یا تاوان ادا کرنے سے
مرتکب کو نجات مل سکتی ہے۔ روما اور انگلستان کا قانون قدیم زیادہ تر اسی
قسم کا تھا۔ مگر اس کے خلاف یہودیوں کے قانون میں مجرمین سے تاوان
لینے کے طریقہ کو روکنے کی ایک حد تک کوشش کی گئی ہے اور اُن کے
نظام قانونی کا وہ شعبہ جس کو قتل انسانی سے تعلق ہے فی الواقع
قانون تعزیری ہے اُن کی مذہبی کتاب میں لکھا ہے کہ "قاتل (مرتکب
قتل عمد) کی جان کے بدلے میں تم کو تاوان لینا لازم نہیں بلکہ اس کو ہلاک کرنا
تمھارا فرض ہے[1]"۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک سلطنت مجرمین کے خلاف
استغاثہ پیش کرنے کا کام اپنے ذمہ نہ لے اور جب تک قابل سزا جرائم کو
سلطنت رعایا کے مقدمات نہیں بلکہ اپنے ذاتی دعاوی نہ خیال کرلے
اس وقت تک قانون ملک یا قانون مذہبی کے ذریعہ سے مجرمین کو سزا
دینے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کیجائے اُس کا کچھ اثر برآمد نہیں ہو سکتا۔
جب تک مجرم سلطنت کے مقابلہ میں جواب دہی نہیں کرے گا اس وقت تک
ملک میں صحیح قانون فوجداری کا رائج نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ روما میں بھی زیادہ
اہم قسم کی معدلت فوجداری یعنے زیادہ سنگین جرائم کی تحقیقات فرماں روا

[1] Numbers, XXXV. 31.

مجالس قومی انجام دیتی تھیں اور سپریٹر اور دوسرے مجسٹریٹوں (حکام) کی عدالتوں میں دیوانی نالشات کا تصفیہ ہوتا تھا۔ اسی طرح انگلستان میں قابل چالان مقدمات نظریۂ قانونی کی رو سے جرائم خیال کیے جاتے ہیں اور ان کا ارتکاب "ہمارے ولی نعم بادشاہ کے امن اور اس کی صولت و سطوت کے خلاف" متصور ہوتا ہے۔ اور سچ ہے جب تک انگلستان میں عدل شاہی کی عملداری نہیں ہوئی اس وقت تک مجرمین سے زر معاوضہ لینے کا طریقہ مسدود نہیں ہوا چنانچہ اندنوں بھی قانون تعزیری (فوجداری) کی حمایت کی غرض سے جرائم سنگین (فیلنی) میں مدعی کو راضی نامہ داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اُن مقدمات میں جن کی سرسری طور پر تحقیقات ہوتی ہے عدالت کی اجازت کے بغیر فریقین مقدمہ اُس سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ بہرحال اس خیال کی جس کی بنا پر دیوانی طرز کے افعال ناجائز اور جرائم میں فرق کیا جاتا ہے اور اس فرق کو افعال ناجائز خلاف سرکار اور افعال ناجائز خلاف رعایا کے اختلاف کے مساوی سمجھا جاتا ہے اس قدر تاریخی اصلیت ہے اور ہم نے جن خیالات اور اعتراضات کا اس مسئلہ کے متعلق ذکر کیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس کو بے بنیاد اور لغو ثابت کرنے کے لیے وہ کافی ہے۔

فصل ۲۸ اغراض عدالت فوجداری "سزائے عبرتناک"

تعزیری انصاف رسانی کے چار مقاصد ہیں اور اس لحاظ سے سزا کی حسب ذیل چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) عبرتناک (۲) انسدادی (۳) اصلاحی اور (۴) انتقامی ان چار اقسام میں سے پہلی قسم کی سزا اصلی اور ضروری ہے باقی تین قسمیں بمقابلہ قسم اوّل ضمنی ہیں۔ سزا دینے کی صرف ایک غرض ہے کہ مجرم کے سزا پانے سے دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور خطاکار لوگ دوبارہ ایسے افعال شنیع کا ارتکاب کرنے پائیں۔ چونکہ ہر ایک ملک میں بدکرداروں کے اغراض و مقاصد باقی کا فہ انام کے خیالات و اغراض سے مختلف ہوتے ہیں اس لیے جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے اور اس کا انسداد اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ خواہشات و خیالات کے

اختلاف و افتراق کا سدّ باب نہ کیا جائے اس بنا پر جن افعال سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے انہی افعال کو سلطنت مجرمین کے ضرر و نقصان کا باعث قرار دیتی ہے اور سزا کے ذریعہ سے جرائم کا انسداد کیا جاتا ہے چنانچہ لاک کا مقولہ ہے کہ "مجرم اپنے ہاتھوں آپ مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، خود کردہ را چہ علاج" چونکہ ایک آدمی کے دوسرے کے ساتھ انصاف سے پیش آنے میں دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اور فطرتاً انسان جب تک خود مصیبت میں نہ پڑے دوسرے کے ساتھ انصاف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اس لیے آدمی اپنے نفع کے واسطے دوسروں کے حق میں ظلم و زیادتی کرتا ہے اور اس زیادتی اور ناانصافی کا انسداد کرنا قانون فوجداری کا کام ہے۔

فصل ۲۹ سزائے انسدادی

سزا کی دوسری قسم انسدادی ہے، اس کو استیصالی بھی کہتے ہیں۔ اس کی پہلی اور عام غرض لوگوں کو خوف دلا کر اُن کو ارتکاب جرائم سے باز رکھنا ہے لیکن اس سزا کا دوسرا اور خاص مقصد بصورت ممکنہ مجرم سے اُس جرم کے ارتکاب کی قابلیت مٹانا ہے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے۔ چنانچہ قاتل کے سولی پر چڑھائے جانے سے نہ صرف لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ مجرم کی سزا سے عبرت حاصل کرتے ہیں بلکہ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ قاتل کا اسی طرح استیصال کرنا چاہتا ہے جس طرح سانپ اور دوسرے درندہ جانوروں کو بہ مقتضائے فطرت وہ نیست و نابود کرتا ہے۔ قید، اخراج وطن اور معزولی عہدہ کی سزائیں بھی اسی غرض سے دی جاتی ہیں۔

فصل ۳۰ سزائے اصلاحی

سزا کی تیسری قسم اصلاحی ہے۔ اس کے ذریعہ سے سلطنت مجرمین کے چال چلن کو درست کرنا چاہتی ہے۔ چونکہ خواہشات نفسانی سے انسان مجبور ہے اور جب ان کا اثر اُس کے خصائل پر پڑتا ہے تو وہ جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔

اس لئے اس کی خواہشات یا خصلت کے بدل جانے سے وہ ارتکاب جرم سے
باز رکھا جاتا ہے۔ سزائے انسدادی کے ذریعہ سے انسان کی خواہشیں روکی
جاتی ہیں اور سزائے اصلاحی کی بدولت اُس کی خصلت کی درستی عمل میں لائی
جاتی ہے۔ لیکن اس اصلاحی اور طبی فریضہ کا تعلق جس کو سلطنت نے اپنے
ذمہ لیا ہے تعزیر (سزا) کی ایک مخصوص قسم قید سے ہے اور اس غرض سے
مجرم کو جو سزائے قید دیجاتی ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہوتی ہے اور وہ قید
کے اصلی مصائب و تکالیف سے بچ جاتا ہے۔ اندنوں قانون تعزیری کے
اس شعبہ کو ترقی دینے کی طرف لوگوں کا رجحان پایا جاتا ہے۔ جرائم اور
مجرمین کے متعلق جو علم کہ اندنوں وضع اور مرتب ہوا ہے اس کی رو سے جرم
ایک قسم کا مرض خیال کیا جاتا ہے اور اس کے ماہرین کی کوشش ہے کہ قانون ان
اشخاص اور قانون کے محکموں سے مجرمین کا تعلق منقطع ہو کر اُن کو اطبا اور
طبابت کے محکموں کے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ جنون کی نسبت جو نزاع ماہرین قانون
اور عالمان طب میں پیدا ہو گئی ہے اس سے اس امر کا قوی اندیشہ ہے کہ کچھ مدت
کے بعد تقریباً ہر ایک جرم ایک مرض خیال کیا جائے گا اور عدالتوں اور پولیس
کے عوض قانون تعزیرات پر اطبا اور طبابت کے محکمے عمل کریں گے۔

سزا کے متعلق جو انتقامی اور اصلاحی نظریات ہیں ان کے اختلاف و
فرق باہمی سے لوگ بخوبی واقف ہیں اور ان دونوں میں سے جس اصول کو
ترقی ہوگی فوجداری طریقہ کی معدلت میں وہی اصول زیادہ اہم سمجھا جائے گا
اور اسی کے مطابق عدالتوں کو عمل کرنا پڑے گا۔ خالص اصلاحی نظریہ کی رو سے
بجز ایک قسم کی سزا کے دیگر اقسام سزا ناجائز متصور ہوتی ہیں اور اس ایک
سزا کے ذریعہ سے مجرمین کو جسمانی تکلیف نہیں پہنچائی جاتی بلکہ اُس کا تعلق
اُن کی تعلیم و تربیت سے ہے۔ سزائے موت کو اسی نظریہ کے معتقدین معقول
و موزوں سزا نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک مجرم کو ہلاک کرنے کے بہ نسبت
اس کا علاج کرنا زیادہ مناسب ہے۔ سزائے تازیانہ اور دوسری جسمانی سزاؤں کو
یہ لوگ مذموم سمجھتے ہیں اور ان کو انسان کے زمانہ جاہلیت و توحش کا یادگار

بتلاتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس طرز کی سزا سے نہ صرف سزا دہندہ اور سزا یاب وحشی بنتے ہیں اور اُن کی طبیعتوں میں ابتذال پیدا ہوتا ہے بلکہ معدلت فوجداری کی جو خاص غرض ہے وہ بھی مفقود ہو جاتی ہے۔ لیکن اصلاحی طریقہ میں جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا ہے محض قید کے ذریعہ سے سزا دیجاتی ہے اور مجرم کے مقید کرنے کی جو غرض ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ جب مجرمین کو قید کے ذریعہ سے جسمانی اور اخلاقی تعلیم دینا مقصود ہے تو قید خانوں میں بھی وہی اسباب آرام و آسائش مہیا ہونا چاہیئے جو متعلمین کو اُن کے مکانوں پر میسر آسکتے ہیں اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو تعلیم محبس کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا لہذا حامیان طریقۂ اصلاح کا دعویٰ کہ مجرم کو قید میں رکھکر تعلیم دینے سے اس کے عادات و اطوار کی اصلاح ہو سکتی ہے باطل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم کی ضرورت سے جب مجرم کو آرام و آسائش قید خانہ میں پہنچتی ہے تو اُس کے ابنائے جنس کو اس طرح سے راحت و تعیش کے قید کا نہ خوف ہوتا ہے اور نہ وہ اس سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اکثر کم اصل اور کم درجہ کے لوگ جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں اور جب تک اُن کو سنگین اور عبرت ناک سزائیں نہ دیجائیں وہ اپنے افعال شنیع سے باز نہیں آسکتے۔ علاوہ بریں سزا کے ان دونوں طریقوں میں ایک اور اختلاف ہے۔ ناقابل اصلاح مجرمین کی حالت پر غور کرنے سے اختلاف مذکور کا سمجھنا بخوبی آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ نظریۂ اصلاحی کی شد و مد سے حمایت کرتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بعض انسان فطرتاً ناقابل اصلاح ہیں اور کسی طریقہ سے ان کے اخلاق و خصائل کی درستی ممکن نہیں۔ یہی نہیں بلکہ کم سنی میں بھی ایسے مجرمین کی اصلاح کرنا نہایت دشوار ہے۔ جرم گویا ان کی گھٹی میں پڑا ہے اور کسی سے اس کا علاج ممکن نہیں۔ اچھا تو اس نظریہ کے مطابق ایسے فطرتی مجرمین کی کیونکر اصلاح ہو سکتی ہے؟ اس کا حامیانِ نظریۂ مذکور کوئی جواب نہیں دے سکتے اور از روئے منطق اُن کے اس عقیدہ اور خیال سے ہم صرف یہ نتیجہ

اخذ کر سکتے ہیں کہ تربیت تعزیری ایسے مجرمین کے لئے مفید نہیں ہو سکتی اور اُن کے مرض کو لاعلاج تصور کر کے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس کے برخلاف امتناعی اور عبرت ناک سزا کے نظریہ کی رو سے ناقابل اصلاح مجرمین کا علاج کرنا ہی زیادہ ضروری خیال کیا جاتا ہے اور محض انہی کی اصلاح و درستی کی غرض سے خصوصًا قانون فوجداری بنایا گیا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کو سزا دے کر ارتکاب جرائم سے روکنا اور اُن کے ذریعہ سے اُن کے ابنائے جنس کے دلوں میں سزا کا خوف پیدا کرنا اس دوسرے نظریہ کا خاص مقصد ہے اس لئے مخصوص صورتوں میں مجرمین سے اُن کی آزادی کا سلب کرنا ہی کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کو ہلاک کرنا بھی جائز ہے۔

اگر خالص نظریۂ اصلاحی پر عمل کیا جائے تو اُس کے ذریعہ سے نہایت حیرت انگیز اور خلاف عقل نتائج کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کامل اور اعلیٰ درجہ کی معدلت فوجداری میں دونوں طریقوں کی سزاؤں پر عمل کیا جاتا ہے اور جب تک ایسا نہ ہو یا دونوں میں سے محض کسی ایک طریقہ کا لحاظ رکھا جائے تو عدل مذکور کا منشا حاصل نہیں ہوتا۔ درشتی و نرمی بہم در بہ است چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است۔ اس پر بھی اس مرکب و معتدل طریقۂ عدل تعزیری میں سزائے امتناعی و عبرت ناک کا عنصر غالب رہتا ہے اور اس لئے اُس نظریہ کے مؤیدین کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ سزا کی پہلی اور اصلی غرض یہی ہے اور اس کے دوسرے اغراض اس قدر ضروری اور لازمی نہیں بلکہ ضمنی اور ثانوی ہیں۔ چونکہ زمانۂ ماسلف میں حکومتیں سزائے اصلاحی کا مطلق لحاظ نہیں رکھتی تھیں اس لئے زمانۂ موجودہ میں لوگوں نے اُس کی حمایت پر کمر باندھی ہے اور ضرورت سے زیادہ اُس کی طرف توجہ کیجا رہی ہے لیکن جس طرح بے اصل باتوں کو غلو کے ذریعہ سے فروغ نہیں ہو سکتا اور اُن کی چند روزہ شہرت کا اثر لوگوں کے دماغوں سے انکشاف حقیقت کے بعد طرفۃ العین میں مٹ جاتا ہے اسی طرح طریقۂ اصلاح مجرمین

کی مبالغہ آمیز خوبیوں سے دنیا واقف ہو رہی ہے ۔ بریں ہم اصلاح مجرمین کی ضرورت سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے ۔ البتہ اُس کی ضرورت ہے لیکن اس قدر نہیں جس قدر کہ حامیانِ نظریۂ مذکور ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ اگلے زمانہ کی سلطنتیں مجرمین کے اختلاف طبع اور ابتذال و انحطاط خصائل کا لحاظ نہیں کرتی تھیں ۔ ظاہر ہے کہ کل مجرمین کی ایک سی طبیعت نہیں ہوتی بعضوں میں جرم کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور بعض مجرمین کی طبیعت اصلاح پذیر نہیں ہوتی مگر قدیم زمانہ میں تمام انسانوں کی ایک ہی صنف خیال کیجاتی تھی اور اس بنا پر مجرم سے زیادہ جرم کی نسبت توجہ کیجاتی تھی ۔ یہ سچ ہے کہ سزا دینے میں دونوں باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے لیکن اُس کے یہ معنی نہیں کہ جرم کے پہلو کو بمقابلۂ مجرم نظرانداز کیا جائے ۔ اگر کسی ملک میں جرائم کا ارتکاب مبتذل اور نالائق اشخاص یا اُن لوگوں سے جن کا دماغ صحیح نہیں ہے مخصوص ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہاں کی سلطنت نے ایک ایسے عمدہ قسم کے طریقۂ معدلتِ فوجداری کو اختیار کیا ہے جو زیادہ سخت اصول نہ کہ طریقۂ اصلاح پر مبنی ہے ۔ جس قدر سلطنت زیادہ سنگین سزائیں دیتی ہے اسی قدر اس کی رعایا جن کی طبیعتیں معتدل واقع ہوئی ہیں ارتکاب جرائم سے اجتناب کرتی ہیں ۔ جرائم کے مرتکب صرف مبتذل و ناہنجار لوگ ہوا کرتے ہیں اور جیسا جیسا سزاؤں کا معیار بڑھتا جاتا ہے ویسی ویسی ان قانون شکنوں کی طبیعتوں کے ابتذال و انحطاط میں ترقی ہوتی جاتی ہے ۔ اگرچہ منتظم سلطنتوں میں عدل فوجداری کے جو طریقے جاری ہیں وہ مکمل نہیں ہیں تاہم قتل عمد کے مجرمین میں مجانین کی تعداد بڑھی ہوئی ہے اس پر بھی اگر ان میں سے کسی سلطنت کا انتظام اس قدر مکمل ہو جائے کہ اس میں قاتل کو سزائے موت دینے کی ضرورت باقی نہ رہے تو بھی ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قتل عمد کا جرم انھی لوگوں تک محدود رہے گا جن کا دماغ صحیح نہیں ہے ۔

جب سلطنت کے ترقی انتظام کی یہ کیفیت ہو جائے تو یہ دلیل پیش ہو سکتی ہے کہ چونکہ تمام مرتکبین قتل عمد مجنون ہوتے ہیں اس لئے قتل عمد ایسا

جرم نہیں ہے جس کے استیصال کے واسطے سلطنت کو اپنے جبر و قوت سے کام لینا لازم ہے بلکہ اس جرم کا انسداد طبابت نہ کہ قانون سے ہو سکتا ہے لیکن جس مغالطہ پر یہ خیال مبنی ہے وہ کسی طرح سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اگر سلطنت اس اصول پر عمل کرنا شروع کر دے تو یہ مسئلہ اور دعوی کہ تمام مرتکبین قتل عمد مجنون ہوتے ہیں باطل ہو جاتا ہے۔ اس دوسری دلیل میں بھی کہ از بسکہ مجرمین میں مرض (خلل دماغ) اور انحطاط اخلاق کا تناسب زیادہ ہے اس لئے سلطنت کو خوف دلانے والی اور جابرانہ سزاؤں سے زیادہ، سزائے اصلاحی پر عمل کرنا چاہیئے یہی مغالطہ پایا جاتا ہے مگر اس میں یہ اس طرح صاف نظر نہیں آتا۔ ان دونوں غلط دلائل کی تاریخ اور تجربہ سے بخوبی تردید ہوتی ہے۔ اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ سلطنت اپنے پہلی قسم کے فرائض سے بدکاروں کے دلوں میں مستقل طور پر خوف پیدا کرتی ہے اور اس لئے اس تخویف کا مجرمین پر کچھ تو بلا واسطہ اثر پڑتا ہے جس کے سبب سے ایک حد تک جرائم کا انسداد ہوتا ہے اور کچھ ان پر بالواسطہ اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے اخلاق، عادات و اطوار اور جذبات کی درستی ہوتی رہتی اور وہ اعتدال سے بڑھنے نہیں پاتے۔ مختصر یہ کہ قانون جبری کے زیر اثر جرائم کی تعداد محدود ہو گئی ہے اور ان کا ارتکاب قوم کے ان ابنائے جنس کے لئے مخصوص ہو گیا ہے جن کے اخلاق میں انحطاط اور دماغوں میں فطور ہے اور جن کی طبیعتیں جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں۔ جب ملک میں موثر اور مستعد طریقہ سے قانون تعزیری پر عمل کیا جاتا ہے اس میں بجز حالات مخصوصہ کے بہت ہی کم جرائم وقوع پذیر ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے سوائے جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتے اور جن میں عقل و شعور کا مادہ کم ہوتا ہے یا جو لوگ جذبات و خواہشات نفسانی سے مغلوب ہوتے ہیں یا جن کے طبائع میں اعتدال نہیں ہوتا دوسرے افراد رعایا سے ارتکاب جرائم تقریباً ناممکن ہے۔ اگر ہم زمانۂ سلف کے قانون کی سختیوں کو جن کے ذریعہ سے زیادہ تر لوگوں کے اخلاق و کردار کی درستی عمل میں لائی جاتی تھی نظر انداز بھی کر دیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جرم ایک نفع بخش حرفت اور کاریگری ہے

اور اگر جبری انسدادی طریقوں سے اس کے ارتکاب کو نہ روکا جائے تو یہ صنعت بہت جلد ترقی کر سکتی ہے اور مرض متعدی سے نہ صرف کمزور و ناتواں افراد قوم بلکہ صحیح العقل و توانا اشخاص بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ سزائے اصلاحی کو دیگر اقسام سزا کے عوض اختیار کرنے میں سخت خرابی ہے لیکن اس کی تائید میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح کی سزا ان لوگوں کے واسطے تجویز ہونی چاہیئے جن کی طبیعتوں میں اعتدال نہیں ہوتا اور جن کے اخلاق معیار معینہ سے گھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں صرف مجنون اور کمسن مجرمین کا اصلاح اخلاق کے ذریعہ سے علاج کیا جاتا ہے اس لئے اگر ایسے لوگوں کا بھی جو کمزوری و انحطاط اخلاق کے باعث دائرۂ انسانیت سے خارج سمجھے جاتے اور جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں سزائے اصلاحی کے ذریعہ سے علاج کیا جائے تو ممکن و مناسب ہے۔ لیکن ہماری رائے میں اس طرح کی کوئی تدبیر بکار آمد اور قابل عمل نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ معتدل طبیعت والے انسان اور ایسے آدمی میں فرق کرنا جو معیار انسانیت سے گھٹا ہوا ہو نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ فی زماننا معیار انسانیت سے گھٹے ہوئے آدمیوں میں ازروئے قانون صرف انہی لوگوں کا شمار ہو سکتا ہے جو مجنون ہیں لیکن اگر سلطنت انسان کی ہر ایک جنس کو معیار انسانیت سے پست درجہ میں شامل کرے اور اُن کے ارتکاب جرم کو مرض مان لے تو اس کی دشواری ہزار چند زیادہ ہو جائے گی۔ ہر ایک ملک کا قانون ضرورتاً سختی پر مبنی ہوتا ہے اور انسداد جرائم کے لئے ایک فوری تدبیر خیال کیا جاتا ہے لہذا قانون میں تمام ابنائے ملک کی ایک سی انسانیت سمجھی جاتی ہے اور سلطنت ازروئے قانون جو اندازہ رعایا کی نسبت کرتی ہے اور جس طرح اُن کے ساتھ پیش آتی ہے اُس پر رعایا کو قانع اور رضامند ہو جانا چاہیئے۔ ہر ایک مجرم اپنے خیالات اور خواہشات کے موافق مخصوص فیصلہ اپنے حق میں نہیں صادر کرا سکتا۔ ثانیاً یہ کہ سوائے اُن لوگوں کے جن کو خلل دماغ ہے انسدادی اور عبرتناک سزا کا اثر اُن لوگوں پر بھی پڑتا ہے جو معیار انسانیت سے پست درجہ میں ہوتے ہیں۔

اور تجربہ سے ثابت ہے کہ اس دوسری قسم کے مجرمین کو بھی اُس سزا کی شدید ضرورت ہے۔ اگر کسی شخص میں ہمدردی اور اخلاق حسنہ کی کمی ہو یا وہ اُن اوصاف و اخلاق سے معرّا ہو جن کی معاشرت انسانی کو ضرورت ہے تو انسان کی عقل سلیم ایسے شخص سے رعایت کرنا اور نرمی سے پیش آنا ہرگز گوارا نہیں کرتی چہ جائیکہ بدکار اور مجرم سے درگذر کرنا کیونکر انسان کی فطرت قبول کر سکتی ہے۔ یہ بالکل بشریت کے خلاف ہے کہ کسی قوم یا فرقہ کے افراد مجرم سے محض اس خیال سے درگذر کریں کہ اُس کی اصلاح ہونے کے بعد ملک کے حق میں وہ ایک نیک طبیعت شہری ثابت ہوگا بلکہ اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ جو سزا اس کو دی گئی ہے وہ اُس کے ابنائے جنس کے واسطے عبرت ثابت ہو اور لوگ اس سے مخوف ہو کر آئندہ اس طرح کے جرم سے باز رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ میں ماہرین فن اُس رائے کو پسند کرتے ہیں جو عقل سلیم پیش کرتی ہے۔ لہٰذا اُن مجرمین کے لئے بھی جو معیار انسانیت سے پست درجہ میں واقع ہوتے ہیں سزائے انسدادی و عبرتناک کا دیا جانا مناسب ہے اور لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کر کے جرائم کا انسداد کرنا بہ نسبت مجرمین کے اخلاق و اطوار کی اصلاح کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

چونکہ اس زمانے میں لوگوں کا رجحان معدلت فوجداری کے اس عنصر کی اہمیت کی طرف ہے جس کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں میں ہراس پیدا کیا جاتا ہے اس لئے سزائے انسدادی و عبرتناک کی ضرورت ہے، بر ایں ہم تعزیر کا جزو اصلاحی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اصل یہ ہے کہ سزا دینے میں اُس کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیئے اور کسی ایک جزو کو زیادہ ترجیح دینا لازم نہیں ہے۔ لیکن اس بات کا بتلانا کہ کن موقعوں پر اور کن مخصوص حالتوں میں خالص سزائے انسدادی کے بجائے دوسری قسم کی سزا پر اکتفا کرنا چاہیئے آسان نہیں ہے البتہ اس امر کا تعلق، موقع و محل اور حالت سے ہے چنانچہ کمسن اور نابالغ مجرم کے حق میں سزائے اصلاحی زیادہ مفید ہوتی ہے کیونکہ اُس میں اصلاح کا مادہ ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے معمر اور

سن رسیدہ آدمیوں کو اس طرح کی سزا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ایسا ہی اُن اقوام اور فرقوں میں جو امن پسند اور تابع قانون ہیں مجرمین کو آسان سزا دینا اور اُس کے ذریعہ سے اُن کے خصائل اور اطوار کی اصلاح کرنا زیادہ مناسب ہے بہ نسبت اس کے کہ فتنہ پسند اور قانون شکن قوموں میں، اگر مجرمین کے ساتھ رعایت کیجائے تو جرائم کی تعداد میں کثرت ہونے کا اندیشہ ہے۔

فصل ۱۳ سزائے انتقامی

اب تک ہم نے معدلت فوجداری کے تین پہلوؤں پر غور کیا ہے یعنے پہلے عبرتناک و انسدادی اور اصلاحی سزاؤں کا تفصیلاً بیان ہو چکا اب ہم اس کے آخری اور چوتھے نظارہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک شائستہ اور مہذب ملک میں اور اُن اقوام میں جن کی قومیت کسی اخلاقی مرض سے نہ بگڑی ہو انتقام کی غرض سے مجرم کو سزا دینا جائز سمجھا جاتا ہے اور سزائے انتقامی کا یہی مفہوم ہے کہ مجرم سے ضرر رسیدہ کا بدلا لیا جائے اس میں شک نہیں کہ خانگی سے انتقام لینے میں نہ صرف متضرر کے قلب مجروح کو تسکین ہوتی ہے بلکہ وہ تمام جماعت یا قوم جس کا ضرر رسیدہ ایک رکن ہے ضرر رساں کے سزایاب ہونے سے بلحاظ ہمدردی خوشحال و خرسند ہوتی ہے۔ ہرچند زمانۂ سلف کے انتقام شخصی (خانگی طور پر انتقام لینے) کا طریقہ باقی نہیں رہا ہے لیکن بشریت کو بدلنا ممکن نہیں اور جن جذبات اور احساسات کی بنا پر اُس زمانہ میں ایک شخص دوسرے سے اپنی ذات سے بدلا لیتا تھا وہی جذبات وغیرہ اب بھی انسان کی طبیعت میں باقی ہیں۔ سلطنت معدلت فوجداری کے ذریعہ سے ضرر رسیدہ کے غم و غصہ اور جذبات پر عمل کرنے کو جائز سمجھتی ہے اور ضرر رساں کو سزا دے کر اس سے ضرر رسیدہ کا انتقام لیتی ہے، حالانکہ معدلت فوجداری کے فرائض ثانوی سے سزائے انتقامی کا تعلق ہے۔ اگرچہ اس طرح کے غم و غصہ اور جذبات انتقامی میں اگر سلطنت اُن کے متعلق انتظام نہ کرے تو بہت سی خرابیاں ہیں لیکن اس پر بھی ان کی وجہ سے ملک کو ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔

ذرا غور کرنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ انتقام لینے کا خیال اور جذبہ ہی قانون تعزیری کا منبع اور سرچشمہ ہے اور نہ صرف ضرر رساں (مجرم) کی سزا یابی بلکہ ضرر رسیدہ کا انتقام لئے جانے کے سبب سے سلطنت کی عدل گستری قوی اور موثر ہوتی ہے۔ اگر صرف بہ تقضائے عقل و ضرورت مجرمین کو سزا دیجائے اور جذبہ انتقام کا پہلو اُس میں شامل نہ ہے تو قانون تعزیری انسداد جرائم و غداری کے لئے زیادہ کارگر حربہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح قانون کو جذبۂ رنج و غضب سے تعلق ہے اُسی طرح اُس کو اخلاق سے نسبت ہے اور چونکہ مجرم کی غداری اور ظلم و زیادتی کے سبب سے تمام قوم کو رنج و الم پہنچتا ہے اس لئے قوم کو اُن جذبات کے اظہار کا موقع دیا جاتا اور انتقام لینے کی آرزو میں اُس کی تائید کرنا مناسب ہے اور شائستہ و مہذب اقوام (حکومتوں) میں اس طرح کی تمنا کو محض سلطنت معدلت فوجداری کے ذریعہ سے موزوں پیرایہ میں پوری کرتی ہے۔ اس امر سے انکار کرنا مشکل ہے کہ فی زمانہ حکومتوں کو انتقام لینے کی طرف اس قدر توجہ نہیں ہے جس قدر کہ ہونی چاہیئے، لوگوں میں اُس کی اُمنگ کم ہو گئی ہے اور اُس کے اُبھارنے کی ضرورت ہے۔ اس زمانہ میں سلطنتوں اور اقوام میں صفت مروت (اپنی غرض پر دوسروں کے اغراض کو ترجیح دینا اور سب کے ساتھ نیکی سے پیش آنا) جو پیدا ہو گئی ہے بلا شک اُس سے بنی نوع انسان کو بے انتہا فائدہ پہنچتا ہے لیکن بعض صورتوں میں اس نیکی کا الٹا اثر ہوتا ہے اور اُس کی وجہ سے دوسری نیکیوں پر جو سختی اور تکلیف پر مبنی ہیں اور جن کی زیادہ ضرورت ہے عمل کرنا موقوف ہو گیا ہے۔ خلق نے اس بات کو فراموش کر دیا ہے کہ خطا کار کو سزا دینا انصاف کا مقتضا ہے، مجرم اپنے کردار کا صلہ پاتا ہے، اس لئے مجرم کی واجبی سزا یابی سے دوسروں کو مسرت ہوتی ہے نہ کہ اس پر رحم آتا ہے[۱]۔

---

[۱] ڈیو جانس لیولیطاس لکھتا ہے کہ جب لوگوں نے سولن سے دریافت کیا ہے کہ انسان کو

اگرچہ سزائے انتقامی پر جس کی فقرۂ بالا میں بالتفصیل توجیہہ کی گئی ہے کُل کا اتفاق نہیں ہے لیکن اُس کی تائید میں کثرت آرا فرد رہے اور اکثر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ قطع نظر اُن انسدادی اور اصلاحی اثرات کے جو اس کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ از روئے عقل و ایمان اس سزا کا دینا جائز ہے اور اسی کے ذریعہ سے ظلم و ناانصافی کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اس خیال کے مطابق اس کے نتائج بعیدہ سے قطع نظر کرکے بدی کے بدلہ کو بدی سمجھنا بالکل جائز و صحیح ہے اور جس طرح ایک شخص دوسرے کے ساتھ پیش آتا ہے اُسی طرح دوسرے کو بھی اُس کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ چنانچہ آنکھ کا بدلہ آنکھ اور دانت کا بدلہ دانت انصاف قدرت کا ایک صاف سیدھا قاعدہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب مجرم کو بدلہ لینے کی غرض سے سزا دیجاتی ہے تو اس کا مقصد تمام رعایا برایا کو فائدہ پہنچانا نہیں بلکہ خود غرضانہ ہو جاتا ہے لیکن ان دلاں حکومتوں نے انتقام لینے کے جزو کو اُس کے عوض کسی دوسرے عنصر کو قرار دینے کے بغیر سزا سے بالکل خارج کر دیا ہے۔ جو لوگ اس خیال کے معتقد ہیں وہ عموماً سزا کے اجزاء میں انتقام کے عنصر کو سب سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور اُن کے نزدیک دیگر عناصر سزا کی اس قدر وقعت اور ضرورت نہیں ہے۔

ابھی تک عوام کی نظروں میں بھی انصاف انتقامی کی وقعت باقی ہے۔ ان کے سوا تعلیم مذہبی کے علما و مصنفین اور حکما کے خیالات پر بھی اُس کا رنگ جما ہوا ہے۔ چنانچہ کینٹ کی رائے میں لوگوں کا خیال کہ سزا کے ذریعہ سے مجرم اور ملک کے حق میں فائدہ پہنچتا ہے صحیح نہیں ہے بلکہ سزا کا دینا صرف ایک وجہ سے جائز ہو سکتا ہے وہ یہ کہ سزا بھگتنے والے نے دوسرے سے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:۔ ظلم و ناانصافی سے روکنے کی سب سے بہتر کیا تدبیر ہو سکتی ہے تو اُس کے جواب میں سولن نے کہا کہ "جن لوگوں کو ضرر نہیں پہنچتا ہے وہ لوگ بھی ضرر رسیدہ کے نقصان سے اسی طرح خشمناک اور رنجیدہ ہوں جیسا کہ وہ اپنے ضرر و نقصان سے غضبناک اور اندوہگیں ہوتے ہیں"۔

برائی کی ہے[1]۔ چنانچہ اس رائے کے مطابق انسداد جرائم کی غرض سے وہ سزا کی مقدار نہیں مقرر کرتا ہے اور نہ اُس کے متعلق اپنے اعلیٰ خیالات کا اظہار کرتا ہے بلکہ اس کے نزدیک سزا دہی کی بنا معمولی اصول قانون انتقام ہے۔ "مجرم کو سزا بھگتتے ہوئے دیکھ کر (مجرم کے حال پر) تجھکو رحم نکرنا چاہیئے بلکہ جان کے عوض جان جائے گی اور آنکھ کے عوض آنکھ اور دانت کے عوض دانت ہاتھ کے عوض ہاتھ اور پاؤں کے عوض پاؤں جائے گا[2]" اگرچہ اس طرح کے اصول کی لفظاً تاویل کرنا ممکن نہیں اور اس کو ایک قسم کا استعارہ اور تشبیہ سمجھنا چاہیئے لیکن کینٹ کی رائے میں مثالی انصاف فوجداری کی اسکیم کا یہ لب لباب ہے۔

ہم نے فقرات بالا میں سزائے انتقامی کی نسبت اپنی بحث کو صفت مروت اور رفاہِ عام پر مبنی کیا ہے اور اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ جب سزا کے ذریعہ سے عوام کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے تو مجرم سے انتقام لینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ سزا بذات خود ایک قسم کی بدی ہے اور جب تک بدی کے ذریعہ سے بہتر درجہ کی نیکی (یا فائدہ) حاصل نہو بدی کا اختیار کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ جرم کے ذریعہ سے جو بدی ضرر رسیدہ کو پہنچتی ہے اُس کا علاج انتقام نہیں ہے بلکہ اُس کے ذریعہ سے جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔ بہرحال یہ رائے اُس رائے کے خلاف ہے جو اس کے پہلے بیان کی گئی ہے اور جس کے متعلق لوگوں کی کثرت آرا ہے۔ لیکن ہم اس دوسری رائے کو صائب نہیں سمجھتے بلکہ فریق مخالف کی انتقام کے متعلق یہ ایک خام خیالی ہے اور سزا دینے کا جو اصول دنیا میں قرار دیا گیا ہے اُس کو ان لوگوں نے بخوبی نہیں سمجھا ہے۔ اگر اس معاملہ میں ان لوگوں کا فہم قصور نکرتا تو وہ انتقام لینے کے جذبہ اور صحیح اصول کو جس طرح سے چاہیئے تھا سمجھ سکتے۔

[1] Kant's Rechslehre (Hastie's trans. P. 195) see also Fry, Studies by the way (The Theory of Punishment), pp. 43 - 71

[2] Denteronomy, XIX. 21.

مجرم سے انتقام لینے کی جو ضرورت اور وجہ معقول ہے اس کو اُن لوگوں نے محسوس نہیں کیا ہے۔ جو شخص اس اصول اور ضرورت کو صحیح طور پر محسوس کرتا ہے اُس کے نزدیک انتقام لینا ہی معدلت فوجداری کی اصلی غرض ہے اور منجملہ دیگر عناصر کے انصاف تعزیری کا یہ عنصر اعظم ہے۔

جس خیال سے کہ سزائے انتقامی دیجاتی ہے اس کی ایک صحیح مثال توبہ کرنا اور گناہ کا کفارہ ہے۔ اس خیال کے مطابق گنہگار کے توبہ کرنے سے اُس کا گناہ یا جرم مٹ جاتا اور دھویا جاتا ہے۔ سزا کے بھگتنے سے وہ شخص جس کی نیت ادائے دین کی نہ تھی گویا اپنے ذمہ کا قرضہ قانون کو ادا کرتا ہے اور اس بنا پر جرم اور سزا دونوں مل کر ہیجرمی کے مساوی ہوتے ہیں (یعنے مجرم سزا پانے کے بعد جرم کی آلائش سے بری ہوتا ہے) چنانچہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ چونکہ "مجرم ارتکاب جرم سے قانون حقوق کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اس کے سبب سے اپنے ذمہ قرضہ کا بار لیتا ہے اس لئے اس کو ادائی دین اور گناہ کے واسطے کفارہ دینے پر مجبور کرنا انصاف کا مقتضا ہے ...... سزا کی یہی سب سے پہلی غرض ہے یعنے قانون کی برہم شدہ طبیعت میں سکون پیدا کرنا"۔ اس مقولہ سے بھی جیسا کہ سابق کے قول سے پایا جاتا ہے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ انتقام نے معدلت فوجداری کی شکل اختیار کر لی ہے اور جب تک اس قلب ہیئت کی تکمیل نہ ہوگی سزا کے ذریعہ سے ضرر رسیدہ کے ضرر کی جو تلافی کیجاتی ہے وہ کم و بیش دادرسی سمجھی جائے گی۔ چونکہ سزائے جرم کی ایسے قرضہ کی سی کیفیت ہے جس کا دائن مجرم اور مدیون ضرر رسیدہ سمجھے جاتے ہیں اور جب مجرم سزا بھگتتا ہے تو گویا وہ ضرر رسیدہ کو قرض ادا کر دیتا ہے، اُس کی ذمہ داری قرضہ باقی نہیں رہتی ہے یعنے اس کی بیگناہی قائم ہو جاتی ہے اور جس تمسک کی نسبت اس نے جعل کیا تھا وہ باطل قرار پاتا ہے۔ ارتکاب جرم کے پہلے جو حالت ضرر رساں اور ضرر رسیدہ کی تھی

لہ illey, R'ght and Wrong, P. 128

اُس پر ان کو واپس لانا صحیح دادرسی کی غرض اصلی ہے - یہی نہیں بلکہ نا انصافی کی جگہ انصاف کرنا اور ضرر رساں کو مجبور کرکے اس سے ضرر رسیدہ کا مال یا کوئی شئے جو ناجائز طور پر لے لی گئی ہو اُس کو واپس کرانا بھی اغراض معدلت فوجداری میں داخل ہے - اگرچہ سزا اور انتقام میں کسی قسم کا فرق ہونا چاہیئے لیکن لوگ ابھی تک ان دونوں میں خفیف سا نامکمل اختلاف سمجھتے ہیں اس لئے جو مقاصد و اغراض معدلت فوجداری کے ہیں وہی سزا کے بھی ہیں کیونکہ سزا بھی ایک قسم کا بدلہ ہے جو مجرم سے بپاداش جرم لیا جاتا ہے - کفّارہ کے نظریہ کے مطابق جو خیال ہے وہ یہ ہے کہ انتقام لینے یعنے سزا کے دینے سے قانون کی ذات کو بوجہ جرم جو صدمہ پہنچتا ہے اُس کی تلافی ہوتی ہے اور اس سے قلب ضرر رسیدہ کی تسکین مقصود نہیں ہے' اس کو ہم قدیم خیال کی ترقی اور صفائی سمجھتے ہیں -

فصل ۳۲ معدلت دیوانی اصلی و مکافاتی حقوق

اس فصل میں معدلت دیوانی اور اس کے اقسام کے متعلق بحث کرنا مقصود ہے - ہم نے سابق میں بیان کیا ہے کہ معدلت دیوانی کے اغراض و فرائض معدلت فوجداری سے جداگانہ ہیں - پہلی طرز کی معدلت سے حقوق کی تعمیل کیجاتی ہے اور دوسری طرز کی معدلت جرائم کی سزا دہی پر مبنی ہے - لیکن اس مقام پر معدلت دیوانی کے چند خصوصیات کا ذکر کرنا ہمارا مقصد ہے اور اس لئے ہم حق کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں' اصلی اور مکافاتی - ایک حق کی پامالی سے جو دوسرا حق پیدا ہوتا ہے وہ حق مکافاتی ہے' اس کے سوا جس قدر حقوق ہیں وہ تمام حقوق اصلی ہیں یعنے حق مکافاتی کا ماخذ جرم یا ضرر ہے مثلاً مجھکو حق حاصل ہے کہ کوئی شخص میری ازالۂ حیثیت عرفی نہ کرے یا مجھ پر حملۂ مجرمانہ نہ کرنے پائے - یہ میرا حق اصلی ہے لیکن اُس شخص سے جس نے میرا ازالۂ حیثیت عرفی کیا ہے یا جس نے مجھ پر حملۂ مجرمانہ کیا ہے تاوان پانے کا جو حق مجھکو حاصل ہوتا ہے وہ مکافاتی ہے - بصورت معاہدہ جو حق

مجھکو اُس کی تعمیل کرانے کا حاصل ہے وہ اصلی ہے لیکن دوسرے فریق کی جانب سے خلاف ورزی معاہدہ کی صورت میں ہرجہ پانے کا حق جو مجھکو ملتا ہے وہ مکافاتی ہے۔

بناءً علیہ دیوانی طرز کی عدل گستری بھی بلحاظ تقسیم حقوق دو قسم کی ہے۔ بعض صورتوں میں حق اصلی کی تعمیل کرانی قانون سے ممکن نہیں ہوتی اور بعض موقعوں پر اس طرح کے حق کو نافذ کرانا مناسب نہیں خیال کیا جاتا مثلاً اگر میری غفلت کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کی جائداد تلف ہو جائے تو اس میں شک نہیں کہ اس کا حق مٹ گیا لیکن اُس حق کو نافذ کرانا ممکن نہیں اس لئے قانون یہ پہلے حق کے بجائے ایک دوسرا مکافاتی اور جدید حق اس شخص کو دیتا ہے کہ وہ اپنی تلف شدہ جائداد کی مالیت کے برابر رقم تاوان مجھ سے وصول کرے۔ اگر اس کے برخلاف میں کسی عورت سے شادی کرنے کا معاہدہ کروں اور بعد ازاں مجھ سے عہد شکنی ہو جائے تو قانون مجھکو شادی کرنے کے لئے مجبور کر سکتا اور اس طرح فریق ثانی کے حق اصلی کی تعمیل کرانی ممکن ہے لیکن اس شکل میں حق کی تعمیل مختص کرانا قانوناً مناسب نہیں خیال کیا جاتا اس لئے قانون فریق مقابل کو مجھ سے تاوان رقمی لینے کا مکافاتی حق عطا کرتا ہے۔ چونکہ عموماً ضرر رسیدہ کے ادعائے تاوان پر حق مکافاتی کی بنا ہے اس لئے ہم اس حق کی دوسری قسموں کو چنداں ضروری نہیں سمجھتے اور نہ ان کا اس کتاب میں ذکر کیا جائے گا کیونکہ حق مکافاتی کی دیگر اشکال مخصوص حالات میں پیدا ہوتی ہیں۔

حق اصلی کی تعمیل و نفاذ کا نام ہم بلحاظ سہولت تعمیل مختص تجویز کرتے ہیں اور اگرچہ حق مکافاتی کی تعمیل کے لئے کسی عام اور موزوں اصطلاح کا قائم کرنا دشوار ہے لیکن اس کے لئے ہم تعمیل مکافاتی قرار دیتے ہیں اور یہی مناسب ہے۔

چنانچہ ادائی دین کے لئے یا تعمیل معاہدہ کے واسطے یا ناجائز طور پر قبضہ کرنے کی صورت میں زمین پر سے قبضہ اُٹھانے کے لئے یا اگر مدعی سے مدعیٰ علیہ نے خلاف قانون مال منقولہ لیا ہے تو اس کی واپسی کے لئے مدعی علیہ کا

مجبور کیا جانا اسی طرح مداخلت بیجا اور امر باعث تکلیف کے ارتکاب سے یا اُس کا ارتکاب جاری رکھنے سے یا جس روپیہ کو مدعیٰ علیہ نے غلطی یا فریب سے حاصل کیا ہے اس کو مدعی کو واپس دینے کے لئے عدالت کا مدعیٰ علیہ کو مجبور کرنا تعمیل مختص کی تمثیلات ہیں۔ ان تمام مثالوں میں جس حق کی تعمیل کرائی جاتی ہے وہ حق اصلی ہے نہ کہ ایسا حق مکافاتی ہے جو حق اصلی کی پامالی کے سبب سے ضرر رسیدہ کو حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم کے معاملات میں قانون اس کے سوا کچھ اور نہیں کرتا کہ جو حالت فریقین کی پامالیٔ حق کے پہلے تھی اُسی کو بمقتضائے انصاف ازسرنو قائم کردے اور کسی جدید کیفیت کا پیدا کرنا یا حقوق تلف شدہ کے معاوضہ میں جدید حقوق کا عطا کرنا ایسے معاملات میں جن کا ان تمثیلات میں ذکر کیا گیا ہے قانون کا منشا نہیں ہے۔

جس غرض سے قانون لوگوں کو حقوق مکافاتی عطا کرتا ہے اُس لحاظ سے ان حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ان میں ایک غرض بسبب مدعیٰ علیہ کے ضرر پہنچانے کے اُس پر تاوان (یا سزا) کا عائد کرنا ہے اور (۲) چونکہ مدعیٰ علیہ کے ضرر و نقصان پہنچانے سے مدعی کو ہرجہ پانے کا حق حاصل ہوتا ہے اس لئے قانون کی دوسری غرض مدعی کو رقمی معاوضہ یا تاوان کا دلانا ہے۔ لہذا حقوق مکافاتی ایک تو ایسے حقوق ہیں جن کے ذریعہ سے تاوان وصول کیا جاتا ہے یا بطور سزا ضرر رساں سے روپئے لئے جاتے ہیں اور دوسرے ایسے حقوق ہیں جن کے ذریعہ سے ہرجہ یا تاوان مدعیٰ علیہ سے وصول کیا جاتا ہے۔

اس زمانہ کے انگریزی قانون میں پہلی قسم کے حقوق کا رواج باقی نہیں رہا ہے لیکن کسی زمانہ میں انگلستان اور دوسرے ملکوں کے قوانین میں ان پر کثرت سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس پر بھی کبھی کبھی قانون ایسے حق مکافاتی کو تسلیم کرتا اور اس کی تعمیل کراتا ہے جس میں ضرر رسیدہ کو نفع پہنچانے کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ اس حق کے عطا کرنے کی غرض محض خطاکار کو سزا دینی ہوتی ہے۔ مثلاً بعض اسٹاچوٹ (قانون موضوعہ) میں مخبر کو معاوضہ دیئے جانے کی نسبت چند شرائط بیان کئے جاتے ہیں جن کی غرض اس کے سوا

کچھ اور نہیں ہوتی کہ جو شخص سب سے پہلے قانون مذکور کی خلاف ورزی کرنیوالے کے متعلق حکومت ملک کو اطلاع کرتا ہے یعنے جو شخص سب سے پہلے خاطی کے مقابلہ میں مدعی بنکر کھڑا ہوتا ہے وہ رقم تاوان پانے کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کا دعویٰ نالش تاوانی کہلاتا ہے اور تاوان وصول کرنے کی غرض سے اس قسم کا مقدمہ دائر کیا جاتا ہے بر ایں ہمہ یہ ایک دیوانی مقدمہ ہے اور کسی طرح یہ فوجداری کارروائی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک قسم کے حق کی تعمیل کے لئے نہ کہ کسی مجرم کو سزا دلانے کی غرض سے دائر کیا جاتا ہے لہذا معدلت دیوانی سے اس کا تعلق ہے اس میں اور ایک معمولی قرضہ دلا پانے کے دعویٰ میں کسی طرح کا فرق نہیں ہوسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے حق کے عطا کرنے سے قانون کی غرض سزا دہی ہے لیکن محض اس وجہ سے اس طرح کے دعوے پر نہ معدلت فوجداری کا اطلاق ہوسکتا ہے اور نہ اس کا فوجداری مقدمات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جب تک کسی نالش کے ذریعہ سے کسی کو سزا دلانا مقصود نہو اُس کو دعویٰ فوجداری کہنا درست نہیں ہے اور جو حق سزا دہی کی غرض سے عطا کیا جاتا ہے اُس کی بذریعۂ دعویٰ تعمیل کرائی جاتی ہے لیکن دعویٰ کو مقدمۂ فوجداری بنانے کے لئے حق کا اس غرض سے عطا کیا جانا کافی نہیں ہے۔ جو کارروائی کسی حق کی تعمیل کے لئے کیجاتی ہے اس کا عدالت دیوانی سے تعلق ہوتا ہے اور نوعیت کارروائی کے واسطے ماخذ، حقیقت اور غرض حق کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔[1]

[1] اس امر سے واقف ہونا ضرور ہے کہ بعض صورتوں میں اگرچہ ضرر رسیدہ کو تاوان ملتا ہے لیکن دعوے کی نوعیت بالکل تاوانی ہوتی ہے۔ اس طرح کے مقدموں میں تصور کیا جاتا ہے کہ جو رقم بطور تاوان مدعی کو دیجاتی ہے وہ حقیقت میں اس کے ضرر اور نقصان کا معاوضہ نہیں ہے چنانچہ قانون روما میں اس کی ایک نہایت عمدہ مثال سرقہ کی نالش ہے جس کے ذریعہ سے مالک مال مسروقہ سارق پر دعویٰ کرکے مال مسروقہ سے دوچند مالیت

حق مکافاتی کی دوسری قسم جس کی بنا پر معاوضہ یا ہرجہ پانے کا دعوی کیا جاتا ہے زمانہ حال کے قانون کی رو سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے یہ ایک کلیہ ہے کہ جس شخص کا حق تلف ہوتا ہے اُس کو ایک دوسرا حق مکافاتی حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے ضرر و نقصان کا معاوضہ پا سکتا ہے اس معاوضہ کی بھی دو قسمیں ہیں واپسی مال یا جائداد تلف شدہ اور دادرسی تاوانی۔ ضرر رسیدہ کے لحاظ سے یہ دونوں قسم کے معاوضات ایک سمجھے جاتے ہیں لیکن ضرر رساں کے نظر کرتے ان کو مختلف سمجھنا چاہیئے چنانچہ بصورت واپسی (و تلافی) اُس نفع کے معاوضہ میں مدعی علیہ جو اُس نے ناجائز طور سے مدعی کو نقصان پہنچا کر اُٹھایا ہے بمناسبت نفع روپیہ ادا کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے مثلاً جو شخص ناجائز طور پر دوسرے شخص کا مال لے لیتا ہے یا روک رکھتا ہے اس کو مجبوراً اُن کی قیمت اس کے مالک کو ادا کرنی پڑتی ہے یا جب کوئی شخص دوسرے کے روپیہ سے ناجائز طور پر فائدہ اُٹھاتا ہے عدالت اُس کو اس روپیہ کے متعلق اُس کے مالک کو حساب سمجھانے کے لئے مجبور کرتی ہے۔

اس کے برعکس بلحاظ چارۂ کار قانونی لوگ دادرسی تاوانی کو محض واپسی (مال و جائداد) اور تلافی حقوق سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں کیونکہ قانون شاذونادر ہی ضرر رساں کو اپنے کل فوائد اور منافع کے واپس کرنے کے لئے جن کو اُس نے دوسرے کو ضرر پہنچا کر حاصل کیا ہے مجبور کرتا ہے بلکہ عموماً مدعی کے نقصان کی مالیت ادا کرنے کے واسطے وہ قانوناً مجبور کیا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں ضرر رساں کو نفع سے زیادہ روپیہ نقصان کی تلافی میں دینا پڑتا ہے لہذا ایسی حالت میں معاوضہ کی دو قسمیں متصور ہوتی ہیں یعنے معاوضہ تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن اُس کا اثر دو طرح سے پڑتا ہے۔ اس بنا پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ بطور تاوان وصول کرتا تھا اور اس کے علاوہ اس کو ایک درنالش کے ذریعے سارق سے مال مسروقہ واپس پانے کا یا اُس کی قیمت دلا پانے کا حق حاصل تھا۔

جو رقم مدعی کو ملتی ہے وہ سوائے معاوضہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتی اور مدعی علیہ کے نصب العین سے یہ روپیہ معاوضہ نہیں بلکہ اُس ضرر کا تاوان سمجھے جاتے ہیں جو اُس نے مدعی کو پہنچایا ہے۔ چونکہ اس طرح کی بعض شکلوں میں قانون مدعی کے معاوضہ کو مدعی علیہ کی سزا کا آلہ قرار دیتا ہے اس لئے ہم نے معاوضہ کا نام اس کی دُہری خاصیت کے سبب سے دادرسی تاوانی رکھا ہے۔ مثلاً اگر میری غفلت سے میرے پڑوسی کا مکان جل جائے تو مجھکو اُس کی قیمت ادا کرنا لازم ہے قیمت کی ادائی سے جو ضرر میرے پڑوسی کو پہنچا ہے اس کی تلافی ہو جاتی ہے اور جس طرح ضرر پہنچنے کے پہلے اس کی حالت تھی وہ اسی حالت پر پہنچ جاتا ہے گویا اس کو کسی قسم کا ضرر ہی نہیں پہنچا تھا لیکن میرے مقابلہ میں اور میرے لحاظ سے مکان کی قیمت ادا کرنے کے بعد بھی تلافی نہیں ہو سکتی کیونکہ مکان کی قیمت ادا کرنے سے میری دولت یا مالی حالت میں کمی ہوتی ہے اور اس مالی نقصان کی حد تک مجھکو اپنی غفلت کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

فصل ۱۳ جدول چارۂ کار قانونی

دیوانی اور فوجداری عدالت کے جن مختلف اقسام سے اس کے پہلے بحث کی گئی اُن کو بنظر سہولت ذیل کے جدول میں درج کیا جاتا ہے۔

- قانونی کارروائیاں
  - دیوانی - تعمیل حقوق
    - تعمیل مختص - تعمیل حق اصلی مثلاً ادائی دین یا جو مال یا جائداد روک لی گئی ہو اُس کی واپسی ۱-
    - تعمیل مکافاتی - تعمیل حق مکافاتی
      - معاوضہ
        - واپسی نفع جو ناجائز طور پر کمایا گیا ہو اُس کی واپسی یا اُس کے بجائے برابری تاوانی تعزیری دادرسی ۲
        - ناجائز طور پر جو نقصان دوسرے کو پہنچایا جاتا ہے اُس کے لئے تاوان ادا کرنا ۳
      - تاوان دہ مثلاً قانونی تاوان حاصل کرنیکے لئے مخبر کا دعویٰ کرنا ۴
  - فوجداری - افعال ناجائز (جرائم) کیواسطے سزا دینا مثلاً سرقہ کیلئے سزائے قید کا تجویز کرنا ۵-

فصل ۱۳۔ تاوان اور مختلف چارہ کار حاصل کرنیکی کاروائیاں

سابق کی جدول میں عدالتی کارروائیوں کی جو پانچ قسمیں بتلائی گئی ہیں ان کے مطابق مقدمات کی حسب ذیل نوعیت ہوسکتی ہے یعنے (۱) مقدمات متعلق تعمیل مختص (۲) مقدمات متعلق واپسی مال وجائداد (۳) مقدمات متعلق دادرسی تاوان (۴) مقدمات تاوان (۵) استغاثات فوجداری۔ اِس مقام پر اس امر کا ظاہر کردینا مناسب ہے کہ آخر کے تین قسم کے مقدمات کی ایک سی نوعیت ہے اور ان تینوں میں ایک شئے جزو مشترک ہے یعنے خیال سزادہی۔ اس طرح کی کارروائی کے ذریعہ سے قانون کی خاص اور آخری غرض مدعی علیہ کو سزا دینا ہوتی ہے۔ اگرچہ سزا کی صورتیں مختلف ہیں لیکن آلِ کار ایک ہے۔ خواہ مدعی علیہ قید کیا جائے، خواہ وہ تاوان ادا کرنے کے لئے اُس کو مجبور کیا جائے یا ضرر رسیدہ کو ہرجہ دینے کے لئے ذمہ دار قرار دیا جائے لیکن قانون کا وہی ایک مقصد ہے یعنے اس کو سزا دینا۔ اس لئے ایسے تمام مقدمات کو ایک عام نام کی کارروائی تعزیری سے موسوم کیا جاتا ہے اور مدعی علیہ کی ہر ایک قسم کی فوجداری ذمہ داری اُسی کے ذریعہ سے قائم کیجاتی ہے۔ مقدمات کی پہلی دو قسموں میں اس طرح کی تعزیری ذمہ داری نہیں پائی جاتی۔ اُن پر لفظ دادرسی کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعہ سے مدعی کی چارہ سازی کی جاتی ہے۔ نظریہ قانون کے لحاظ سے جو فرق دیوانی اور فوجداری کارروائیوں میں ہے اس سے کہیں زیادہ اہم اختلاف اُن دو قسموں کی کارروائیوں میں ہے جو حصول تاوان و دادرسی کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔ یہ بات غور طلب ہے کہ تمام فوجداری کارروائیاں (مقدمات) تاوانی ہیں لیکن اُس کی ضد او رعکس صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ دیوانی مقدمات کی صرف دو قسمیں ہیں۔ ایک نوع کی نالشات وہ ہیں جو بغرض حصول تاوان وہرجہ دائر کیجاتی ہیں اور دوسری قسم کے دعوے کا مقصد قانون سے چارہ کار طلب کرنا ہے۔

چونکہ ہم نے سزا کو مواخذہ تاوانی و تعزیری کا اصل عنصر بتلایا ہے

اس لئے ہماری اس توجیہہ پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ سزا کو اس قسم کی کارروائیوں کا جزو اصلی مانتے ہیں جو فرق اس قسم کے مقدمات میں ہے وہ باقی نہیں رہتا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ قانون کی غرض بعیدہ اور قریبہ میں فرق کرنا چاہیئے نہ کہ مدعی علیہ کی ذمہ داری کے اختلاف کی بنا پر مقدمات کی نوعیت قائم کی جائے۔ چنانچہ مقدمات کی غرض قریبہ و فوری کے نظر کرتے ان کو دیوانی اور فوجداری کارروائیوں سے موسوم کیا جاتا ہے اور پورے مقصد کے لحاظ سے جس میں اغراض بعیدہ و قریبہ دونوں شامل ہیں اُن کو نالشات تعزیری اور چارۂ کار قانونی کہنا درست ہے۔ خطا کار کو سزا دینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اُس پر ایک جدید فرض عائد کر کے اس سے اس کی تعمیل کرائی جائے یا یہ کہ کسی تاوان یا ہرجہ کی ادائی کے لئے وہ مجبور کیا جائے۔ بہرحال اس طرز کی کارروائی میں قانون کا مقصد قریب و اصلی تاوان یا ہرجہ پانے کے حق کی تعمیل کرانا ہے لیکن قانون کی غرض بعید و آخری اُس جرم کی نسبت مجرم کو سزا دینا ہے جس کی وجہ سے حق تاوان یا ہرجہ پیدا ہوتا ہے لہٰذا مقصد اول کے لحاظ سے یہ فوجداری نہیں بلکہ دیوانی کارروائیاں ہیں اور مقصد ثانی کے نظر کرتے ان کو چارہ کار قانونی نہیں بلکہ مقدمات تعزیری سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے کل ایسی کارروائیاں جن میں قانون کا منشا خواہ وہ اصلی ہو کہ ضمنی یا اُس کی غرض بعید ہو کہ قریب مدعی علیہ کو سزا دینا ہے تعزیری ہیں۔ ان کے سوائے باقی دوسرے مقدمات کا "دادرسی یا چارۂ کار قانونی" میں شمار کیا جاتا ہے، ان کے ذریعہ سے مدعی کے حقوق کی تعمیل کرائی جاتی ہے اور اُن کو سزا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

فصل ۲۵ عدالتوں کے فرائض قانونی

اب تک ہم نے جہاں کہیں لفظ عدل گستری استعمال کیا ہے اس سے ہماری مراد اس کے سب سے تنگ اور صحیح مفہوم سے ہے چنانچہ اس مفہوم کی بنا پر جب حکومت قواعد و اصول انصاف کے منوانے میں جبر استعمال کرتی ہے

اُسی کا نام عدل گستری ہے۔ جس کے ذریعہ سے حقوق رعایا کی حفاظت اور جرائم کا انسداد کیا جاتا ہے۔ عدل گستری کے صحیح معنوں کے لحاظ سے ہر ایک مقدمہ کے فریقین کو مدعی اور مدعی علیہ کہتے ہیں۔ پہلا شخص کسی حق کی بابت دوسرے شخص پر دعویٰ کرتا ہے یا کسی جرم کی نسبت دوسرے کے مقابلہ میں استغاثہ پیش کرتا ہے اور پہلے یا دوسرے شخص کے حق میں جیسی صورت ہو عدالت فیصلہ صادر کرتی ہے اور بشکل ضرورت سلطنت اپنی قوت اور جبر سے اُس کی تعمیل کراتی ہے۔ اگرچہ عدل گستری کا صحیح اور اصلی مفہوم یہی ہے اور عدالتوں کے فرائض اصلی اسی قدر ہیں لیکن ان کے سوائے عدالتیں دوسرے امور کو بھی انجام دیتی ہیں اور ان پر بھی الفاظ عدل گستری کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سلطنت محض اغراض معدلت کی تکمیل کے لئے عدالتوں کو قائم کرتی ہے اور اُن کا فرض منصبی محض عدل و انصاف کرنا ہے لیکن جب ایک مرتبہ عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں تو بلحاظ دستور و ضابطۂ عدالت اور اختیارات اور نظماء کے علم و فضل کی بنا پر ان سے ایسے امور کو انجام دلوانا مناسب معلوم ہوتا ہے جو فرائض معدلت کے مشابہ ہیں۔ بہرحال عدالتوں کے ابتدائی اور اصلی فرائض کے سوائے ان کے مجازی اور قانونی فرائض پر بھی لفظ عدل گستری کا اطلاق کرنا رائج ہو گیا ہے۔ اس طرح کے متفرق اور غیر معین بے شمار کاموں کو اندنوں عدالتیں انجام دیتی ہیں اور جس طرح تہذیب و تمدن میں ترقی ہو رہی ہے اور شائستہ سلطنتوں کے کاروبار میں پیچیدگیاں واقع ہوتی جاتی ہیں اسی طرح عدالتوں کے ان ذیلی اور ضمنی فرائض میں بھی کثرت ہو رہی ہے " ان کارروائیوں کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں :۔

(۱) مقدمات رعایا بمقابلۂ سرکار (عرائض حقوق) جو دعوی رعایا کی جانب سے بمقابلۂ سرکار پیش ہوتے ہیں ان کا تصفیہ کرنا عدالتوں کا کام ہے۔ مثلاً تاج برطانیہ کے ذمہ کسی رعیت کے قرضہ کی ادائی ہو یا اس نے کسی رعیت سے معاہدہ کر کے خلاف ورزی کی ہو یا رعایا میں سے کسی کا مال

یا جائداد کو ناجائز طور پر روک رکھا ہو تو اُس رعیت کو عرضی حق کے ذریعہ سے عدالت میں تاج پر دعویٰ کرکے اپنے حق متعلقہ کو تصفیہ کرانے کی آزادی حاصل ہے۔ اگرچہ درخواست تاج کے نام سے موسوم ہوتی ہے لیکن حکومت برطانیہ غور اور تصفیہ کی غرض سے اُس کو عدالت کے سپرد کرتی ہے اور عدالت اسطرح کے عرائض کا بپابندی قانون وضابطہ تحقیق کرکے درخواست گذار یا تاج کے حق میں جیسی کہ صورت ہو فیصلہ صادر کرتی ہے۔ اس قسم کے مقدمات اور رعایا کے ان مقدمات میں جن کے ذریعہ سے شخصی یا غیر سرکاری حقوق کا تصفیہ کیا جاتا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک ہی ضابطہ اور ایک ہی قانون سے مقدمات مابین رعایا وحکومت تصفیہ پاتے ہیں۔ اس پر بھی عدل گستری کے صحیح اور تنگ مفہوم کے لحاظ سے اس قسم کے فیصلہ جات کو عدل گستری کہنا درست نہیں ہے کیونکہ معدلت کا عنصر اصلی یعنے جبر سلطنت کی اس میں کمی ہے۔ چونکہ سلطنت اپنے معاملہ کا آپ تصفیہ کرتی ہے اس لئے وہ اپنے پر آپ جبر نہیں کرسکتی۔ بر ایں ہم عرضی حق یعنے دعویٰ رعیت بنام سرکار پر وسیع مفہوم کے لحاظ سے عدل گستری کا اُسی طرح اطلاق کیا جاتا ہے جس طرح استغاثہ فوجداری یا کسی دین یا ہرجہ کے مقدمات پر جو مابین رعایا دائر ہوتے ہیں اُس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(۲) استقرار حق۔ عدالتیں معدلت صحیحہ کے سوائے جو دوسری کارروائیاں کرتی ہیں اُن کی ایک قسم استقرار حق ہے حالانکہ جو فیصلہ استقرار حق کے دعویٰ کے متعلق صادر کیا جاتا ہے اُس کی جبراً تعمیل نہیں کرائی جاتی۔ بعض صورتوں میں مدعی کو عدالت سے اپنے حق کے استقرار کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ درخواست گذار حق تلفی حق کی بنا پر امداد عدالت کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اپنے حق کی نسبت عدالت سے مزید اطمینان اور تیقن کرانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے دشمن کے مقابلہ میں دادرسی کی خواہش نہیں کرتا بلکہ اس کی استدعا ہوتی ہے کہ عدالت اُس کے مشکوک اور پوشیدہ حق کی نسبت اپنی رائے کا اظہار کرکے اُس کو مستند اور قوی بنادے۔

اس میں شک نہیں کہ استقرار حق کا فیصلہ تعمیل حق کی کارروائی میں بکار آمد ہوتا ہے خصوصاً جبکہ درخواست گذار یعنے ڈگری دار کے حق زیر بحث کی پامالی ہوئی ہو لیکن جو فیصلہ استقرار حق کی بابت صادر ہوتا ہے اس کے تعمیل کی درخواست نہیں کیجاتی۔ استقرار نسب، استقرار فسخ نکاح، امنا اور اوصیا کے اختیارات و فرائض قانونی کی نسبت جو ہدایتیں عدالتیں کرتی ہیں یا اوصیا کے متعلق جو تاویلات عدالتوں کی جانب سے کیجاتی ہیں وہ دعویٰ استقرار حق کی مثالیں ہیں۔

(۳) اہتمام ترکہ۔ عدالتوں کے فرائض ضمنی کی ایک تیسری قسم وہ ہے جن کے ذریعہ سے عدالتیں اہل ملک کی جائداد کا انتظام اور تقسیم اپنے ذمہ لیتی ہیں۔ مثلاً کسی امانت کا اہتمام کرنا یا کسی کمپنی کی ہستی کو مٹانے کی غرض سے اُس کے حسابات کا تصفیہ کرنا اور اُس کے قرضہ کی ادائی کے لئے اس کے منتشر اثاثہ کو یکجا کرنا یا کسی دیوالیہ کی جائداد پر قبضہ کرکے اور اس کی مالیت قرار دے کر اُس کے قرضخواہوں میں اس جائداد کو تقسیم کرنا عدالت کے اس قسم کے فرائض میں داخل ہے۔

(۴) ماخذہائے حق۔ ان فرائض کی چوتھی اور آخری قسم کی بنا پر عدالتی ڈگریاں ماخذ اور مصدر سمجھی جاتی ہیں۔ عدالت ڈگری صادر کرکے حقوق کو قائم، منتقل اور موقوف کرتی ہے۔ چنانچہ امور ذیل اس قسم کے فرض عدالت کے تمثیلات ہیں "حکم طلاق (طلاق کی ڈگری) یا افتراق زوجین بحکم عدالت، کسی کو دیوالیہ قرار دینے کے لئے عدالت کا حکم صادر کرنا، کسی شخص کے دیوالیہ قرار پانے کے بعد بحکم عدالت ادائی قرضہ کی ذمہ داری کا اس پر باقی نہ رہنا، راہن کے خلاف ڈگری بیعبات کا صادر کرنا، امنا کا بحکم عدالت مقرر و موقوف ہونا، چٹھیات اہتمام ترکہ کا عطا کرنا اور مجنون و مفلس اشخاص کی جائداد کے انتظام وغیرہ کے متعلق امنا کا مقرر کرنا وغیرہ۔

ہر چند عدالت کے متذکرۂ صدر چار قسموں کے فرائض کا صحیح طور پر عدالت کی دیوانی کارروائیوں میں شمار نہیں ہوسکتا تاہم عدالت کے فرائض فوجداری سے جدا کرنے کی غرض سے اس طرح کے عدالتی کاموں پر لفظ دیوانی کا

اطلاق کیا جاتا ہے اور ایسا کرنا درست ہے۔ چونکہ ہم نے اصلی قانون کی تعریف کی ہے کہ وہ ان قواعد پر مبنی ہے جن پر نظم معدلت میں عمل کیا جاتا ہے اور اس کے پہلے ابھی ہم نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ نظم معدلت ذو معینیں یا مشترک اصطلاح ہے لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عین قانون کی تعریف میں اس اصطلاح کے وسیع اور تنگ مفہوم کے لحاظ سے کس معنی کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ از روئے منطق اور بنظر سہولت مفہوم وسیع کو اختیار کرنا مناسب ہے کیونکہ کسی کو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قانون ان تمام قواعد کے مکمل مجموعہ کا نام ہے جن پر عدالتیں اپنے فرائض کی بجا آوری میں بلا لحاظ اُن کے مخصوص و اصلی یا ضمنی و ذیلی ہونے کے عمل کرتی ہیں۔ جن اصول و قواعد قانونی کے مطابق عدالتیں کسی رعیت کے دعویٰ کی بمقابلہ حکومت سماعت و تحقیق کرتی ہیں، طلاق کی ڈگری صادر اور چٹھیات اہتمام ترکہ عطا کرتی ہیں ان میں اور ان اصول و قواعد میں جن کے تابع تیرضہ اور تعمیل مختص کے دعاوے ہیں کوئی فرق نہیں پایا جاتا بلکہ دونوں قسم کے اصول و قواعد کو قانون سے تعلق ہے۔

خلاصہ

سلطنت کی جانب سے نظم معدلت کے انجام پانے کی خلق کو دائمی ضرورت ہے۔ مبدائے نظم معدلت۔

معدلت { فوجداری۔ جرائم کی سزا۔
دیوانی۔ تعمیل حقوق۔

جرائم کا، جرائم خلاف سرکار سمجھا جانا ضروری نہیں ہے۔

مقاصد سزا۔

۱۔ عبرتناک۔

۲۔ انسدادی و انتناعی۔

۳۔ اصلاحی۔

۴- انتقامی۔

معدلت دیوانی { تعمیل حقوق اصلی۔ تعمیل مختص۔
تعمیل حقوق مکافاتی۔ تعمیل مکافات۔ }

تعمیل مکافات { معاوضۂ رقمی
تاوان (تعزیر) { واپسی مال وجائداد۔
دادرسی تعزیری۔ } }

معدلت { چارہ کار قانونی۔ معرا از خیال سزا۔ ہمیشہ دیوانی۔
تعزیری مشتمل بر خیال سزا۔ دیوانی یا فوجداری۔ }

ضمنی و ذیلی فرائض عدالت۔

۱- دعاوی رعایا بمقابلۂ سرکار۔

۲- استقرار حق۔

۳- اہتمام ترکہ۔

۴- قیام و انتقال و موقوفی حقوق۔

پانچواں باب

فصل ۱۶ سلطنت کی ماہیت اور اُس کے فرائض مخصوصہ

قانون کی ماہیت اور اُس کے مالہٗ و ماعلیہ سے بخوبی واقفیت حاصل کرنے کے لئے سلطنت کی اصلیت اور اُس کے متعلق جو علمی خیالات ہیں اُن کو جاننا ضرور ہے۔ کیونکہ سلطنت کے قیام سے قانون کی ہستی ہے۔ اور سلطنت ہی قانون کو بناتی ہے۔ مگر اصول قانون میں اس مضمون یا موضوع لہٗ کے صرف اصول مبادیات سے بحث کیجاتی ہے۔ اصل میں حکومت (اور انتظام سیاسی) کے تفصیلی مباحث کا علم اصول قانون سے نہیں بلکہ اُس کے مماثل علم سیاسیات سے تعلق ہے۔ قانون پیشہ لوگوں کو حکومت اور سلطنت کے عام اصول اور اُس کی ماہیت سے اس قدر واقف ہونا کافی ہے جس قدر قانون کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کا جاننا ضرور ہے۔

سلطنت یا معاشرت سیاسی ایسی انجمن کا نام ہے جس کو بعض آدمیوں نے اپنے مخصوص مقاصد بمخصوص ذرائع سے حاصل کرنے کے لئے قائم کیا ہو جس قدر انجمنیں اور سوسائٹیاں عقل انسانی تجویز کرسکتی ہے اُن میں سلطنت سب سے زیادہ اہم انجمن ہے۔ انسان کو فطرتاً موانست سے رغبت ہے۔ اور جس قدر انجمنیں اور مجلسیں دنیا میں بنتی ہیں اُن کے قائم کرنے کی وجہ انسانی اتحاد و یگانگی ہے۔ لیکن انجمن یا سلطنت جن ضرورتوں پر مبنی ہے وہ امن و انتظام و شائستگی ہیں۔ اچھا جب سلطنت اور انجمن کی ایک نسی شکل ہے تو اس میں اور دوسری قسم کی سوسائٹیوں میں کیا فرق ہوسکتا ہے۔ اور نیز بحر سلطنت اور ایسی مجلسوں اور جماعتوں میں جیسا کہ کلیسا۔ درسگاہ۔ جامعہ کمپنی سارہٗ مشترکہ

اور اتحاد تجارتی ہیں امتیاز کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرائض کے لحاظ سے ان دونوں قسم کی انجمنوں میں فرق کیا جاتا ہے سلطنت کی تعریف اُس کے مخصوص فرائض اور کارگزاریوں کے ذریعہ سے ہونی چاہیئے۔

لیکن دشواری یہ ہے کہ زمانۂ حال کی سلطنتوں کے بے شمار فرائض ہیں۔ اور ہر ایک سلطنت بلا لحاظ مکان و زمان متعدد امور کو انجام دیتی ہے۔ چنانچہ خطوط و پارسل رسانی اور جہازرسانی کا سلطنت سے تعلق ہے۔ ریلیں اور اُن کی سڑکیں سلطنت کی ملک سمجھی جاتی ہیں اور اُن کا انتظام بھی سلطنت کرتی ہے۔ اطفال ملک کو پڑھانا لکھوانا اور محتاج و مفلس آدمیوں کی قوت بسری کا انتظام کرنا اور سیونگ بنکوں کا چلانا سلطنت کا کام ہے۔ لیکن اس قسم کے جتنے کام ہیں اُن کا سلطنت کے مخصوص فرائض میں شمار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حکومت کے ان بے شمار کاموں اور اُس کے لازمی فرائض میں فرق کرنا ضرور ہے۔ بنا ءً علیہ حکومت کے دو مخصوص کام ہیں۔ جنگ اور عدل گستری۔ ہر ایک انجمن سیاسی کی غرض و غایت بیرونی دشمنوں کے حملوں سے ملک کو محفوظ رکھنا اور اندرون ملک رعایا میں امن و عافیت اور انتظام قائم رکھنا سمجھی جاتی ہے۔ کتب قدیمہ سے بھی اس امر کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ حکومت کے یہی دو مخصوص فرائض ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے بھی اپنے پر ایک بادشاہ کے مقرر کئے جانے کی خواہش کی تھی "تاکہ وہ ہمارے معاملات کا تصفیہ کرے اور لڑائیوں میں ہماری افسری کرے[1]"۔ اس میں کلام نہیں کہ فرمانروائی کے متعلق جو خیال قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے ابھی تک باقی ہے۔ اور انھیں دو باتوں کو دنیا ابھی تک فرمانروائی کی صحیح غرض و غایت مانتی ہے۔ چنانچہ ہابز لکھتا ہے کہ "دلے و یتھان دو شمشیر میں حائل کئے رہتا ہے تاکہ ایک تلوار سے جنگ اور دوسری سے عدل و انصاف کرنے میں آئے"۔ یہی دو کام حکومت کے اقل قلیل فرائض ہیں

[1] اسمٰعیل ۸ — ۲۰

داخل ہیں۔ اور اس سے زیادہ اُن میں کمی نہیں ہوسکتی۔ جو انجمن یا جماعت ان کاموں کو کرتی ہے وہی انجمن سیاسی اور سلطنت ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری انجمن یا مجلس سلطنت نہیں ہوسکتی۔ ان فرائض کے سوائے جن دیگر امور کو سلطنت انجام دیتی ہے اُن کی بابت اس مقام پر بحث کرنا غیر متعلق ہے کیونکہ وہ ہمارے موضوع بیان سے خارج ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارا مقصد انجمن سیاسی کی تعریف کرنا اور اُس کے خصوصیات کو بیان کرنا ہے سلطنت کی ضمنی باتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔

ہرچند جنگ اور عدل گستری میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی لیکن ان دونوں کو ایک ہی جنس کے دو مختلف انواع ثابت کرنا مشکل نہیں ہے۔ ان دونوں کے اختیار کرنے میں سلطنت کی ایک ہی غرض و غایت ہے۔ لیکن اُن پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جملہ افراد ملک کی منتظم قوت پر مبنی ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں ایک ہی غرض اور مقصد سے اس قوت و جبر سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنے سلطنت جملہ افراد ملک کے حقوق کی عدل گستری اور جنگ کے ذریعہ سے حفاظت کرتی ہے۔ چنانچہ سابق میں ہم نے بیان کیا ہے کہ عدل گستری کے ذریعہ سے سلطنت رعایا کے حقوق کی تعمیل اور مجرمین کو سزا دے کر جرائم کا انسداد کرتی ہے۔ سلطنت جو جنگ کرتی ہے اُس کی بھی غرض تحفظ حقوق و انسداد جرائم ہے۔ اور سلطنت کے لئے اسی ایک قسم اور غرض کی جنگ جائز اور مبنی بر انصاف ہے۔ انجمن سیاسی کے یہ دو مخصوص فرائض اصل میں ایسے دو مختلف طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے اپنی قوت استعمال کر کے سلطنت بیرونی اور اندرونی دشمنوں سے اپنی اور اپنے افراد رعایا کی حفاظت کرتی ہے۔ حق و انصاف کو قائم کرنے کی غرض سے سلطنت کا قیام ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی قوت و جبر سے اُن چیزوں کو برقرار رکھتی ہے جن کے برقرار رکھنے کے یہی دو طریقے ہیں۔ اچھا تو ان دونوں فرائض میں کیا مخصوص فرق ہے؟ حق کے

قائم کرنے میں سلطنت عدالتی قوت سے اور جنگ کے جاری کرنے میں وہ غیر عدالتی قوت سے کام لیتی ہے۔ جب کسی نزاع کا عدالت کے ذریعہ سے سماعت و تحقیقات ہو کر تصفیہ ہوتا ہے اور فریقین مقدمہ کو ناظم عدالت فیصلہ کا پابند کرتا ہے تو اس کارروائی کے ذریعہ سے سلطنت کی عدالتی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جس صورت میں سلطنت کسی جج یا حاکم کے بلا توسط راست اپنی قوت پر عمل کرتی ہے تو وہ سلطنت کی غیر عدالتی قوت کہلاتی ہے۔ جب تک کسی مقدمہ کی تحقیقات نہ ہو جائے اور اُس کے متعلق فیصلہ صادر نہ کیا ہو سلطنت عدالتی قوت پر عمل نہیں کرتی۔ یعنے تحقیقات اور فیصلہ عدالتی قوت کے مقدمۃ الجیش ہیں۔ لیکن غیر عدالتی قوت کے استعمال کے لئے سلطنت کو ان امور کے لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک حقوق و جرائم کی نسبت عدالت سے باقاعدہ طور پر فیصلہ صادر نہیں کیا جاتا اُس وقت تک سلطنت قیام حقوق اور انسداد جرائم کے لئے عدالتی قوت پر عمل نہیں کرتی۔ عدالت کی غرض اصلی اُن لوگوں سے فیصلہ کی تعمیل کرانی ہے جو خوشی سے اُس پر عمل کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے فیصلہ کے ذریعہ سے سلطنت حقوق کی تعمیل کراتی اور جرائم کی سزا دیتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس سلطنت کی غیر عدالتی قوت کا راست راست مجرم پر اثر پڑتا ہے۔ سلطنت جرم کی تحقیقات کرنے کے بغیر دفعتاً خطاکار پر حملہ آور ہوتی ہے۔ غیر عدالتی قوت کے استعمال کرنے کی شکل میں سلطنت تحقیقات اور فیصلہ کو اُس کے لئے شرط مقدم نہیں مانتی۔ غیر عدالتی قوت کے ذریعہ سے سلطنت کو جن حقوق کی حفاظت کرنی یا جن جرائم سے متعلق خطاکاروں کو سزا دینی منظور ہوتی ہے اُن کے لئے کسی جج کے مستند فیصلہ کے صادر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ فوج کے ذریعہ سے بلوے اور فساد کے فرو کرنے میں سلطنت کی غیر عدالتی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور مفسدہ کے دب جانے کے بعد جب باغیوں اور مفسدوں کی تحقیقات ہو کر اُن کو فوجداری عدالتوں کے ذریعہ سے سزائیں دیجاتی ہیں تو اُس وقت سلطنت اپنی عدالتی قوت سے کام لیتی ہے۔ کسی آدمی کو میدان کارزار میں

بندوق سے ہلاک کرنا یا کسی مورچہ کے محافظ پر گولی چلانا جنگ ہے لیکن اُس کو گرفتار کرنے کے بعد عدالت کے ذریعہ سے اُس کی تحقیقات کا عمل میں لایا جانا عدل گستری ہے[1]۔

فقرۂ بالا میں جس خاص فرق کا ذکر کیا گیا ہے اُس کے سوا سلطنت کی ان دونوں قوتوں میں چند ایسے غیر ضروری اختلافات ہیں جن کو لوگ بالعموم محسوس کر سکتے ہیں۔ منجملہ اُن کے ذیل کے چند مخصوص اختلافات ہیں۔

۱۔ عدالتی قوت کے استعمال کے واسطے قانون کے ذریعہ سے ضابطہ بنایا جاتا ہے یعنے قانون ملک کے زیر نگرانی اس قوت پر عمل کیا جاتا ہے۔ مگر قوت حربی اس طرح کے قیود سے آزاد ہے۔ قانون کے تابع انصاف ہے۔ اور معدلت کرنے میں سلطنت قانون کی مطابقت کرتی ہے لیکن جنگ و جدال اُن لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے جو اُس کو جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس ضرب المثل کی صحت سے کہ جنگ کے شور و غل میں قانون کی صدا نہیں سنائی دیتی انکار

---

[1] یہ امر قابل غور ہے کہ لفظ جنگ کا اطلاق غیر عدالتی قوت کے زیادہ سنگین اقسام پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ بلوے اور فساد کو خانہ جنگی نہیں کہتے۔ حالانکہ ان دونوں لفظوں میں صرف درجہ کا فرق ہے۔ ایسا ہی اگر جزائر بحر جنوبی کے کسی گاؤں کی سرکوبی کے لئے کروزر کی طرز کا ایک جنگی جہاز مع دستۂ فوج بحری روانہ کیا جائے تو اُس مہم پر جنگ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، حالانکہ اس معرکہ میں اور اُس محاصرہ میں جو کسی متمدن و شائستہ سلطنت کے بندرگاہوں کا کیا جاتا ہے یا گولہ باری جو اُن پر کیجاتی ہے محض درجہ کا فرق ہے۔ اس لئے ہم کو صحت الفاظ کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور عدالتی قوت کی اصطلاح لفظ جنگ کا مقابل یا ضد بلکہ غیر عدالتی قوت اُس کا مقابل ہے اور لفظ جنگ اس جنس کی سب سے زیادہ اہم نوع ہے۔ چونکہ غیر عدالتی قوت کی جنس کے جس قدر انواع ہیں اُن سب میں جنگ کی نوع افضل ہے اس لئے روزمرہ زبان میں جنگ کی لفظ اپنی جنس پر حاوی ہوگئی ہے۔ اور لوگ غیر عدالتی قوت کے عوض جنگ کہنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اور بمصداق غلط العام فصیح، جنس کے بجائے نوع کا استعمال رائج ہوگیا ہے۔

نہیں ہو سکتا لیکن ہر موقع اور ہر حالت پر اس کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے چنانچہ قانون ملک میں سلطنت کے فرائض فوجی اور اس کے جدال و قتال کرنے کے طریقے اور ضرورتوں کے متعلق معدودے چند احکام و ضوابط بتلائے جاتے ہیں۔ بلکہ سلطنت اور اس کے بیرونی دشمنوں کے متعلق اس میں کسی قسم کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ اور بلوی، فساد و شورش اور بغاوت کے رفع کرنے کے متعلق جب سلطنت کو اندرون ملک غیر عدالتی قوت کے استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو قانون مذکور کسی اصول کو نہیں بتلاتا، بلکہ جبر کے مقابلہ میں جبر استعمال کرنے کی اور قوت کو قوت سے دفع کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ چنانچہ قانونی مقولہ ہے کہ ضرورت کے لئے کوئی قانون نہیں یعنی ضرورتاً قانون کی پابندی ترک کرنا جائز ہے۔ ہر چند سلطنت کو اندرون ملک بمقابلہ رعایا اور اُن کی نزاعات باہمی کے تصفیہ میں عدالتی قوت پر عمل کرنے کی قانون ہدایت کرتا ہے۔ اور اس طرح سے رعایا کی غیر عدالتی قوت سے جو حفاظت و حمایت کیجاتی ہے وہ ایک قسم کی رعایت ہے۔ جو جماعت سیاسی کے ارکان (رعایائے سلطنت) کے لئے مخصوص ہے۔ ایسی صورت میں سلطنت عدالتوں کے توسط سے جن میں قانون اور انصاف پر عمل ہوتا ہے رعایا کے مقابلہ میں جبر و قوت استعمال کرتی ہے۔ اگرچہ اس زمانہ میں لوگ اُس حمایت و پناہ کے جو انھیں غیر عدالتی قوت کے خلاف ملتی ہے عادی ہو گئے ہیں اور ان مراعات کو معمولی بات خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگلے زمانہ میں جبکہ مخلوق فتنہ و فساد اور ہنگامے برپا کرنے کی عادی تھی اُس کو ان مراعات کے حاصل کرنے کے لئے نہایت جانفشانی کرنی پڑتی تھی[1]

[1] چنانچہ بادشاہ انگلستان نے غیر عدالتی قوت کے استعمال کرنے کی نسبت جو ممانعت کی ہے اُس کے متعلق منشور اعظم میں چند مخصوص احکام درج ہیں (دیکھو منشور اعظم فقرہ (۳۹) "کوئی آزاد آدمی گرفتار یا قید یا اُس کی زمین سے بیدخل یا اُس کو باغی مشتہر کر کے جلاوطن کر کے یا کسی اور طریقے سے تباہ نہ کیا جائے گا اور نہ بادشاہ بذات خود یا کسی اپنے افسر کو بھیجکر

۲۔ فرق دوسرا یہ ہے کہ رعایا کے مقابلہ میں عدالتی قوت پر اور سلطنتوں کے مقابلہ میں غیر عدالتی قوت پر عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مقولہ مستثنیات سے خالی نہیں ہے یا اسی قول کے مطابق سلطنتوں کو عمل کرنا لازم نہیں ہے۔ چنانچہ ایک سلطنت کا دوسری سلطنتوں کے درمیان میں حکم بن کر انصاف کرنا یا جو نزاع کسی دوسری سلطنت کو اپنے سے ہو اُس کا تصفیہ کرنا ممکن ہے۔ اور اس کے برعکس ایک ہی سلطنت اپنی رعایا یا بحری قزاقوں یا دوسرے اشخاص سے جو اس جماعت سیاسی کے افراد ہوں جنگ کر سکتی ہے۔

۳۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ سلطنت اندرون ملک عموماً عدل گستری کے ذریعہ سے اور بیرون ملک بذریعۂ جنگ اپنی قوت و اختیار پر عمل کرتی ہے۔ یعنے سلطنت اپنے اندرونی دشمنوں کا مقابلہ عدالتی قوت سے اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ غیر عدالتی قوت کے ذریعہ سے کرتی ہے۔ عدل گستری اور دادرسی جماعت سیاسی کے افراد کا حق و امتیاز ہے۔ جو لوگ اس طرح کی آبادی سے خارج ہیں خواہ یہ منفرد اشخاص ہوں کہ سلطنتیں، انکو کسی ایک سلطنت کی عدالتوں کے غیر طرفدارانہ فیصلوں کے ذریعہ سے اپنے معاملات کے تصفیہ کرانے کا حق نہیں ہے۔ اس لئے سلطنت اپنی قوت اور فوج سے راست راست اُن پر حملہ کرتی ہے۔ یہ بھی ایک عام مقولہ ہے لیکن ہمیشہ اسی کے مطابق سلطنتوں کا عملدرآمد نہیں ہوسکتا۔

۴۔ چوتھا اور آخری فرق یہ ہے کہ عدل گستری میں عموماً عنصر قوت و جبر پنہاں ہے۔ لیکن جنگ میں وہی عنصر نمایاں ہے۔ لوگ جن کی نزاعات اور حقوق کا سلطنت تصفیہ کرتی ہے اور جن کے مقابلہ میں عدل و انصاف کرتی ہے عموماً اُس کے اختیار میں ہوتے ہیں، سلطنت جس طرح چاہے اُن سے اپنے فیصلہ کی تعمیل کرا سکتی ہے۔ اور ان کے لئے اس کے حکم کے مقابلہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:- اُس کو گرفتار کرے گا۔ بجز اس کے کہ اُس کے ہم رتبہ اشخاص کے باقاعدہ فیصلہ یا قانون ملک کی بنا پر اس کو اس طرح کی سزا ملے ”

ہیں بجز سر اطاعت خم کرنے کے کوئی چارۂ کار نہیں۔ لہٰذا شاذ و نادر ہی رعایا کے مقابلہ میں سلطنت کو حقیقی طور پر جبر استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ رعایا کو جبر کرنے کا خوف دلانا ہی کافی ہے۔ اس کے برعکس جنگ کی کیفیت ہے۔ دو مبارز سلطنتوں یا سلطنت اور اُن اشخاص کی قوت میں جن سے وہ برسر پرخاش ہوتی ہے غیر مناسب فرق نہیں ہوتا۔ جس کے سبب سے فریق مقابل مثل رعایا کے سلطنت کا مقابلہ کرنے سے خائف اور ہراساں نہیں ہوتا۔ اس لئے سلطنت دشمن کو خوف دلانے کے بغیر اُس پر حملہ آور ہوتی اور اپنی قوت و جبر پر عمل کرتی ہے۔ اسی سبب سے عدل گستری میں تحقیقات اور فیصلہ کا عنصر سلطنت کی قوت اور جبر سے زیادہ اہم نظر آتا ہے۔ بادی النظر میں عدل گستری سے پایا جاتا ہے کہ سلطنت اپنے اس فرض کی ادائی میں جبر و قوت سے کام نہیں لیتی۔ بلکہ متخاصمین میں مصالحت کرا کے اُن کے مناقشہ و نزاع باہمی کو مٹاتی ہے۔ لیکن حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ جس طرح سلطنت کی قوت و جبر پر جنگ کا انحصار ہے اُسی طرح عدل گستری اس قوت و جبر کی محتاج ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نظم معدلت میں اس قوت کا اثر ظاہر نہیں ہونے پاتا۔ عدالتوں کے قیام سے داب سلطنت کے بجائے ثالثی اور مصالحت پر عمل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایک قسم کے جبر کے عوض دوسری قسم کا جبر یعنے شخصی جبر کے عوض سرکاری جبر غیر عدالتی قوت کے بجائے عدالتی قوت اور حقیقی و ظاہری جبر کے بدل مضمر و مخوف جبر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جیسے جیسے سلطنتوں کے اختیار و اقتدار میں ترقی ہوتی ہے ویسا ویسا اُن کے ان دو مخصوص فرائض کے اختلاف میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ضعیف اور بد نظم سلطنتوں میں جن کی رعایا سرکش و مفسدہ پرداز ہوتی ہے عدل گستری کرنے میں حکومت کو علانیہ اس قوت سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ رعایا فیصلۂ عدالت کی بلا چون و چرا التعمیل نہیں کرتی۔ اور احکام سلطنت کو سمعاً و طاعتاً کہہ کر نہیں قبول کرتی۔ لہٰذا سلطنت کو بھی حسب ضرورت فیصلوں کے منوانے کے لئے فوجی قوت پر عمل کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بظاہر عدالتی قوت

(وجبر) میں جس کے ذریعہ سے فیصلہ کی تعمیل کرائی جاتی ہے اور غیر عدالتی قوت میں جس کا شورش، بغاوت، فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کے فرو کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے فرق نہیں معلوم ہوتا۔[1]

فصل ۳۱ سلطنت کے فرائض ثانوی

سلطنت کے فرائض ثانوی کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی قسم کے فرائض وہ ہیں جن کے ذریعہ سے اُس کے فرائض اولین و مخصوصہ کی بخوبی تکمیل ہوتی ہے۔ اور یہ دو فریضے ہیں۔ وضع قوانین اور اجرائے محصولات۔ وضع قوانین کے ذریعہ سے سلطنت اُن اصول کو قواعد کی شکل میں ڈھالتی ہے جن پر وہ اپنے فرض عدل گستری کو مبنی کرنا چاہتی ہے۔

اجرائے محصولات سلطنت کے مداخل و محاصل کا ذریعہ ہے اور اُس کے بغیر سلطنت کا کام نہیں چل سکتا۔ سلطنت ان کے سوائے جو فرائض ثانوی اپنے ذمہ لیتی ہے اُس کے مختلف وجوہ ہیں۔ ہر ایک سلطنت جیسا کہ اُس کو مناسب و مفید معلوم ہوتا ہے اس طرح کا ایک ایک کام اختیار کرتی جاتی ہے۔ چونکہ سلطنت اپنے وسیع علاقہ کی تمام آبادی کی نائب سمجھی جاتی ہے اور اپنی منظم قوت سے رعایا برایا کے مقابلہ میں جبر استعمال کر سکتی ہے اور جبراً محصولات کے وصول کرنے سے اُس کے ذرائع آمدنی نہایت وسیع ہوتے ہیں اس لئے اس کو اس قسم کے فرائض ثانوی کے اختیار کرنے میں دوسرے اشخاص اور انجمنوں سے زیادہ سہولت و آسانی ہے۔ زمانۂ حاضرہ میں سلطنتوں نے

---

[1] اس خیال کے متعلق کہ ابتداءً یہ دونوں فرائض ایک سمجھے جاتے تھے لیکن تبدریج ان دونوں میں فصل پیدا ہوئی۔ دیکھو علم مدن (علم نظم معاشرت) جلد ۲ صفحات ۴۹۳ اور اس کے بعد کے اوراق، مصنفہ ہربرٹ اسپنسر۔ چنانچہ وہ صفحہ ۴۹۴ میں لکھتا ہے کہ "شمشیر عدالت ایک نہایت موزوں مناسب ترکیب لفظی ہے جس کے ذریعہ سے اس حقیقت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے کہ دعوی بمقابلۂ دشمن رعیت اور دعوی بمقابلۂ دشمن ملک (سرکار) آخری درجہ میں دونوں ایک ہیں۔"

انھی خیالات اور سہل انگاریوں کی بنا پر ایسے غیر ضروری اور ثانوی قسم کے متعدد فرائض اپنے ذمہ لے لئے ہیں جس کی وجہ سے مہذب ممالک کے امن پسند اور تابع قانون باشندوں کو سلطنت کے فرائض اولیں اور ثانوی میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ بلکہ اس دوسری قسم کے کاموں کی وجہ سے سلطنت کے مخصوص اور پہلی قسم کے فرائض پر حجاب پڑ گئے ہیں۔ اور اس وجہ سے لوگوں کو سلطنت کی ماہیت و اصلیت کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔

فصل ۳۲ عملداری و علاقۂ سلطنت

علاقۂ سلطنت سے ایسا قطعۂ زمین مراد ہے جو بلا شرکت غیری سلطنت کے قبضہ و اختیار میں ہو۔ اس قلمرو کے عرض و طول میں سلطنت کی مرضی دائماً سب سے اعلیٰ مانی جاتی ہو اور کسی دوسرے کو اُس میں دخل دینے کا اختیار نہ ہو۔[۱] ایک محدود اور معین علاقہ پر قبضہ رکھنا ہر ایک (معتدل) اور مہذب سلطنت کے مختصات میں داخل ہے اور اس کے بغیر سلطنت اپنے فرائض منصبی کو مستعدی سے انجام نہیں دے سکتی۔ بریں ہمہ یہ قول مستثنیات سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ کسی معین اور محدود علاقہ کے بغیر سلطنت کا قائم ہونا جیسا کہ صحرانورد قبائل کی حالت ہے ممکن ہے۔ حکومت کے فرائض اولیں کی انجام دہی کی غرض سے ایک یا متعدد انجمنیں جن کے یہاں محدود و معینہ علاقے نہ ہوں بنائی جا سکتی ہیں۔ لیکن ایسی صورتیں شاذ و نادر ہی پیش آتی ہیں۔ لہذا اس قسم کی سلطنتوں کو معرض بحث سے خارج سمجھنا اور اُن کو اب نارمل (غیر معتدل) سلطنت خیال کرنا مناسب ہے۔ ہم کو اُس سلطنت سے بحث کرنا منظور ہے جس کا علاقہ اور عملداری ہو اور ہم اس مقام پر اُسی کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔ سلطنت آدمیوں کی ایسی جماعت ہے جو ایک محدود و معین علاقہ میں امن و انصاف قائم رکھنے کی غرض سے بذریعۂ جبر و قوت قائم کی جاتی ہے۔

---

[۱] علاقۂ سلطنت کے متعلق جو قانونی نظریہ ہے اُس کو بالتفصیل ضمیمۂ پنجم میں بیان کیا گیا ہے۔

فصل ۳۹ رکنیت سلطنت

اس طرح کی انجمن کے کون اشخاص ارکان ہوسکتے اور کس حق کی بنا پر لوگ اُس میں داخل کئے جاسکتے ہیں؟ دنیا کی تمام مہذب و متمدن سلطنتوں کے حق رکنیت کے دو ماخذ ہیں شہریت (شہری یا رعیت ہونا) اور سکونت اور اس بنا پر ایسی انجمن سیاسی یا سلطنت کے ارکان کی دو قسمیں شہری (یا رعیت) اور ساکنین ہیں۔ پہلی صورت میں سلطنت اور منفرد شخص میں تعلقِ شخصی اور دوسری صورت میں اُن دونوں میں علاقہ کا تعلق یعنے تعلق ارضی پیدا ہوجاتا ہے۔ چونکہ پہلے حق کی بنا پر آبادئ سیاسی کی مستقل و دائمی اور دوسرے حق کے ذریعہ سے اُس کی عارضی رکنیت حاصل ہوتی ہے اس لئے سلطنت میں دو مختلف قسم کے اشخاص ہوتے ہیں۔ پہلے تو وہ تمام اشخاص جو شخصی اور دائمی تعلق کی وجہ سے اُس کے دوستوں یا رعایا میں شمار کئے جاتے ہیں اور دوسرے وہ اشخاص ہیں جو عارضی طور سے اُس میں سکونت اختیار کرلیتے ہیں اور اس لئے اُن کے اور سلطنت کے درمیان عارضی طور پر تعلق ارضی پیدا ہوتا ہے۔ بہرحال جبتک ان دونوں جماعتوں کو اُن کے حقوق حاصل رہتے ہیں وہ اس انجمن سیاسی کے مساوی درجہ کے ارکان سمجھے جاتے ہیں۔ دونوں کی رکنیت میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا جاتا کیونکہ دونوں جماعتیں سلطنت کے قوانین اور اُس کی گورنمنٹ کی حمایت اور حفاظت کے برابر کے حقدار ہیں۔ اور ان قوانین اور گورنمنٹ کی اطاعت و فاشعاری دونوں پر برابر لازم ہے اور سلطنت کے حکم کی تعمیل ان دونوں پر برابر واجب ہے اور انھی دونوں جماعتوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے سلطنت قائم کی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے فرائض کو انجام دیتی ہے۔

اکثر اوقات ایک ہی شخص کو رکنیت سلطنت کے دونوں حقوق حاصل رہتے ہیں۔ اکثر برطانوی رعایا برطانوی علاقہ میں رہتی ہے اور اکثر اس علاقہ کے ساکنین برطانوی رعایا ہیں۔ بر ایں ہم ان دونوں مقولوں کا ایک مفہوم نہیں ہے۔ کیونکہ

اکثر آدمیوں کا تعلق اس سلطنت سے محض ایک حق کی بنا پر ہے۔ چنانچہ متعدد اشخاص جو برطانوی رعایا ہیں تاج برطانیہ کے زیرنگیں ممالک میں سکونت نہیں رکھتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو برطانوی رعایا نہیں ہیں مگر ان ممالک میں بود و باش رکھتے ہیں۔ یعنے اس طرح کے غیر سکونت پذیر اشخاص برطانوی رعایا ہیں یا سکونت پذیر اجانب ہیں۔ اس کے برعکس غیر سکونت پذیر اجانب کی حالت ہے۔ اس قسم کی رعایائے غیر کو برطانوی سلطنت کی رعیت کا حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ لوگ سلطنت برطانیہ کے حدود سے خارج اور اُس کی حکومت کے اختیار و اقتدار سے باہر سمجھے جاتے ہیں۔ ان پر نہ تو برطانوی قوانین کی اطاعت اور نہ برطانوی حکومت کی وفاداری لازم ہے۔ ان لوگوں کے لئے اور نہ ان کی اغراض کی تکمیل کے واسطے اس سلطنت کا قیام ہوا ہے[1]۔

---

[1] رعیت اور شہری کا عموماً ایک مفہوم ہے۔ اور یہ دونوں لفظ مرادف ہیں۔ رعایا اور شہریوں کو سلطنت سے جو تعلق حاصل ہے اُس میں بظاہر کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا سلطنت سے دونوں کا تعلق شخصی اور مستقل نہ کہ عارضی اور علاقہ سے ہے۔ اس پر بھی دونوں کی حالتوں میں اس طرح کی مساوات جو نظر آتی ہے وہ بوجوہ ذیل حقیقی اور مطلق نہیں ثابت ہوتی۔ اولاً یہ کہ شخصی حکومتوں کے باشندوں پر رعایا کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور جمہوری حکومتوں کی رعایا کے واسطے لفظ شہری مخصوص ہے۔ چنانچہ ایک برطانوی رعیت بذریعہ Naturalisation یعنے بہ تبدیل حقوق شہریت اپنے کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا فرانس کا شہری بنا سکتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ لفظ شہری سے زیادہ تر اُن حقوق و امتیازات کا اظہار ہوتا ہے جو کسی باشندہ کو اُس کی حیثیت اور شان کی بنا پر سلطنت سے عطا ہوتے ہیں۔ اور سامع کے ذہن میں کمتر اُن فرائض و ذمہ داریوں کا خیال آتا ہے جو منجانب سلطنت اُس کے باشندوں پر عائد کیجاتی ہیں۔ لیکن لفظ رعیت کی کیفیت اس کے برخلاف ہے۔ یعنے اُس سے حقوق و امتیازات باشندگان کے عوض فرائض باشندگان کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ ثالثاً یہ کہ لفظ رعیت کا مفہوم زیادہ وسیع ہے اور اُس کا اطلاق اُن کل اشخاص پر کیا جاتا ہے جن کی باغراض سیاسی ایک جماعت میں تنظیم کیجاتی ہے۔ لہذا رعیت میں دونوں قسم کے باشندے یعنے رعایائے حقیقی اور

شہریوں اور رعایا کے خصوصاً اعلیٰ امتیازات کی بنا پر رکنیت سلطنت کی دو قسموں میں فرق کیا جاتا ہے اور اس کا عملی فائدہ نظر آتا ہے۔ ہر ایک سلطنت میں شہریوں کے جو حقوق ہیں وہ اجانب کو نہیں حاصل ہو سکتے۔ شہری اپنے بہترین حق کی بنا پر اُس کے ارکان تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لیکن اجانب کو اس طرح قانونی حق کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ برطانوی رعایا کی حالت پر ہی غور کیجئے ان کو نہ صرف حقوق مدنی حاصل ہیں بلکہ یہ حقوق سیاسی سے بھی بہرہ اندوز ہیں[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: بقید سکونت پذیر اجانب شامل ہیں۔ کل ایسے اشخاص جو مستقل یا عارضی طور پر اقتدار و اختیار سلطنت کے تابع سمجھے جاتے ہیں اور جن پر وفاداریٔ حکومت لازم ہے وہ سب اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ چنانچہ کسی کا مقولہ ہے کہ رعایائے غیر سے جو شخص سلطنت برطانیہ کے حدود میں داخل ہوتا ہے خواہ اُس کا قیام عارضی ہی کیوں نہ ہو وہ تاج برطانیہ کی رعیت میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس بنا پر وہ قوانین ملک کا اسی طرح تابع ہے اور اُن سے وہ اسی طرح متمتع ہو سکتا ہے اور اس پر بھی ان قوانین کی پابندی اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ دیگر برطانوی رعایا پر واجب ہے۔" لو بنام رٹ سج چانسری جلد ا مقدمات اپیل صفحہ ۷۴۔ دیکھو جفریز بنام بوزی ہوز آف لارڈز کیسیز جلد ۴ صفحہ ۸۱۵۔ اسی طرح مقدمات تاج جلد ا صفحہ ۲۳۵ مرتبہ ہیسل میں لکھا ہے کہ اگرچہ اسٹاچیوٹ زیر بحث میں رعایائے تاج کے الفاظ لکھے ہیں لیکن اس میں اجانب بھی داخل ہیں .... ہر چند اجانب بادشاہ انگلستان کے پیدائشی رعایا نہیں بن سکتے لیکن جب یہ انگلستان میں وارد ہوتے ہیں تو اُن پر بھی مقامی وفاشعاری لازم آتی ہے۔"

[1] چونکہ حقوق سیاسی کا شہریت کے مختصات میں شمار ہے اور یہ اُس کی اہمیت کا سبب ہے کہ اکثر لوگوں کو اُس کے متعلق دھوکہ ہوتا ہے۔ اور وہ حقوق سیاسی کو شہریت سے مخصوص خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ عورتوں کو حقوق سیاسی حاصل نہ تھے۔ لیکن زوجہ اگر اُس کا شوہر برطانیہ کی رعیت ہوتا تو وہ بھی مثل اپنے شوہر کے برطانوی رعیت متصور ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ مطلق العنان حکومت میں بھی رعیت اور غیر رعیت میں فرق کیا جانا لازم ہے۔ حالانکہ یہ دونوں اس طرح کی حکومت میں حقوق سیاسی سے محروم رہتے ہیں۔

چند ہی سال کی بات ہے کہ انگلستان میں رعایا کے سوائے غیر کو اراضی نہیں دیجاتی تھی اور نہ غیر میراث میں زمین پا سکتا تھا۔ اب بھی کوئی اجنبی نہ تو برطانوی جہاز کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ اُس میں حصہ پا سکتا ہے۔ ممالک غیر میں سکونت رکھنے کی شکل میں صرف برطانوی رعایا غیر سلطنتوں کے مقابلہ میں حکومت برطانیہ سے حمایت و سرپرستی حاصل کرنے کی مستحق ہے۔ اور جب انگریزی حکومت عاملانہ کی جانب سے رعایا پر ناجائز سختی یا خلاف قانون اُن کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے تو انگریزی عدالتوں سے دادرسی پانے اور اُن کی حمایت حاصل کرنے کی صرف برطانوی رعایا نہ کہ سکونت پذیر رعایائے غیر مستحق سمجھی جاتی ہے۔ حدود سلطنت میں داخل ہونے کا صرف برطانوی رعایا کو حق حاصل ہے۔ بعض قوانین موضوعہ (اسٹاچیوٹ) سے محض برطانوی رعایا فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ اور ان قوانین کے دائرۂ عمل سے اجانب تصریحاً یا کنایتاً خارج کئے گئے ہیں۔ لیکن ان حقوق و امتیازات کا اُن ذمہ داریوں اور زیر باریوں سے مقابلہ کرنا چاہئے جو برطانوی رعایا پر منجانب حکومت عائد کی گئی ہیں۔ صرف برطانوی رعایا ہی حالانکہ وہ ملک غیر میں کیوں نہ رہتی ہو تاج برطانیہ کے قبضۂ اختیار و اقتدار میں سمجھی جاتی ہے۔ خواہ یہ لوگ دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہوں اُن کو اپنے ملک کے قوانین کی پابندی اور حکومت کی وفاداری لازم ہے۔ لیکن اجنبی (رعیت غیر) ان سب قیود و شرائط کی زنجیروں سے آزاد ہے۔ اور جب چاہے وہ طوق اطاعت کو اپنی گردن سے علیحدہ کر سکتا ہے۔ ان ذمہ داریوں اور دشواریوں کے باوجود سلطنت نے جو حیثیت اور شان اپنی رعایا کو عطا کی ہے وہ ایک قسم کا حق امتیازی نہ کہ ناقابلیت اور بار ہے۔ اس کو نفع نہ کہ زیر باری سمجھنا چاہئے۔ رکنیت سلطنت کا بہتر اور اعلیٰ حق شہریت ہے۔ اور اُس کا پست و ادنیٰ حق سکونت ہے۔

تاریخی نقطۂ نظر سے یہ بات ثابت ہے کہ شہریت ایک ایسا تصور قانونی ہے جس کی اہمیت بتدریج کم ہو رہی ہے جیسے جیسے قانون کو ترقی ہوتی ہے ویسا ہی لوگوں کا رجحان (رعایا کے مخصوص حقوق و ذمہ داریوں کو گھٹانے

کی جانب پایا جاتا ہے۔ اور رکنیتِ سلطنت کے لئے شہریت سے زیادہ سکونت کو اہلیت کی صفت بنانے کا ہے۔ اور اس لئے شہریت کے حصول ازالہ کے طریقے میں روز بروز آسانی پیدا کی جارہی ہے۔ اور اس کے حاصل و زائل کرنے کے جو قانونی اثرات ہیں اُن میں بھی بتدریج کمی ہورہی ہے موجودہ حالات کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ اُن دو اساسی متضاد خیالات میں جن پر انجمن سیاسی (سلطنت) کی ترکیب منحصر ہے یگانگی اور یک جہتی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

متقدمین کا خیال تھا کہ ہر ایک ریاست میں معین اور محدود اشخاص کے فائدہ کی غرض سے حکومت قائم ہوتی ہے اور قوانین بنائے جاتے ہیں۔ ان اشخاص کے سوائے کوئی دوسرا شخص ان دو چیزوں سے متمتع ہونے کا مستحق نہیں ہے۔ اور ان معینہ اشخاص کے شخصی اور مستقل اتحاد کا نام ریاست ہے۔ بہرحال اس قدیم خیال پر تصور شہریت اور اُن امتیازات و حقوق کی جو اس سے منتج ہوتے ہیں بنا ہے۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے خیال کے مطابق ریاست اُن لوگوں سے بنتی ہے جو اُس کے علاقہ میں آباد ہوتے ہیں اس لئے کسی شخص کو ریاست کا ایک رکن بننے اور اُس کی حمایت وحفاظت کا مستحق قرار پانے کے لئے ریاست میں سکونت رکھنا صفت ضروری خیال کیا جاتا ہے اور یہ زمانۂ حال کے خیال کا نتیجہ ہے۔ لوگوں کے ذہن میں شخص کے بجائے سکونت کی صفت بتدریج زیادہ اہمیت پیدا کررہی ہے۔ اور اس زمانہ میں رکنیتِ سلطنت کے جو دو اوصاف قرار دیئے گئے ہیں وہ انھی متضاد اصول (شہریت وسکونت) کے ملائے جانے کا نتیجہ ہیں لیکن اس بیان سے ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ رکنیتِ سلطنت کے لئے قانوناً محض صفتِ سکونت کو ترجیح حاصل رہے گی اور تعلق شخصی کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان ہی دو انتہائی اصول کے مجموعہ سے سلطنت کے رکن بننے کے واسطے جو ایک درمیانی صفت اور معتدل حالت پیدا ہوئی ہے اسی میں کچھ ردوبدل ہوکر یہی صفت دائمی قرار پائے گی۔

ہم نے سابق میں بیان کیا ہے کہ شہری وہ لوگ ہیں جو ریاست سے شخصی اور مستقل تعلق رکھتے ہیں اور اس تعلق کی وجہ سے ریاست انھیں مخصوص حقوق واختیارات وامتیازات عطا کرتی ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے متعلق اس سے زیادہ دریافت کرنا چاہیں یعنے یہ سوال کریں کہ شہریت کیا شئے ہے یا وہ کس مخصوص تعلق واتحاد کا نتیجہ ہے تو اس کا ایک عام اور تشفی بخش جواب نہیں ملتا۔ کیونکہ یہ ایک قانونی مضمون ہے اور مختلف ملکوں کے نظامات قانونی میں اس کی مختلف شان قرار دی گئی ہے بلکہ ایک ہی ملک کے قانون میں اس کی حیثیت وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے۔ چنانچہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص قلمروے برطانیہ میں پیدا ہو بلا لحاظ النسب برطانوی رعیت خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس فرانسیسی قانون کی رو سے بلا لحاظِ مولد ہے فرانسیسی شہریت حاصل کرنے کے لئے شخص کا فرانسیسی النسب ونسل سے ہونا ضرور ہے۔ بہرکیف شہریت کی ابتدائی تاریخ اور اس کے متعلق جو متقدمین کا خیال تھا اس پر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ اس کا ماخذ قومیت ہے۔ چنانچہ شریک شہری کہلانے کے لئے لوگوں کا ایک ہی ریاست سے تعلق رکھنا کافی نہیں بلکہ ان کا ایک قوم ونسل سے ہونا ضروری ہے۔

ہرچند انگریزی زبان کے روزمرہ میں شہریت اور قومیت مترادف ہیں۔

لہ حسب ذیل طریقوں سے برطانوی قومیت حاصل کیجاتی ہے۔

(۱) قلمروے برطانیہ میں پیدا ہونا۔

(۲) جس کا باپ قلمروے برطانیہ میں پیدا ہوا ہو یا جو بذریعہ نیچرلائی زیشن (ایک ریاست کی رعیت کا اپنے کو دوسری ریاست کی رعیت بنانا) اپنے کو برطانوی رعیت بنایا ہو۔

(۳) رعایائے غیر کی عورت کا اُس مرد سے شادی کرنا جو برطانوی رعیت ہو۔

(۴) بذریعہ نیچرلائی زیشن۔

(۵) دنیا کے جس علاقہ کو تاج برطانیہ نے فتح کیا ہو یا کسی اور طریقے سے حاصل کیا ہو اُس میں مستقل ومسلسل طور پر رہنا۔

اور اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے لیکن اس سے اُس تعلق کا پتہ چلتا ہے جو ان لفظوں کے تصورات میں ہے۔ قوم کی رکنیت قومیت اور ریاست کی رکنیت شہریت کہلاتی ہے۔ انسانوں کے ہر ایک گروہ سے جو متحد النسل ہو ایک قوم بنتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اخوت اور قرابت جیساکہ زبان و مذہب و رواج کی شرکت ہے چند ضمنی اسباب بھی ہیں۔ برخلاف اس کے ریاست اُس جماعت مردم کا نام ہے جو ایک حکومت کے تابع ہو۔ لیکن ہر وقت اور ہر حالت میں اس قسم کی دونوں جماعتوں کا ایک ہونا لازم نہیں ہے چنانچہ ایک قوم کے ذریعہ سے متعدد ریاستیں بن سکتی ہیں۔ اور اس کے برعکس ایک ریاست متعدد اقوام اور اُن کی شاخوں پر مشتمل ہو سکتی ہے مثلاً یونانیوں کی نسل تو ایک تھی لیکن اُن کی مختلف ریاستیں تھیں۔ اور گو سلطنت روما میں متعدد قومیں آباد تھیں مگر رومیوں کی ایک ہی ریاست تھی۔ اس پر بھی انسان کے میلان طبع کے سبب سے قومیں اور ریاستیں بتدریج اس طرح شیر و شکر ہو جاتی ہیں کہ پھر دونوں میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اختلاف نسل مٹ کر اتحاد سیاسی پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر ایک قوم میں ترقی کر کے اپنے کو ریاست میں منتقل کرنے کا کم و بیش مادہ ہے۔ ہر ایک قوم اپنے اتحاد نسل کو اتحاد حکومت و اتفاق سیاسی میں بدل سکتی ہے۔ ایسا ہی ہر ایک ریاست میں قوم بننے کا مادہ ہے۔ یعنے تنظیم سیاسی کے ایک ہونے سے ریاست کے حدود میں جو مختلف قومیں رہتی ہیں اُن کے اختلافات قومی میں بتدریج کمی ہوتی جاتی ہے۔ اور اس انتظام کی بدولت ریاست اپنے تمام باشندوں میں اتحاد اور مشترک قومیت کی نئی روح پھونکتی ہے۔ اور بیرون ریاست جن اقوام سے بلحاظ قومیت اس کے باشندوں کو رشتہ و قرابت رہتی ہے وہ بتدریج منقطع ہو جاتی ہے۔

چونکہ قوم سے ریاست بنتی ہے۔ یعنے ریاست کا ماخذ قوم ہے۔ اور اسی ایک بات پر تصور شہریت کا انحصار ہے اس لئے بلنٹ شلی ہم کہہ سکتے ہیں کہ قوم کی تنظیم سیاسی کو ریاست کا مبدا سمجھنا چاہیئے۔ یعنے جب قوم اپنے پر

حکومت کرنے اور دشمنوں سے محفوظ رہنے کی غرض سے اپنی انفرادی ہستی کو مجموعی ہستی میں بدل کر منفرد و شخصیت حاصل کرتی ہے اُس وقت اُس پر ریاست کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ شہری وہ لوگ ہیں جو ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جس نے ترقی کر کے اپنے کو ریاست میں بدل لیا ہے۔ بنائے علیہ قومیت سیاسی کا نام شہریت ہے۔ چونکہ ریاست کے قیام سے پہلے ہی اُس کے باشندوں میں بربنائے قرابت ونسل اتحاد ہوتا ہے۔ اس لئے ریاست کے بننے کے بعد وہ شریک شہری کہلاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انھی لوگوں کے فائدے اور حمایت وحفاظت کی غرض سے وہ سیاسی جماعت (ریاست) ایجاد ہوتی ہے۔ اور صرف یہی لوگ اُس کے ارکان متصور ہوتے ہیں۔ اس لئے جس قومیت مشترکہ کی زنجیر میں یہ لوگ پہلے سے جکڑے ہوے ہوتے ہیں اُس میں قانون صفتِ شہریت کی ایک مصنوعی کڑی کا اضافہ کر کے اُس زنجیر محبت ووفا کو اور بھی مضبوط بنا دیتا ہے۔ اور اس بنا پر ایسی ریاستِ قومی سے اجانب (رعایائے غیر) کو کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ چونکہ اس طرح کی ریاست غیروں کے فائدے اور حفاظت کی غرض سے نہیں بنائی جاتی اس لئے اُس کے قانون اور حکومت سے اُس کے شہریوں کے سوائے جن کے وہ پیدائشی حقوق ہیں دوسرے اشخاص متمتع نہیں ہوسکتے۔ لیکن رفتہ رفتہ ریاستِ قومی اُن اشخاص کو اپنے شہریوں میں شمار کرنے لگتی ہے جو اُس کے حدود میں سکونت پذیر ہوگئے ہیں۔ اور وہاں کا قانون بھی اُن کی سکونت کو ارکان سلطنت بننے کے لئے صفت ضروری تسلیم کرنے لگتا ہے۔ لہذا اُس ملک کی حکومت اور قوانین سے جو پہلے ایک ہی قوم کا حصہ سمجھے جاتے تھے اجانب سکونت پذیر کو بھی بتدریج مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ حکومت وقانون کا تعلق اشخاص سے منقطع ہو کر حدود ارضی سے ملصق ہوجاتا ہے۔ اور یہ جدید اصول لوگوں کے ذہن نشین ہوتا ہے کہ ریاست (قومی) محض ایک مخصوص قوم کے فائدہ اور حفاظت کی غرض سے نہیں بلکہ اُن تمام باشندوں کے نفع وحمایت کے واسطے قائم ہوتی ہے جو اُس کے علاقے میں

رہتے ہیں۔ اور قانون رفتہ رفتہ قانونِ قوم نہیں بلکہ قانونِ ملک ہوتا جاتا ہے۔ رکنیت سلطنت کے اوصاف المضاعف ہوتے ہیں یعنی سکونت شہریت کا ہم پلہ ہوجاتی ہے۔ انسان کے لئے رومی ہونے کے بغیر سلطنت روما سے تعلق رکھنا ممکن ہوجاتا ہے۔ اور اگرچہ شہری باہر والوں کو اپنے حقوق میں شریک کرنے کے لئے رضامند ہوجاتے ہیں۔ مگر یہ دونوں جماعتیں رتبہ میں کبھی مساوی نہیں ہوسکتی ہیں۔ جس اتحاد کی بنا قومیت اور شخصیت ہے اُس کو ہمیشہ اُس اتحاد پر فضیلت ہے جو سلطنت کے حدود ارضی میں سکونت رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں شہریوں کو جو مخصوص حقوق حاصل ہیں وہ اگلے زمانہ کی اُن مراعات اور الطاف و اکرام کی نہایت قلیل یادگار ہیں جو ریاستوں کی جانب سے عطا ہوتے تھے[1]

ریاست اور اُس کے ارکان میں جو نسبت ہے وہ طرفین کے فرض و ذمہ داری پر مبنی ہے۔ اور اس لئے ریاست پر اپنے ارکان کی حفاظت و حمایت کرنا اور اُن کو اُس کی اطاعت و وفاداری کرنا واجب ہے۔ چونکہ لوگ اپنے دشمنوں سے خواہ وہ اندرون ملک رہتے ہوں کہ بیرون ملک محفوظ و مصئون رہنے کی غرض سے سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سلطنت بلا معاوضہ اُن کی حفاظت نہیں کرتی۔ اس لئے اس سلوک کے بدلے میں وہ اُن سے بعض خدمتیں لیتی ہے۔ اور اُن کو اپنی جانوں کی قربانیاں دینی ہوتی ہیں۔ مگر اس طرح کا جبر غیروں کے ساتھ نہیں کیا جاتا چنانچہ اپنی حمایت و حفاظت کے معاوضہ میں سلطنت

---

[1] قدیم زمانہ میں ریاست سے مراد قوم تھی۔ اور اس زمانہ میں ریاست کا اطلاق علاقہ اور حدود ارضی پر کیا جاتا ہے۔ اس لفظ کے مفہوم میں جو تدریجی اختلاف واقع ہوا ہے اُس کے متعلق تاریخ ادارات قدیمہ صفحات از ۷۲ تا ۷۶ مصنفہ مین دیکھنا چاہئے۔ اگر شہریت کے متعلق قانون اور اُس خیال کی تاریخ دیکھنی منظور ہو تو کتاب شہریت و وفا شعاری مصنفہ سامنڈ دیکھنا چاہئے۔ یہی مضامین لا کوارٹرلی ریویو جلد ۱۷ صفحہ ۲۷۰ اور جلد ۱۸ صفحہ ۴۹ میں بھی شائع ہوے ہیں۔

اپنے ممبروں سے مالگزاری وصول کرتی ہے۔ اور اُنھیں اس کے ارشاد کے بموجب فرائض عامہ (کاروبار سلطنت) کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُس کے ہر ایک حکم اور فرمائش پر ان لوگوں کو سمعًا اور طاعتًا کہنا پڑتا ہے۔ بنائً علیہ ہر ایک سلطنت اپنے ارکان کی خاص طور پر حمایت و حفاظت نہیں کرتی بلکہ ارکان بھی ایک خاص قسم کے جبر و تعدی کے ماتحت ہوتے ہیں۔

امداد و وفاداری اور اطاعت کرنے کا یہ خاص فرض رعایا کی وفاشعاری کہلاتا ہے۔ تقسیم ارکان کی بنسبت سے اس فرض کی بھی دو قسمیں ہیں۔ جس طرح رعایا حمایت دائمی کی مستحق ہے اُسی طرح اُس کا فرض وفاشعاری بھی دائمی ہے۔ اور اس کے برعکس رعایائے غیر کا جو سلطنت میں چند روزہ سکونت رکھتی ہے فرض وفاشعاری عارضی ہے کیونکہ اُسے سلطنت سے پناہ عارضی ملتی ہے۔ چنانچہ رعایائے غیر کو جو اس سلطنت میں رہتی ہے مثل انگریزوں کے سلطنت کے ساتھ وفاداری سے پیش آنا اور اُس کے احکام و مرضی کی تعمیل اور اُس کے قوانین کی اطاعت و پابندی کرنا لازم ہے۔ لیکن جب کوئی رعیت غیر انگلستان کی سکونت ترک کرتی ہے تو وہ اپنا فرض وفاشعاری اپنے استحقاق پناہ سلطنت کے ساتھ اسی ملک میں چھوڑ دیتی ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی برطانوی رعیت حدود سلطنت کے باہر جاتی ہے تو وہ اپنے ساتھ ان دونوں امور کو لیجاتی ہے یعنے اُس کے سفر میں اُس کا حق اور فرض اُس سے جدا نہیں ہوتے۔ اور بیرون سلطنت جو کچھ نیکی یا بدی رعیت برطانیہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے اُس کے لئے وہ اپنی سلطنت کے پاس ذمہ دار ہے۔ بہرحال جہاں کہیں کوئی برطانوی رہتا ہے وہ سلطنت کے پنجہ سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اگر سلطنت سے باہر رہنے کے زمانہ میں وہ جرم بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے تو بعد واپسی انگلستان میں اُس سے اس الزام کی بازپرس ہوتی ہے۔ ایسا ہی اگر علاقۂ غیر میں اس پر تاج برطانیہ کے نائبوں کے ہاتھ سے کچھ ظلم و زیادتی ہوئی ہو تو ملک کی عدالتیں اُن نائبین اور حکام کے مقابلہ میں اس کی دادرسی کرتی ہیں۔ اور جب وہ علاقۂ غیر میں

سکونت رکھتا ہے تو دولت خارجہ کی دست درازیوں سے اس کو بچانا ہر برطانوی حکومت عاملانہ کا فرض ہے[1]۔

فصل ۹ دستور سلطنت

ہم نے ایک ایسی سوسائٹی کے ذریعہ سے سلطنت کی تعریف کی ہے جو ایک مخصوص غرض اور مخصوص فرض کی انجام دہی کے لئے بنائی جاتی ہے۔ اس تعریف سے ضمناً ایک مستقل اور معین انتظام کا اظہار ہوتا ہے یعنے سوسائٹی کی ایک معین اور باقاعدہ شکل و ساخت سمجھ میں آتی ہے اور اُس کا معین و مستقل عمل پایا جاتا ہے کسی بیرونی دشمن کے دفعیہ یا کسی اندرونی مجرم پر فیصلۂ عدالت

[1] ہر چند سلطنتیں اپنی رعایا کی حفاظت وحمایت کی غرض سے قائم ہوتی ہیں لیکن یہ حمایت وحفاظت ارکان سلطنت کے لئے بالکل مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ بعض مستثنیٰ حالتوں میں ایک محدود حد تک سلطنت اپنے اختیارات (صولت وقوت) سے اغیار کو فائدہ پہنچاتی اور اُن کے لئے سینہ سپر ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی ایسی مظلوم قوم کے واسطے جس کا سلطنت سے تعلق نہ ہو سلطنت جنگ اپنے سر مول لیتی ہے۔ اور بنظر انصاف ایسی نزاع میں جس سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا شریک ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ رعایائے غیر سے جو لوگ حدود سلطنت میں سکونت رکھتے ہیں اُن کے حق میں اپنی عدالتوں کے ذریعہ سے عدل گستری کرنے میں سلطنت کبھی انکار نہیں کرتی۔ لیکن اس طرح اغیار کی جو حمایت وحفاظت کی جاتی ہے اُس کی شاذ ونادر ہی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور نہ سلطنت کا یہ فعل حکومت کے مختصات میں داخل ہے۔ نہ تو تمام انسانوں کی حفاظت وحمایت اور نہ کل روئے زمین کو عدل وانصاف سے پُر کرنے کی غرض سے سلطنت کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ بلکہ ہر ایک سلطنت محض اپنے ارکان کی حفاظت جان ومال اور صرف اپنے علاقہ میں نظم ونسق برقرار رکھنے کے لئے بنائی جاتی ہے۔ ہر ایک ایسی سلطنت جو اغیار کی حفاظت وحمایت کرنے سے انکار کرے اُن مخصوص اغراض کو صحیح اور موزوں طریقہ سے انجام دے سکتی ہے جن کے لئے سیاسی نظم معاشرت قائم کی جاتی ہے۔

کی تعمیل کرنے یعنے خطا کار کو سزا دینے کی غرض سے جو چند منفرد اشخاص عارضی طور پر متحد ہوتے ہیں اُن سے جماعت سیاسی نہیں بنتی اور نہ ایسی جماعت صحیح طور پر سلطنت کہلا سکتی ہے۔ منفرد انسانوں کے اتحاد میں جب کسی قدر استقلال و انتظام محسوس ہونے لگتا ہے اور جب اُن کے متعدد مشترک افعال جن کو وہ غرض مشترک کے حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں ایک حد تک باقاعدہ اور معین ہو جاتے ہیں تو اُس وقت اُن کا اتحاد قدرتی نظم معاشرت سے سیاسی نظم معاشرت میں متبدل ہوتا ہے۔ جب تک کسی سوسائٹی میں اس طرح کا انتظام اختیار نہیں کیا جاتا خواہ اُس کے قبول کرنے میں اُس کے ارکان رضامند ہوں یا بجبر وہ اُن پر عائد کیا جائے یا رسم و رواج کے ذریعہ سے وہ اُسے اختیار کرلیں وہ سوسائٹی جماعت سیاسی یا سلطنت نہیں بن سکتی۔ اور جب تک نظم معاشرت سلطنت نہیں بنتی عضو یا رکن (انتظام) کا وجود نہیں ہوتا جس کے بغیر اُن فرائض و مناصب کی تعمیل جن پر حکومت سیاسی بنتی ہے نہیں ہو سکتی۔

زمانۂ موجودہ کی سلطنت کا انتظام نہایت پیچیدہ ہوتا ہے اور عموماً دو جداگانہ حصوں میں اُس کی تقسیم کیجاتی ہے اُس کے پہلے جزو کا تعلق سلطنت کے امور اساسی و ضروری سے اور دوسرے جزو کا تعلق امور ثانوی و ذیلی سے ہوتا ہے۔ یعنے پہلے حصہ سے ترکیب و ساخت سلطنت کی تفصیل متعلق ہے۔ اور دوسرے حصہ کے ذریعہ سے سلطنت اپنے عمل کا اظہار کرتی ہے۔ انتظام کے جزو ضروری و بنیادی کو دستور سلطنت کہتے ہیں۔ لیکن اس کے جزو ثانی کا کوئی نام بطور جنس نہیں قرار دیا گیا ہے۔

قانون دستوری جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے اُن قواعد قانونی کا مجموعہ ہے جس کے ذریعہ سے دستور سلطنت کا تعین کیا جاتا ہے جس طرح انتظام سلطنت کے اُس جزو میں جو دستور سلطنت کہلاتا ہے اور اُس کے باقی اجزا میں کامل طور پر فرق امتیاز کرنا نا ممکن ہے اُسی طرح قانون دستوری کو نظام قانونی (قانون ملک) کے دوسرے شعبوں سے صحیح اور کامل طور پر جدا کرنا دشوار ہے۔ بر ایں ہم جو امتیاز ان دونوں میں کیا جاتا ہے اُس کی غرض سہولت عملی ہے۔ بلحاظ نوعیت ان میں

چنداں فرق نہیں ہے اور جو کچھ فرق ان میں کیا جاتا ہے وہ درجہ کا (یعنے مقدم و موخر ہونے کا) امتیاز ہے۔ امور مملکت میں لوگوں کو جو اصول و قاعدہ یا عمل زیادہ اہم اور مفید و ضروری معلوم ہوتا ہے یا جس کا تعلق زیادہ تر اصل و بنیاد سلطنت سے ہے اُس کو وہ دستوری عمل و قانون جیسی کہ صورت ہو کہنے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس جن اصول و قواعد کا مخصوص اور محدود طور پر اطلاق کیا جاتا ہے لوگ اُن کا شمار قانون اور عمل دستور میں کم کرتے ہیں۔ چنانچہ سلطنت کی سب سے اعلیٰ مجلس وضع قوانین کی ترکیب اور اُس کے طریقۂ عمل کا تعلق قانون دستور سے سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سلطنت کی دیگر ماتحت مجالس وضع قوانین کی ترکیب و تنظیم اور اُن کا طریقۂ عمل جیسی کہ برطانوی نوآبادیوں میں پائی جاتی ہیں صحیح اور جائز طور پر قانون دستور میں داخل ہے۔ لیکن عموماً لوگ اس طرح کی ماتحت مجالس وضع قوانین کو جیسا کہ کوئی مجلس بلدی ہے دستور سلطنت کا کافی طور پر اہم اور بنیادی حصہ نہیں مانتے۔ اسی طرح اگر عدالت العالیہ کی تنظیم و ترکیب اور اختیارات کو مجملاً اور بطور خاکہ بیان کیا جائے تو لوگ اس بیان کو قانون دستور کا ایک جزو خیال کرتے ہیں۔ مگر اُن قوانین و ضوابط پر محاورہ زبان کے لحاظ سے اس قانون کا اطلاق نہیں کیا جاتا جن کے ذریعہ سے تحت کی عدالتیں قائم ہوتی ہیں یا جن کی وساطت سے عدالت العالیہ کی تفصیلی ترکیب و ساخت اور اُس کے ضابطہ (دستور العمل) کا تعین کیا جاتا ہے۔

انگلستان کے سوائے بعض دوسری سلطنتوں میں قانون دستوری کو قانون موضوعہ کی شکل میں ڈھال کر جو فرق اُس قانون اور ملک کے دوسرے قوانین میں ہے اُس کو اور بھی ممیز بنایا گیا ہے اور اس بنا پر اُن سلطنتوں میں دستور کے متعلق ایک مخصوص دستاویز تیار کی جاتی ہے جس کی دفعات و فقرات میں ملک کی مجلس وضع قوانین یا معمولی طرز کی وضع قوانین کے ذریعہ سے تبدیل و ترمیم نہیں ہوسکتی اس طرح کے دساتیر غیر ترمیم پذیر کہلاتے ہیں۔ اور ان کی ضد ترمیم پذیر دساتیر ہیں۔ مثلاً بانیانِ سلطنت جمہوری نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دستور کو

ایک دستاویز میں مرتب کیا ہے یعنے ترکیب و عمل سلطنت کے متعلق جس قدر اصول اُن کے خیال میں اہم و اساسی اور اس لئے دستوری معلوم ہوتے تھے اُن کو اُن لوگوں نے باہمی رضامندی سے قانون موضوعہ کی شکل میں ڈھال لیا ہے۔ اس سلطنت کی مختلف ریاستوں کی تین چوتھائی مجالس وضع قوانین کی رضامندی کے بغیر اس دستاویز میں رد و بدل نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس دستور انگلستان ترمیم پذیر ہے۔ اس کی نہ تو کسی دستاویز میں تعریف پائی جاتی ہے اور نہ کسی قانون موضوعہ کے ذریعہ سے یہ مرتب ہوا ہے اور بلحاظ طریقۂ تبدیل و ترمیم اس میں اور انگلستان کے کسی دوسرے قانون میں مطلقاً امتیاز نہیں ہو سکتا۔

ہم نے قانون دستوری کی تعریف قانونی اصول کا ایسا مجموعہ کی ہے جس کے ذریعہ سے سلطنت کے دستور کا تعین کیا جاتا ہے یعنے جس کے ذریعہ سے انتظام سلطنت کے ضروری اور اساسی اجزا معین کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تعریف اُس اعتراض سے بچ نہیں سکتی کہ قانون کس طرح دستور سلطنت کو معین کر سکتا ہے؟ چونکہ سلطنت کے قائم ہونے کے بغیر اُس میں قانون نہیں بنتا۔ اور دستور کے بغیر سلطنت کا قیام نہیں ہوتا اس لئے سلطنت اور اُس کا دستور لامحالہ قانون ملک سے مقدم ہیں۔ اچھا جب ایسا ہے تو قانون ملک کے ذریعہ سے دستور سلطنت کی کیونکر بنا ہو سکتی ہے؟ کیا قانون دستوری فی الواقع قانون ہے؟ کیا دستور سلطنت ایسی حقیقت اور واقعہ نہیں ہے جس کو قانون سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ قانون اور واقعہ دونوں پر دستور مبنی ہے۔ یعنے دستور بذات خود بذریعۂ قانون دونوں طرح سے قائم ہو سکتا ہے۔ دستور واقعی (منتظمین سلطنت کا وہ حصہ جو اُس کی اساس اور روح رواں خیال کیا جاتا ہے) ضرورتاً دستور قانونی (انتظام سلطنت کے متعلق اُن کا جو عنصر قانون بناتا ہے) کے تحت میں واقع ہوتا ہے۔ قانون دستوری اُن سب دستوری عملدرآمد پر شامل ہوتا ہے جن کو ملت تسلیم کرتی ہے

عدالتوں میں جس خارجی اور اصلی وحقیقی انتظام سلطنت کا عکس نظر آتا ہے
وہی قانون دستوری ہے۔ عدالتوں نے جس طریقہ سے نظریۂ دستور کو سمجھا ہے
اور جس حد تک وہ اس نظریہ کو تسلیم کرتی ہیں اسی کا نام قانون دستور ہے۔
ہم کو دستور سے بحث نہیں خواہ وہ کیسا ہی ہو لیکن قانون کی نظر سے دیکھنے
میں جو باتیں دستوری معلوم ہوتی ہیں انھی پر قانون دستور کا اطلاق کیا جاتا
ہے اور وہی قانون دستور ہیں۔ دستور واقعی کو دستور قانونی پر ازروئے منطق
تقدیم وتفوق ہے یعنے عملدرآمد دستور مقدم اور قانون دستوری موخر ہے۔
چنانچہ قانون کے بغیر سلطنت اور اُس کے دستور کا قیام ہوسکتا ہے لیکن
کسی ملک میں سلطنت اور دستور کے بغیر قانون نہیں بنتا اس بنا پر یہ کہنا
درست ہے کہ دستور کی بنا اور ماخذ قانون ملک نہیں ہوسکتا۔ اس میں شک
نہیں کہ دستور کی بنیاد قانون کے سوا کوئی اور شئے قرار پاسکتی ہے۔ کیونکہ
کسی سلطنت میں بھی دستور کے قائم ہونے کے بغیر قانون کے نام تک سے
لوگوں کے کان ناآشنا رہتے ہیں اور جب تک رسم ورواج اور عمل کے ذریعہ سے
فی الواقع دستور اُس ملک میں قائم نہیں ہوتا قانون کی بنا نہیں پڑتی۔ اور جب
ایک مرتبہ ان ذرائع سے دستور قائم کرلیا جاتا ہے تو اس وقت نہ کہ اُس کے
پہلے دستور کی جانب قانون کی توجہ مبذول ہوتی ہے۔ اور کمی وبیشی صحت
کے ساتھ بطور قانون دستور عدالتوں میں عملدرآمد دستور کا عکس نظر آنے لگتا
ہے جس طرح اُن امور کی نسبت جن کا تعلق عدل گستری سے ہے علمائے قانون
اپنے طور پر نظریات قانونی قائم کرلیتے ہیں اُسی طرح وہ دستور سلطنت کے
متعلق اپنے خیالات میں ترقی ہونے کے بعد نظریۂ قانونی بنا لیتے ہیں۔

اس قول کی مثال میں کہ ہر ایک دستور کا ماخذ اور مبداء قانون
نہیں ہے ہم ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو پیش کرتے ہیں۔ ابتداءً اُن
ریاستوں نے جن سے یہ سلطنت مرکب ہے تاج انگلستان کی جائز حکومت
کے خلاف بغاوت کرکے آزادی حاصل کی اور خود مختار ہونے کے بعد ان میں
کی ہر ایک ریاست نے برضامندی ملت متعلقہ جس کا اظہار بلاواسطہ

یا نمائندوں کے توسط سے کیا گیا تھا اپنے لئے ایک دستور قائم کر لیا۔ اچھا تو بتلائیے کہ کس قانون کی رو سے ایسا کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ قیام وساتیر کے پہلے ان نوآبادیوں میں قانون انگلستان کے سوائے کوئی دوسرا قانون نافذ نہ تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ریاستوں نے اس قانون سے اجازت حاصل کرنی تو درکنار بلکہ اس کی صریح خلاف ورزی میں ان نوآبادیوں نے بجبر اپنے یہاں یہ جدید ریاستیں اور جدید وساتیر قائم کر لئے۔ اس لئے ان ریاستوں کا قیام نہ صرف بلا اجازت قانون عمل میں آیا بلکہ خلاف قانون اُن کی بنا ہوئی ہے۔ لیکن ان کے ناجائز ہونے کے باوجود جب ان وساتیر کا ان باغی ریاستوں میں فی الواقع قیام ہو گیا تو اُن نوآبادیوں کی عدالتوں نے اُن کو جائز مان لیا۔ گویا قانون نے بھی جواز وساتیر کو تسلیم کر لیا۔ یعنی دستور کا عملاً قائم ہونا ہی تھا کہ قانون دستوری بھی آ پہنچا۔ عمل دستور کے قدم بقدم قانون دستور چلتا ہے چونکہ ان ریاستوں کی عدالتوں، وضع قوانین کی مجلسوں اور قانون کی اُن کے وساتیر کے ذریعہ سے ابتدا ہوئی اس لئے یہ چیزیں وہاں کے دستور سلطنت کی ماخذ نہیں ہو سکتی ہیں۔ امریکہ کے دستور پر ہی کیا موقوف ہے بلکہ ہر ایک دستور کی جو انقلاب سلطنت کے ناجائز طریقے سے بدلا جاتا ہے یہی کیفیت ہے۔ کس قانون کی رو سے برطانیہ کے مسودۂ قانون حقوق کی منظوری حاصل کی گئی اور کس حق قانونی کی بنا پر ولیم سوم تاج و تخت برطانیہ کا مالک بنا؟ برایں ہمہ آج بھی انگریز مسودۂ قانون حقوق کو صحیح اور جائز قانون مانتے ہیں اور شاہ ولیم کے بعد سے جس قدر سلاطین سریر آرائے برطانیہ ہوئے ہیں وہ از روئے قانون اُس کے جائز اور صحیح ورثا خیال کئے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات میں ذیل کے مقولہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ جب کوئی ایسی بات جس کو نہ ہونا چاہئے تھا ہو جاتی ہے تو دنیا اُس کو صحیح اور جائز مان لیتی ہے۔

بنا برعلیہ ہم کہتے ہیں کہ قانون دستور اصل میں دستور واقعی یعنی عمل دستور کا عدالتی نظریہ عکس اور تصویر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دستور کے

قانون اور عمل میں اُسی طرح کم و بیش اختلاف ہوتا ہے جس طرح کہ اور امور کے قانون و عمل میں فرق ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ قانون کی نظروں میں جس طرح دستور دکھائی دیتا ہے وہ اپنی خارجی حالت میں ہو بہو ویسا نہیں پایا جاتا۔ اکثر مسائل دستوری از روئے قانون صحیح معلوم ہوتے ہیں لیکن عمل انھی مسائل کو غلط ثابت کرتا ہے اور اس طرح کے امور عملاً صحیح پائے جاتے ہیں وہ قانون میں غلط ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو از روئے قانون اختیار حاصل ہوسکتا ہے لیکن فی الواقع وہ اس پر عمل نہیں کرتا مثلاً برطانیہ کے وضع توانین کے متعلق جس طرح از روئے قانون پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں کی رضامندی ضروری ہے اُسی طرح بادشاہ کی منظوری بھی لازم ہے۔ لیکن عمل اس کے خلاف کیا جاتا ہے اور کسی مسودۂ قانون کو منظور کرنے سے تاج برطانیہ کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس کیفیتی حکومت کے تمام طریقہ اور اُس نگرانی سے جو ہیئت العوام برطانوی حکومت علانیہ پر رکھتا ہے قانون ملک نا واقف ہے۔ یعنے قانون نے ان امور کو تسلیم نہیں کیا ہے مگر عمل ان کے مطابق ہوتا ہے۔ ان امور پر ہی موقوف نہیں بلکہ حدود سلطنت کے متعلق قانون اور عمل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر سلطنت کا کوئی صوبہ بغاوت کرکے خود مختار بن جائے تو فی الواقع وہ سلطنت کے حدود سے خارج ہوجاتا ہے۔ لیکن قانون مدتوں اُس کی آزادی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور جبتک ملک کا قانون ایسے خود مختار صوبہ کی آزادی کو نہ مانے اُس وقت تک از روئے قانون ایسا صوبہ سلطنت میں شامل اور اُس کے ماتحت سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کی کسی سلطنت کے دستور کے قانون اور عمل میں اس قدر اختلاف نہیں ہے جس قدر دستور انگلستان کے اصول و عمل میں فرق پایا جاتا ہے۔ بعض وقت برطانوی دستور کے قانونی امور اور اُس کے طرز عمل میں اس درجہ فرق ہوتا ہے کہ عقل حیران ہوجاتی ہے۔ دوسری سلطنتوں کے دساتیر بھی اس عیب سے بری نہیں ہیں۔ لہذا کسی دستور سلطنت کی مکمل کیفیت اس وقت تک بیان نہیں ہوسکتی جب تک کہ قانون دستور

کے ساتھ رواج دستور کا ذکر نہ کیا جائے یعنے کسی منتظم سلطنت کی عملی اور واقعی حالت کے بیان کرنے میں اس کے انتظام کی اس تشبیہ اور عکس کا ذکر کرنا بھی ضرور ہے جو نظریۂ قانونی میں نظر آتا ہے۔

اگرچہ دستور قانونی اور دستور عملی ایک نہیں ہیں لیکن ان میں ایک بنجانے کا میلان ہے، دستور کا قانون اور اس کا عمل ایک دوسرے پر اثر ڈالتے رہتے ہیں اور ایک کی کوشش دوسرے کو اپنے میں جذب کر لینے کی رہتی ہے، انتظام سلطنت کے واقعات خارجی کا میلان نظریۂ قانون کو اپنی طرز پر ڈھال لینے کا رہتا ہے، وضع قوانین کے ذریعہ سے یا عدالتوں کے توسط سے جو اپنے فیصلوں کے ذریعہ سے قانون بناتی ہیں ان واقعات کو قانون تسلیم کرکے ان کو اپنی شکل میں ظاہر کرتا ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ اُسی دستور پر قانون دستوری بنتا ہے جس کو سلطنت پہلے سے قائم کر لیتی ہے تاہم قانون کا کم وبیش سابق کے اس دستور پر اثر پڑتا ہے جس کے ذریعہ سے یہ قانون ایجاد ہوا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دستور کو قانون عدم سے وجود میں نہیں لاتا یعنے معدوم کو موجود نہیں بناتا مگر اس میں شک نہیں کہ موجودہ دستور میں (ایسے دستور میں جس کا وجود ہستیٔ قانون پر مقدم ہے) قانون کے ذریعہ سے بہت کچھ ترمیم ہوتی ہے۔ قانون دستوری کو بدلنے کے بغیر عمل دستوری میں ردوبدل کرنا ممکن ہے اور اس کے برعکس عمل دستور میں بلا تبدیلی قانون دستور ترمیم ہو سکتی ہے لیکن مناسب اور موثر طریقہ یہ ہے کہ عمل دستور میں ترمیم کرنی منظور ہو تو اُس کے قانون کو بدل دینا چاہئے کیونکہ جس طرح جماعت سیاسی (سلطنت) کی مرضی کا نہایت آسانی کے ساتھ مجلس وضع قوانین اور عدالتوں کے عمل کے ذریعہ سے اظہار ہوتا ہے اُسی طرح اُس کی خواہشات کی عمل دستور اور نظریۂ دستور میں عموماً جھلک نظر آتی ہے۔

فصل ۱۴۷ سلطنت کی کارفرمائی

ایک شخص یا چند اشخاص کو فرائض سلطنت سے جس کسی کام کے کرنے کا اختیار

حاصل ہوتا ہے اس کا نام سیاسی یا سیول قوت ہے۔ اس سے مراد وہ قابلیت ہے جس کے ذریعہ سے جماعت سیاسی میں سیاسی کاموں کے کرنے کا شوق پیدا کرایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اس کی کارگذاریوں اور مستعدیوں کی بابت ہدایت کیجاتی ہے۔ یہ وہ قابلیت ہے جس کے ذریعہ سے حکومت عاملانہ کے ہر ایک شعبہ میں ایک شخص کی مرضی اس محکمہ کے دیگر افراد کی خواہشوں پر موثر ہوتی ہے۔ اس طرح کے تمام اشخاص کے مجموعہ یا ان کی جماعتوں سے جن میں اس طرح کی سیول قوت (حکومت عاملانہ) تقسیم ہوتی ہے سلطنت کی کارفرمائی یا حکومت بنتی ہے۔ ایسے اشخاص یا جماعتیں اصل میں سلطنت کے ایجنٹ یا کارندے ہیں جن کے ذریعہ سے سلطنت مثل شخص واحد کے کام کرتی اور چلتی پھرتی ہے اور جس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ قائم ہوتی ہے اس کو انجام دیتی ہے۔

اختیار وضع قوانین، عدالتی اور عاملانہ اختیارات بلحاظ موضوع بیان

اختیار حکومت کی تین قسمیں ہیں یعنے اختیارات متعلق وضع قوانین و عدالت و انتظام مملکت کہلاتے ہیں اور اسی بنا پر حکومت ملک تین محکموں میں منقسم ہوتی ہے یعنے مجلس وضع قوانین، محکمۂ عدالت اور محکمہ جات انتظامی۔ جن فرائض کا تعلق ان میں کے پہلے اور دوسرے محکموں سے ہے ان کا سابق میں بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے اور حکومت کے شعبوں میں سے وضع قوانین اور عدالتی محکموں کو منہا کرنے کے بعد صرف شعبۂ عاملانہ بچ رہتا ہے اور یہی حکومت کا مابقی حصہ ہے۔

فرمانروایانہ اور ماتحت اختیار۔ بلحاظ وسعت سیول قوت یا اختیار حکومت خواہ اس کا تعلق وضع قوانین، عدالت یا محکمۂ عاملانہ سے ہو دو قسمیں ہیں فرمانروایانہ اور ماتحتانہ۔ اختیار مطلق کو یعنے ایسے اختیار کو جو اپنے دائرۂ عمل میں کسی دوسری قوت کا ماتحت نہ ہو اور جس پر کسی دوسری قوت کی نگرانی نہ ہو سب سے اعلیٰ اختیار یا اختیار فرماں روایانہ کہتے ہیں۔ ہر ایک فرمانروا قوت اپنے دائرۂ اختیار میں عمل کر سکتی ہے اور اس کا اثر اس کی رعایا پر پڑتا ہے۔ اس کا یہ اختیار کسی دوسرے شخص کے اختیار کا محتاج اور تابع نہیں ہوتا۔

جو فعل اختیار فرمانروایانہ کے ذریعہ سے صادر ہوتا ہے اس کو کوئی دوسری قوت جس کو دستور سلطنت تسلیم کرتا ہو نہ روک سکتی اور نہ منسوخ کرسکتی ہے۔ اس کے برعکس ماتحت قوت خود اپنے دائرۂ عمل میں ایک دوسری بیرونی قوت کے زیر نگرانی سمجھی جاتی ہے یعنے یہ اختیار ایک دوسرے اعلیٰ اختیار کا تابع اور اُسی سے ماخوذ خیال کیا جاتا ہے چنانچہ جس دستوری فرمانروایانہ قوت کے ذریعہ سے اس طرح کے ادنیٰ اختیار کی ایجاد ہوتی ہے وہ اس کے دائرۂ عمل کو محدود کرسکتا یا اس کے متعلق ہدایت دے سکتا یا اُس کو عمل کرنے سے روک سکتا ہے[1]۔

فصل ۴۲ خود مختار اور ماتحت سلطنتیں

سلطنتوں کی دو قسمیں ہیں خود مختار اور ماتحت۔ خود مختار یا فرمانروایانہ سلطنت اس ریاست کو کہتے ہیں جو اپنی ذات سے قائم اور مکمل ہو اور دوسری کسی بڑی ریاست کا جزو یا اس کی حکومت کے تابع نہ ہو۔ اس کے برعکس ماتحت یا غیر فرمانروایانہ سلطنت وہ ہے جو بذات خود نہ تو مکمل ہو اور نہ قائم بلکہ ایک دوسری بڑی سلطنت کے اجزائے ترکیبی سے یہ بھی ایک جزو اور اُس کی حکومت کے تابع ہو۔ مثلاً سلطنت برطانیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور ریاست اطالیہ خود مختار سلطنتیں ہیں لیکن آسٹریلیا کی جمہوری حکومت

---

[1] اکثر علمائے قانون وسیاست کی رائے میں تصور فرمانروائی کو نظریۂ سلطنت میں خاص امتیاز حاصل ہے بلکہ فرمانروائی (سب سے اعلیٰ اختیار) کو وہ اس نظریہ کی روح رواں خیال کرتے ہیں۔ اس اختیار کی حقیقت اور اصلیت کے متعلق بعض مصنفین مسائل ذیل کو ضروری خیال کرتے ہیں یعنے:- (۱) کوئی سلطنت اس اختیار کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، (۲) یہ اختیار ناقابل تقسیم ہے یعنے دو یا دو سے زیادہ حکام میں یہ تقسیم نہیں ہوسکتا اور (۳) قانون میں یہ اختیار مطلق اور غیر محدود سمجھا جاتا ہے یعنے اس کے دائرۂ عمل کی کوئی انتہا نہیں ہوسکتی۔ نظریۂ سیاست کے اس دشوار اور اہم تصدیہ کی نسبت ایک علیحدہ ضمیمہ اس کتاب کے آخر میں اضافہ کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے اس کے تفصیلی حالات معلوم ہوسکتے ہیں۔

(کامن ویلتھ۔ دولت عامہ یعنی (رفاہ عام)) قلمروئے کینیڈا اور کیلیفورنیا اور نیویارک کی ریاستیں ماتحت سلطنتیں ہیں کیونکہ یہ اپنی ذات سے قائم نہیں ہیں بلکہ ان میں کی ایک ریاست سلطنت برطانیہ اور دوسری ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومتوں کے ماتحت اور زیر نگرانی ہے۔

بعض اہل فن کے نزدیک ماتحت سلطنت حقیقی معنوں میں سلطنت نہیں سمجھی جاتی، ان کا خیال ہے کہ ایک خودمختار سلطنت کے ترکیبی اور ماتحت حصوں کو اصولاً سلطنت کے نام سے نہیں بلکہ نوآبادیوں، صوبوں اور علاقوں کے القاب سے ملقب کرنا چاہیئے اور اگر ان میں سے کسی لفظ کا اطلاق مناسب نہ معلوم ہو تو اس طرح کی سلطنت کے لئے کوئی اور نام تجویز ہونا چاہیئے، بہرحال اس کو سلطنت سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ انگریزی زبان کے روزمرہ کے خلاف، ماتحت سلطنت کے لئے کوئی دوسرا نام تجویز کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا اس کے علاوہ زبان مذکور کا یہ رواج از روئے منطق جائز قرار پایا ہے۔ ایک مکمل شئے کے نام سے اس کے کسی جزو کو موسوم کرنے کے لئے دیکھنا چاہیئے کہ جو ضروری خاصیت شئے میں ہے وہی اس کے جزو میں ہو سکتی ہے کہ نہیں۔ اگر بلحاظ خاصیت شئے اور اس کا جزو ایک ہے تو دونوں ایک ہی لقب سے ملقب ہو سکتے ہیں مثلاً رسّی کے حصہ کو رسّی کہنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا جزو اس قدر طویل ہو جو ایک معمولی رسّی کے طور پر کام دے سکتا ہو لیکن شلنگ کے حصہ کو شلنگ کہنا درست نہیں ہو سکتا لہذا کسی سلطنت کے ایک علاقہ منقسم یعنے جزو کو سلطنت کہنا صرف اس امر یا خاصیت پر منحصر ہے کہ وہ حصہ اپنی ہستئ جداگانہ کے لحاظ سے ان تمام فرائض کی تعمیل کرتا ہے یا ان کی انجام دہی کے قابل ہے جن کو ایک سلطنت بجا لاتی ہے لیکن یہ معیار بھی اس خودمختاری یا آزادانہ عمل پر منحصر ہے جس کی ہر ایک سلطنت کا دستور بلحاظ ضرورت اپنے ملک میں اجازت دیتا ہے اور بطور کلیہ ایسے ہر ایک علاقہ (قطعۂ زمین) کو سلطنت کہہ سکتے ہیں جس میں اس کے مخصوص وضع قوانین، عدالت اور عاملانہ محکمے ہوں اور جس سلطنت کی

امن و انصاف قائم رکھنے کی غرض سے اس طرح علیحدہ تنظیم ہوی ہو۔ لہٰذا آسٹریلیا کی جمہوری حکومت کو سلطنت کہنا صحیح ہے حالانکہ وہ اپنے سے ایک بہت بڑی سلطنت یعنے برطانوی شہنشاہی کا ایک حصہ ہے۔ اس کو اس لئے سلطنت کہا جاتا ہے کہ اس پر سلطنت کی تعریف صادق آتی ہے اور اس تعریف کے مطابق ہر ایک سوسائٹی (انجمن وجماعت) جو اپنے افراد میں عدل و انصاف قائم کرنے اور ان کو بیرونی دشمنوں کے حملے سے بچانے کی غرض سے تنظیم کیجاتی ہے سلطنت کہلاتی ہے اس لئے اگر سلطنت آسٹریلیا خود مختار ہوجائے تو اس کو اپنے دستور کے بدلنے کی نوبت نہ آئے گی یا اپنے فرائض موجودہ میں کم و بیش کرنے کے بغیر وہ ایک جداگانہ اور اپنی ذات سے آپ قائم شدہ ملت سیاسی بن سکتی ہے۔ لیکن کسی بلدیہ یا میونسپل کارپوریشن اور مجلس ضلع کو سلطنت کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں نہ تو جماعت سیاسی بننے کی خاصیت ہے اور نہ یہ ان اغراض کی تکمیل کرتی ہیں جن کے لئے اس دوسری قسم کی انجمن یا جماعت تنظیم دی جاتی ہے۔

قانون بین الاقوامی کا موضوع بیان صرف خود مختار یا فرمانروایانہ سلطنتیں ہوسکتی ہیں اور محض اُن قواعد پر یہ قانون مبنی ہے جن کا تعلق ایسی سلطنتوں کے تعلقات باہمی کی تنظیم سے ہے اس لئے قانون بین الاقوامی میں ماتحت سلطنت اکائی کا کام نہیں دے سکتی اور اس کا شخصی وجود تسلیم نہیں کیا جاتا۔ بہرکیف اس قانون کے لحاظ سے ایک ماتحت سلطنت اُس بڑی اور خود مختار سلطنت کے دستور کی تفصیل خیال کی جاتی ہے جس کا وہ ایک جزو ہوتی ہے۔ چونکہ اس ماتحت سلطنت کی اندرونی ساخت و ترکیب اس کے مخصوص قانون دستوری پر منحصر ہوتی ہے اس لئے قانون اقوام کا اس قانون سے کوئی تعلق نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ قلمرو ئے کینڈا یا ریاست وکٹوریہ کی ہستی واقعۂ بین الاقوامی نہیں بلکہ واقعۂ دستوری ہے کیونکہ قانون اقوام کی رو سے تمام سلطنت برطانیہ ایک منفرد اور غیر منقسم عدد ہے۔[۱]

[۱] اگرچہ بین الاقوامی قانون میں لفظ سلطنت کا عام مفہوم خود مختار سلطنت ہے لیکن

فصل ۳۴ منفرد اور مخلوط سلطنتیں

سلطنتوں کی دو قسمیں ہیں منفرد اور مخلوط۔ انفرادی اور بسیط سلطنت وہ ہے جو ایسے چند علاقوں سے جو فی نفسہ سلطنتیں ہیں مرکب نہ ہو۔ اس کے برعکس سلطنت مخلوط ایسی سلطنت ہے جو چند سلطنتوں کے مجموعہ سے مرکب ہوئی ہو۔ چنانچہ سلطنت برطانیہ ایک مخلوط سلطنت ہے اس لئے کہ اس کے اکثر علاقوں کی ایسی حکومت خود اختیاری ہے جس پر سلطنت کا اطلاق صادق آتا ہے اور اس کی بعض ریاستیں جو اس کی اجزائے ترکیبی ہیں بذات خود مخلوط سلطنتیں ہیں مثلاً آسٹریلیا اور کینیڈا ایسی انفرادی ریاستوں سے مرکب ہیں جیسا کہ نیوزی لینڈ اور کیوبک کی ریاستیں ہیں۔

مخلوط سلطنتوں کی بھی خواہ وہ ماتحت ہوں کہ خود مختار دو جداگانہ قسمیں ہیں شہنشاہانہ اور متفقہ سلطنت مخلوط کے اجزائے ترکیبی کے اتحاد کا سبب خواہ وہ شہنشاہانہ ہو کہ متفقہ حکومت مشترکہ ہے اور ان دونوں قسم کی سلطنتوں کی حکومت مشترکہ میں جو فرق ہے اس کی وجہ سے ان دونوں میں امتیاز کیا جاتا ہے چنانچہ شہنشاہانہ سلطنت میں کسی ایک حصہ کی حکومت اس کل سلطنت کی مشترک اور عام حکومت سمجھی جاتی ہے اور اس کے خلاف

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اس مقام پر اس لفظ کے جو دوسرے معنی اس کے مفہوم کے قریب قریب ہیں ذیل میں بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) خود مختار یا ماتحت جماعت سیاسی۔

(ب) خود مختار جماعت سیاسی۔

(ج) حکومت جماعت سیاسی۔

(د) علاقہ یا عملداری جماعت سیاسی۔

بجز ان صورتوں کے جہاں مضمون عبارت سے ظاہر ہوتا ہو اس کتاب میں لفظ سلطنت ان میں کے سب سے پہلے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

سلطنت متفقہ میں کسی ایک حصہ کی حکومت اس سلطنت کے تمام اجزائے ترکیبی کے لئے عام اور مشترک نہیں ہوتی بلکہ ایسی سلطنت میں ایک مرکزی حکومت ہوتی ہے اور اُس کی تمام عنصری سلطنتیں اُس صدر حکومت میں شریک رہتی ہیں۔ چنانچہ سلطنت برطانیہ کی ترکیب شہنشاہانہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ترکیب متفقہ واقع ہوئی ہے۔ ان میں کی پہلی سلطنت میں اجزائے ترکیبی کا ایک حصہ یعنے برطانیۂ عظمیٰ اور آئرلینڈ کو دوسرے تمام اجزا پر تفوق حاصل ہے اور یہی حصہ اس حکومت اور اختیار کا سرچشمہ ہے اور اس نے ان سب کو ملاکر ایک سلطنت بنادیا ہے۔ حکومت ریاست متحدہ (برطانیۂ عظمیٰ و آئرستان) کی دو حیثیتیں مقامی اور شہنشاہانہ ہیں۔ مقامی حیثیت کے لحاظ سے حکومت انگلستان اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کا اسی طرح انتظام کرتی ہے جس طرح سڈنی کی حکومت نیوسوتھ ویلز کے امور مملکت کو انجام دیتی ہے لیکن اس کی دوسری حیثیت کے لحاظ سے وہ تمام قلمروئے برطانیہ کی حکومت سمجھی جاتی ہے اور اُس عام اور مشترکہ حکومت کا منبع ہے جس نے اپنی تمام عنصری سلطنتوں کو متحد کر کے ایک جماعت سیاسی بنادیا ہے۔ لیکن دستور متفقہ میں جو شہنشاہی دستور کا ضد ہے کسی ایک عنصری سلطنت کو اس طرح کی سیاسی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ اس طرح کی کل سلطنت کی ایک حکومت ہوتی ہے جس کے حصہ دار اس کے مختلف اجزا ہوتے ہیں۔ شہنشاہانہ حکومت کے ایک ہونے کا سبب وہ تعلق اور نسبت ہے جو اس کے ایک مخصوص حصہ کو دوسرے حصوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن سلطنت متفقہ کو ایک ماننے کی وجہ وہ نسبت ہے جو اس کے تمام حصوں کو اس کی مرکزی اور عام حکومت سے ہے[1]۔

[1] بعض صورتوں میں ایک مرکب سلطنت چند شہنشاہانہ اور چند متفقہ سلطنتوں سے مخلوط ہوتی ہے چنانچہ بعض وقت ایک متفقہ سلطنت کے ماتحت چند ایسے علاقے اور ملک ہوتے ہیں جن پر وہ شہنشاہانہ حکومت کرتی ہے جیساکہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے ملک غیر میں چند علاقے فتح کئے ہیں۔ اسی طرح ایک شہنشاہانہ سلطنت میں چند ایسے ماتحت علاقے واقع ہوسکتے ہیں جو بذات خود متفقہ سلطنتیں ہیں مثلاً آسٹریلیا کی جمہوری حکومت جو ایک متفقہ سلطنت ہے اور شہنشاہانہ سلطنت برطانیہ کی ماتحت ہے۔

خلاصہ

تعریف سلطنت

فرائض سلطنت { ضروری } عدل گستری (نظم معدلت) جنگ
{ ضمنی }

وہ تعلقات جو ان دو فرائض ضروری میں ہیں عدالتی اور غیر عدالتی طریقے سے جبر اور قوت کا استعمال کیا جانا۔

ادنیٰ درجہ کے اختلافات۔

علاقہ یا عملداری سلطنت۔

ارکان سلطنت { شہری یا رعایا
اجانب سکونت پذیر (سکونت پذیر رعایائے غیر)

شہریت کے تاریخی حالات

شہریت اور قومیت۔

وفاشعاری { بالذات اور دائمی۔
مقامی اور عارضی۔

دستور سلطنت۔

قانون دستوری۔

اس کی ماہیت۔

اس کا دستور واقعی سے تعلق۔

حکومت یا کارفرمائی سلطنت۔

اختیار حکومت (سیول اختیار):-

اختیار وضع قوانین، عدالتی اور عاملانہ اختیار۔

فرمانروایانہ اور ماتحتانہ اختیار۔

خودمختار اور ماتحت سلطنتیں۔

انفرادی اور مخلوط (مرکب) سلطنتیں۔

شہنشاہانہ اور متفقہ سلطنتیں

چھٹا باب

ماخذہائے قانون

فصل ۴۴ ماخذہائے صوری و مادی

ماخذ قانون ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے چند مفہوم ہیں اس لئے ان کے معنوں میں جو اختلافات ہیں ان کا ذکر اس مقام پر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ قانون کے طالب علموں کو سب سے پہلے قانون مجرد (یا قانون ملک) کے ماخذ صوری و ماخذ مادی کے فرق کو سمجھنا چاہئے۔ ماخذ صوری قانون کا وہ ماخذ ہے جس کے ذریعہ سے ایک قانونی قاعدہ اپنا جواز و اثر حاصل کرتا ہے۔ اور جو قانون ملک کو مستند بناتا ہے۔ اس کے برخلاف ماخذہائے مادی سے قانون اپنا مواد نہ کہ جواز حاصل کرتا ہے۔ ماخذ مادی سے قاعدہ کا مواد فراہم کیا جاتا اور ماخذ صوری سے اس کو اثر و خاصیت قانونی حاصل ہوتی ہے۔

قوانین ملک کے تمام مجموعہ کا ماخذ صوری ایک ہے یعنے سلطنت کی مرضی و اختیار جس کا عدالتوں کے ذریعہ سے ملک میں اظہار ہوتا رہتا ہے۔ نظم معدلت میں جن قواعد کو منظم جماعت سیاسی منظور و قبول کر لیتی ہے وہی بلحاظ تاثیر قانون بنجاتے ہیں اور ان کے سوائے جو دوسرے قواعد ہیں خواہ وہ کیسے ہی اہم و مفید کیوں نہوں اُن کی ایسی تاثیر اور قوت نہیں ہوتی۔ مختلف اور متعدد قسم کے مادی ماخذوں سے قانون ملک کا مواد فراہم ہو سکتا ہے لیکن از روئے قانون سلطنت کی عدالتوں کی منظوری کے بغیر وہ جائز و نافذ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قانون رسم کا ماخذ مادی ان لوگوں کے رسوم و رواجات ہیں جو اس کے تابع ہیں لیکن اس کا ماخذ صوری بھی وہی ہے جو قانون موضوع کا ہے یعنے سلطنت کی مرضی و خواہش۔

فصل ۵۴ ماخذ ہائے قانونی و تاریخی

اگرچہ قانون ملک کا ماخذ صوری ایک ہے، لیکن اُس کے مادّی ماخذ متعدد ہیں اور ان ماخذوں کے دو مجموعے ہیں جن میں قانونی اور تاریخی دو صفتوں کے لگانے سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کے ایسے ماخذ ہیں جن کو قانون تسلیم کرتا ہے اور دوسری قسم کے ماخذوں کا واقعات سے تعلق ہے لیکن قانون کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ ایک نازک و اہم فرق ہے اور اس کو توجہ سے سمجھنا چاہیئے جس مواد سے قانون کا ایک قاعدہ بنتا ہے اگر اس کی تحقیق کیجائے تو ایک طویل سلسلہ کا پتہ چلتا ہے یعنے قاعدہ کی بنا مواد در مواد ہوتی ہے تاہم اس کا بلاواسطہ اور راست ماخذ کسی ایک انگریزی عدالت کا فیصلہ قرار پا سکتا ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ اس انگریزی عدالت نے اپنے فیصلہ کا مواد کسی قانون داں کی تحریرات سے لیا ہو فرض کرو کہ اس نے مشہور فرانسیسی پاتیر (Pothier) عالم قانون کے اقوال کو اس فیصلہ کی بنا قرار دی ہو اور پاتیر نے اپنی تصانیف کا مواد شہنشاہ جسٹی نین کی تالیفات قانونی کو گردانا ہو اور شہنشاہ مذکور نے ان تالیفات کو فیصلہ جات پریٹر پر مبنی کیا ہو۔ بہرحال ایسی صورت میں قانون انگریزی کے قاعدۂ متذکرۂ صدر کے مادّی ماخذ علی التسلسل فیصلۂ عدالت انگریزی، تصانیف پاتیر، مجموعۂ قوانین ملک روم اور فیصلۂ پریٹر ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ جس نظیر پر انگریزی قانون کا قاعدہ مبنی ہے وہی اس کا قانونی ماخذ ہے اور دوسرے ماخذ جن کا ذکر کیا گیا اس قاعدے کے محض تاریخی ماخذ ہیں۔ نہ صرف واقعات کی بنا پر بلکہ بلحاظ قانون، نظیر مذکور اس قاعدہ کی ماخذ ہے اور دوسرے جس قدر اس کے ماخذ ہیں ان کا واقعات سے تعلق ہے لیکن قانون ملک ان کو ماخذ نہیں مانتا چنانچہ قانون انگلستان فی الواقع اثر کی ماہیت اور تاثیر سے بخوبی واقف ہے لیکن پاتیر اور شہنشاہ جسٹی نین اور رومن پریٹر شہر کے متعلق اس کو کوئی علم نہیں۔ اس مسئلہ کا منشا کہ ہر ایک اصول (وقاعدہ) جس پر عدالتی فیصلہ مبنی کیا جاتا ہے یا جو فیصلۂ عدالت میں داخل ہو جاتا ہے بعد کے فیصلوں کے لئے قانون کی تاثیر رکھتا ہے نہ صرف قانون انگلستان کی

ترقی کو بطور واقعۂ تاریخی بیان کرتا ہے بلکہ وہ فی نفسہٖ ایک قاعدۂ قانونی ہے اور یہ مسئلہ کہ قانون روما کا اکثر حصہ قانون انگلستان میں داخل ہو کر اُس کا جزو بن گیا ہے محض ایک واقعہ کو بیان کرتا ہے لیکن اس کو نہ تو قانون ملک تسلیم کرتا ہے اور نہ اس کو اُس سے کوئی تعلق ہے۔

قانون ملک کے قانونی ماخذ سندی اور اُس کے تاریخی ماخذ غیر سندی ہیں۔ پہلی قسم کے ماخذوں کو عدالتیں حق کے مانند تسلیم کرتی ہیں لیکن دوسری قسم کے ماخذوں کی یہ شان نہیں ہے۔ برایں ہم قانون کی ترقی میں ان سے بہت مدد ملتی ہے چنانچہ انگلستان (کارٹر) قوانین موضوعہ اور جیرمی بنتھم کی تصنیفات دونوں برابر انگریزی قانون کے مادی ماخذ ہیں اور جو لوگ اُس قانون کی تاریخ لکھتے ہیں ان کو دونوں کتابوں کے متعلق اپنی تصانیف و تالیف میں بیان کرنا لازم ہے اور جس قدر قانون اب تک ملک مذکور میں قائم ہو گیا ہے اس کا ماخذ اس مشہور اور لائق مصلح قانون کی ضخیم و مبسوط قانونی کتب ہیں۔ اس پر بھی ان دونوں میں ایک قابل غور فرق ہے جس امر کے متعلق جو ہدایت کتاب قانون موضوعہ میں درج ہے وہ قانون ہے کتاب مذکور میں کسی امر کے اندراج پانے کی دیر ہے کہ وہ قانون بنجاتی ہے لیکن جو کچھ بنتھم نے لکھا ہے اس کا قانون یا عدم قانون ہونا دونوں باتیں ممکن ہیں۔ اس کی تحریرات اپنے حق کی بنا پر اپنے کو قانون نہیں منوا سکتی ہیں بلکہ ملک کی مجلس وضع قوانین اور عدالتیں ان تحریرات اور اقوال کو اُن کی خوبیوں کے سبب سے محض اپنی خوشی و رغبت سے قانون کا سا اثر عطا کرتی ہیں یعنے ان دو محکموں کی خوشنودی پر بنتھم کی تصنیفات کا قانون قرار پانا موقوف ہے۔ اسی طرح انگریزی عدالتوں کے فیصلے قانون انگلستان کے ماخذ قانونی ہیں لیکن امریکہ کی عدالتوں کے نظائر اس قانون کا محض تاریخی اور غیر سندی ماخذ خیال کئے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزی حکام عدالت ان دوسری نظائر کا پاس کرتے اور انھیں نظر وقعت سے دیکھتے ہیں اور انگریزی قانون کا ایک معتد بہ حصہ ان پر مبنی ہے تاہم وہ سندی نہیں ہیں کیونکہ امریکہ کے فیصلوں پر انگلستان کی عدالتیں عمل کرنے کے لئے مجبور نہیں ہیں البتہ

اُن کے ذریعہ سے حکام مذکور کو ترغیب دیجا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ انگلستان کا قانون اور اس کا قاعدہ بھی ان کو تسلیم نہیں کرتا۔

ہر ایک ملک صرف قانونی ماخذوں کے ذریعہ سے اپنے نظام قانونی میں جدید اصول داخل و قائم کرتا ہے اور تاریخی ماخذوں کا قانون ملک پر محض بالواسطہ اور ضمنی طور پر اثر پڑتا ہے بلحاظ سلسلہ اگر اس طرح کے متعدد مادّی ماخذوں کو ایک زنجیر سے تعبیر کریں تو ان میں کی سب سے اخیر کڑی جس سے کوئی قاعدۂ قانون ملا ہوا ہوتا ہے اُس کا ماخذ سمجھی جاتی ہے اور اس کے پہلے کی جس قدر کڑیاں ہیں وہ اس قاعدہ کی تاریخی ماخذ متصور ہوتی ہیں۔ ہم کو اس باب میں قانون کے محض قانونی ماخذوں کو بیان کرنا منظور ہے اور قانون کے ماخذ صوری کا ذکر ضمناً اُس کی تعریف میں داخل ہے اور اس کے متعلق سابق میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ اس سے تاریخی ماخذوں کا تعلق تاریخ قانون سے ہے، مسئلۂ قانون کو ان سے کوئی سروکار نہیں اس لئے بعد ازیں جب کبھی ہمارے قلم سے قانونی ماخذ کے الفاظ نکلیں تو ہماری مراد ان سے محض قانونی ماخذ نہ کہ تاریخی ماخذ ہوگی۔

اس مقام پر اگر ہم ایک دوسرے اعتبار سے ان ماخذوں کی تعریف کریں تو اس مضمون کے سمجھنے میں جو کسی قدر دشوار ہے طلبہ کو آسانی ہوگی۔ ہر ایک ترقی کرنے والی ملت (ملک) کے قانون میں علی الاتصال ترقی ہونے سے اس کی حالت بدلتی رہتی ہے اور یہ قانونی ارتقا اتفاقی طور پر یا بلا اصول و قاعدہ نہیں ہوا کرتا۔ اس طرح کے ترقی یافتہ ملکوں میں حکام عدالت اپنے اختیار تمیزی سے تصفیۂ مقدمات میں آج ایک قانون کا اور کل کسی دوسرے قانون کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان ممالک کے قانون کی بالیدگی اور ترقی بھی قاعدہ و قانون کے تابع ہوتی ہے۔ ہر ایک ملک کا نظام قانونی ایسے چند قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے اس میں قانون جدید کا قیام اور قانون قدیم کی تنسیخ عمل میں لائی جاتی ہے یعنے یہ قواعد عدالتوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتے ہیں، اُن کے ذریعہ سے حکام عدالت اُن جدید اصول کو جن سے فلاں فلاں قسم کی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے جدید اصول قانونی کے طور پر تسلیم کرکے ان کو

قدیم قانون کے عوض یا بطور ضمیمہ اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ مقولہ کہ ہر ایک اصول کی جس پر کوئی فیصلۂ عدالت مبنی ہوتا ہے قانون کی سی تاثیر ہے قانون انگلستان کا ایک اصول ہے۔ اسی طرح قوانین موضوعہ (اسٹاچیوٹ) اور ایسے قدیم رسوم کے قانون بنانے کے اثر کو قانون تسلیم کرتا ہے۔ جن کے زمانۂ آغاز کو لوگ بھول گئے ہوں۔ بہرحال اس طرح کے قواعد سے قانون ملک کے ماخذوں کا قیام ہوتا ہے لہذا ہر ایک ایسا واقعہ جس کی بنا پر عدالت کسی قاعدۂ جدید کو قانون نافذہ کے مثل تسلیم و منظور کرتی ہے۔ قانون کا ماخذ ہو سکتا ہے کسی جدید اصول قاعدہ کو عدالت کے قبول و منظور کر لینے سے وہ قانون بنجاتا ہے اور نظم عدالت میں اس کا اسی طرح لحاظ کیا جاتا ہے جیسا کہ قانون نافذہ کا۔

فصل ۴۶ فہرست ماخذہائے قانونی

قانون کی ماہیت و نوعیت سے اس کے ماخذوں کی ماہیت و نوعیت مستنبط نہیں ہو سکتی کیونکہ قانون کا ماخذ مستقل و ضروری شئے نہیں بلکہ ایک عارضی اور غیر معین امر ہے۔ نہ تو کل نظامات قانونی کے ایک سے ماخذ ہیں اور نہ ایک ہی ملک کے قانون کے ہمیشہ ایک ہی قسم کے امور ماخذ ہوتے ہیں بلکہ اس کی ترقی کے مختلف زمانوں میں مختلف ماخذ ہوا کرتے ہیں بہرحال قانون کے ایسے پانچ ماخذوں کا پتہ چلتا ہے جو انگلستان اور دوسرے ملکوں میں نہایت اہم مانے گئے ہیں اور یہ حسب ذیل ہیں۔ وضع قوانین، رواج، نظائر، ماہرین قانون کی رائے اور اقرار۔ جماعت منتظم و سیاسی کے کسی موزوں جز و مقتدر کی جانب سے جب کسی قاعدے اور اصول کے متعلق جو ارشاد و اعلان ہوتا ہے اس کو وضع قانون کہتے ہیں اور جب اسی جماعت کے اکثر و بیشتر افراد اپنے کاروبار میں کسی ایک طریقہ کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے سبب سے ان کے عمل میں یکرنگی پیدا ہوتی ہے تو وہ طریقہ رسم کہلاتا ہے۔ عدالتیں فصل خصومات میں جس ایک اصول کا چند

مخصوص واقعات پر اطلاق کرتی ہیں اس کا نام نظیر ہے۔ قانون پیشہ اور قانون داں لوگوں کی کثرت جس اصول کو پسند اور تسلیم کرتی ہے اس کو اہل فن اور ماہرین کی رائے کہتے ہیں ایسا اصول وقاعدہ جس کا اثر فریقین معاملہ کے حقوق پر پڑتا ہے اور جس کو وہ اپنی صوابدید سے بخوشی اختیار کرتے ہیں اقرار کہلاتا ہے۔ چونکہ ان اصول کو جو ان پانچ شکلوں میں بیان کئے گئے ہیں عدالت مثل قانون ملک تسلیم کرتی ہے لہذا انھیں پانچ اصول پر قانون ملک کے ماخذوں کی بنا ہے۔

جس قانون کا ماخذ وضع قوانین ہے وہ اسٹاچیوٹ، موضوعہ اور تکلفی قانون کہلاتا ہے اور جس قانون کی بنا رواج ہے اس کو قانون رواجی کہتے ہیں عدالتی فیصلوں کے ذریعہ سے قانون نظائری اور اقرار کے ذریعہ سے قانون معاہدہ بنتا ہے اور جو قانون کہ اہل فن یا ماہرین کی رائے سے بنایا جاتا ہے اس کے لئے اگرچہ کوئی مخصوص لقب انگریزی زبان میں موجود نہیں ہے لیکن ہم جرمنوں کی تتبع میں اس کے لئے قانون قضائت یعنے قانون وضع کردۂ قضاۃ تجویز کرتے ہیں[1]۔

اکثر ملکوں اور قوموں میں انھی پانچ ماخذوں کو جو قانون بنانے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اس کے دو مخصوص سبب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ جو اصول ان ماخذوں سے مستنبط ہوتے ہیں ان کو لوگ صحیح ومنصفانہ اور عدالتوں کے قبول کرنے کے قابل خیال کرتے ہیں۔ مجلس وضع قوانین کے ذریعہ سے جو قانون (اسٹاچیوٹ) بنتا ہے وہ اصل میں حق و انصاف کے چند قواعد کو بغرض ہدایت وتعمیل عدالت ایک ضابطہ کی شکل میں لاتا ہے، ہر چند حکومت کو اپنے مقصد میں اس طرح قانون وضع کرنے سے ہمیشہ کامیابی نہیں ہوتی کیونکہ بعض وقت قانون اور انصاف میں سخت اختلاف واقع

[1] سامنڈ نے جرمن زبان کے جوریس ٹین رخیشٹ (Juristenrecht) کا انگریزی میں جیورسٹک لا (Juristic law) ترجمہ کیا ہے۔ س۔ ع۔ ر۔

ہوتا ہے اس پر بھی بمجبوری اسی تدبیر سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ ابھی تک اس سے بہتر کوئی دوسرا طریقہ قانون بنانے کا دریافت نہیں ہوا ہے اور اس لئے ان قواعد کو جو اس طرح بنائے جاتے ہیں عدالتیں مستند اور قطعی مانتی ہیں ایساہی لوگ نظائر قانونی کو مبنی بر صحت و انصاف قیاس کرتے ہیں۔ جب کوئی اعلیٰ عدالت مقدمۂ زیر تصفیہ میں بعد غور و فکر کامل جس اصول کا اطلاق کرنا مناسب و موزوں خیال کرتی ہے اور اس اصول کے مطابق اس کا فیصلہ کرتی ہے تو لوگ ایسے فیصلہ کو بوجوہ معقول صحیح تصور کرتے ہیں اور جس اصول پر کہ وہ مبنی ہے اس کو آئندہ اسی قسم کے دوسرے مقدمات میں اطلاق کرنا مناسب خیال کرتے ہیں یعنے اس طرح کے طے شدہ اصول پر بطور قانون جدید عدالتیں عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں چنانچہ اس کے متعلق جو قانونی مقولہ ہے اُس کا بھی یہی منشار ہے کہ جب کسی امر کی نسبت فیصلہ صادر کیا جاتا ہے تو صحیح سمجھا جاتا ہے اور فریقین اس فیصلے کے پابند ہوتے ہیں[1] یہی کیفیت اور اثر رسم کا ہے قانون رسمی کی بنیاد بھی اسی قسم کا ایک قیاس ہے کہ جو امر رسم و رواج کے ذریعہ سے طے پاتا ہے وہ صحت اور انصاف پر مبنی ہے۔ چونکہ عوام کی خواہش کا عوام کے رسوم سے اظہار ہوتا ہے اس لئے عدالتیں ان اصول کو جن کو قوم منظور اور قبول کرتی ہے مستند مانتی ہیں۔ اہل فن یعنے قانون داں لوگوں کی رائے قانون انگلستان کا قانونی ماخذ نہیں بلکہ تاریخی ماخذ ہے۔ دوسرے نظامات قانونی خصوصاً قانون روما میں اہل فن کی رائے کا نہایت لحاظ کیا جاتا ہے اور یہی اس قانون کا ایک نہایت اہم ماخذ بنکر رومیوں کے قانون میں جس قدر عمدہ باتیں ہیں زیادہ تر اسی ماخذ سے مستنبط ہوئی ہیں چنانچہ جسٹی نین کا ڈائجسٹ (مجموعۂ قانون) از سرتا پا رومیوں کے مشہور قانون داں لوگوں کے اقوال و تحریرات کے اقتباسات سے پُر ہے۔ چونکہ لوگوں کو ماہرین فن قانون کی عقل و فہم اور

---

[1] Digest 50 17o; 2o7

لیاقت پر بھروسہ ہوتا ہے اس لئے ماہرین کی رائے کو قانون کا ماخذ قرار دینا عقل کے مطابق ہے اور اس دلیل کی تائید میں یہ مقولہ پیش کیا جاتا ہے کہ جو شخص اپنے فن میں ماہر و کامل ہو اُس فن کے متعلق اس کے قول کو معتبر سمجھنا چاہیئے۔ ان میں کے پانچویں اور آخری ماخذ یعنے اقرار کی نسبت بھی ہمارا یہی خیال ہے کہ ایسی ہی دلیل کی بنا پر اس کو قانون کا ایک ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص اپنی غرض اور ضرورت کو بہتر سمجھتا ہے اور وہ اپنے دعوے اور حق کی بابت دوسروں سے زیادہ واقف ہوتا ہے لہذا جس کسی شرط یا قاعدہ کو کسی معاملہ میں فریقین اپنے حقوق و فرائض باہمی کے متعلق اپنی رضامندی سے قرار دے لیتے ہیں اس کو عدالتیں نہایت صحیح اور منصفانہ تصور کرتی ہیں اور اس کے متعلق فریقین کے بیان کو معتبر سمجھتی ہیں اسی وجہ سے عدالتیں معاہدۂ باہمی کا اسی طرح سے لحاظ کرتی اور ان پر عمل کرتی ہیں جیسا کہ قانون ملک کا لحاظ کرنا ان کو لازم ہے۔

سبب متذکرۂ صدر کے سوائے قانونی ماخذوں کو مہتم بالشان اور اور معتبر ماننے کی ایک دوسری معقول و مستند وجہ ہے۔ یہ قانونی ماخذ اُن اصول کے صحیح و منصفانہ ہونے کی نہ صرف شہادت قیاسی ہیں جو اصول اُن سے مستخرج ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام اشخاص کو جن کو اُن قانونی ماخذوں سے کام پڑتا ہے بوجہ معقول توقع ہوتی ہے کہ آئندہ انھی اصول مستخرجہ پر عمل ہوتا رہے گا اور اس میں کبھی سرمو فرق نہ آئے گا۔ مقتضائے انصاف بھی یہی ہے کہ لوگوں کو اُن کی امیدیں بر آنے کا موقع ملنا چاہیئے حتیٰ کہ اُس قاعدے اور قانون پر بھی عدالتوں کو عمل کرنا مناسب و جائز ہے جو معیار معینہ کے مطابق انصاف پر مبنی نہ ہو کیونکہ جب ایک مرتبہ قانون وضع ہو جاتا ہے (یعنے ضابطہ کی شکل میں ڈھال لیا جاتا ہے) تو لوگ اس کے معتقد ہو کر اس پر عمل کرنے لگتے ہیں اور اس طرح کے ناقص و ناتمکمل قانون کی پابندی نہ کرنے یا اس کے عوض عدالتوں کے کسی دوسرے بہتر اصول پر عمل کرنے سے لوگوں کے توقعات خاک میں ملجاتے ہیں اور رعایا کا فائدہ کے عوض سخت نقصان

ہوتا ہے چنانچہ وضع قوانین بھی اعلان کرنے کا ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے
بلکہ تمام دنیا کو اطلاع دیتا ہے کہ اس کے یہاں نظم معدلت میں چند مخصوص
اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس طرح اعلان ہونے کی دیر ہے کہ لوگوں کی امیدیں
بندھتی ہیں اور وہ ان مشتہرہ اصول کو مدِّنظر رکھکر ایک دوسرے سے لین دین
اور آپس میں معاملہ و معاہدہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اگر عدالتیں
ان اصول مسلمہ کی پابندی نہ کریں تو انصاف کا خون ہوگا اور لوگوں کے
دلوں میں حکومت کی دھاک نہ رہے گی۔ یہی حالت فیصلہ جات عدالت
کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عدالت کا ہر ایک فیصلہ بالکل عقل اور انصاف پر
مبنی نہیں ہوتا لیکن لوگ اس لئے ان کی قدر کرتے ہیں کہ جو اصول ایک مرتبہ
عدالت سے طے ہو جاتا ہے آئندہ اسی قسم کے واقعات کے پیش آنے پر
اس نظیر پر عمل کیا جاتا ہے۔ عدالتی فیصلوں کا یکرنگ ہونا اور صدور فیصلہ کے
قبل معمولی عقل کے آدمی کا اس کی نسبت اندازہ کرنا فیصلہ کے انصاف مثالی پر
مبنی ہونے سے زیادہ مناسب باوقعت ہے۔ دوسرے قانونی ماخذوں
کی بھی یہی کیفیت ہے۔ جس بات کو لوگ مدتوں سے رسم مانتے چلے آئے
ہیں آئندہ بھی اس کو رسم ماننے میں عقل انسانی کو انکار نہیں ہوسکتا قانون دان
اور وکالت پیشہ لوگوں کی مجموعی رائے سے جو اصول قرار پائے ہیں اور لوگ
جو ان اصول کو ملحوظ رکھکر معاملات قانونی کرتے ہیں عدالتیں ان اصول کو
نظرانداز کرنا مناسب نہیں سمجھتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی بات پر عمل کرنے اور اس کو
ایک قسم کا جائز قانون ماننے کے لئے کسی معاملہ کے فریقین رضامند
ہوجائیں خواہ ایسی شرط فی الواقع معقول و منصفانہ ہو کہ عدالت ان شرائط کو
طرفین کے حق میں قانون مستند تصور کرتی ہے اور ان سے ان کی بجبر تعمیل
کراتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا میں ایک شخص دوسرے پر بھروسہ نہیں کر سکے گا۔

فصل ۴۲ قانون کے بانی اور ناسخ ماخذوں کا بیان

قانون کو ترقی دینے کے تین طریقے ہیں پہلے طریقے سے قانون میں اضافہ ہوتا ہے

یعنے عدالت کے اختیار تمیزی کے بجائے قانونی اصول قائم ہوتے جاتے ہیں اور امر واقعہ امر قانونی ہوتا جاتا ہے۔ دوسرے طریقہ کی بنا پر قانون میں زیادتی نہیں بلکہ کمی ہوتی ہے اور دوسرا طریقہ پہلے طریقہ کا عکس ہے یعنے اصول قانونی کی قلمرو جج کے اختیار تمیزی سے مغلوب ہو جاتی ہے اور قانون واقعات میں متبدل ہونے لگتا ہے۔ تیسرے اور آخری طریقہ سے قانون میں تبدیلی واقع ہوتی ہے یعنے ایک قانونی اصول کی جگہ دوسرا قانونی اصول قائم ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان تین طریقوں پر عمل کرنے کے لئے حکومت کو ایسے آلات کے ذریعہ سے قانون کو ترقی دینا لازم ہے جن میں، نہ صرف قانون بنانے کی قابلیت ہو بلکہ اُن کے ذریعہ سے قدیم قانون منسوخ بھی ہو سکتا ہو۔ قدیم قانون کے موجود ہوتے ہوئے جدید قانون بنا لینا کفایت نہیں کرتا بلکہ پُرانے قانون کو منسوخ کر کے اس کے بجائے جدید قانون بنانا ضرور ہے۔ ہر ایک ملک میں نہ صرف قانون کے بنانے بلکہ اُس کو منسوخ کرنے کے آلات کی بھی ضرورت ہے یعنے قانون کی قوت واضعہ کے ساتھ اس کی قوت ناسخہ بھی لازم ہے۔ اب تک ہم نے پہلی قسم کی قوت کے متعلق بحث کی ہے، اور اب ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ ان دونوں قوتوں سے کس حد تک کام لیا جا سکتا ہے۔ قانون کی قدامت پسند خاصیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور اس لئے اس زمانہ میں بھی قانون بنانے والے ماخذوں کا عمل قانون مٹانے والے ماخذوں کے عمل سے زیادہ پایا جاتا ہے اور اگرچہ کسی جدید واقعہ کی بنا پر ایک جدید قاعدہ کیوں نہیں بنا لیا جاتا لیکن اس واقعہ کے سبب سے اگر کسی قدیم قاعدہ کو منسوخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو وہ جدید قاعدہ کے معاوضہ میں منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح قانون میں کمی ہونے کے بجائے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قانون کے مختلف ماخذوں میں صرف وضع قوانین ایسا آلہ اور ذریعہ ہے جس سے قانون کی بالیدگی اور قطع و برید دونوں قسم کے کام نہایت آسانی سے لئے جا سکتے ہیں اور اسی خوبی کی بنا پر اصلاح قانون کا یہی سب میں بہتر طریقہ سمجھا جاتا ہے۔

چونکہ خالص قانونی نظریہ کی روسے نظیر (فیصلۂ عدالت) کی خاصیت قانون کو بنانا نہ کہ اُس کو بالکل منسوخ کرنا ہے اس لئے جب کسی ملک میں قانون بنجاتا ہے تو حکام عدالت کو اس پر عمل کرنے کے بغیر اور کسی قسم کا اختیار نہیں ہوتا اور فیصلوں کے ذریعہ سے جو اُن لوگوں کو جدید قانون بنانے کا اختیار ہے وہ انھی مقدموں تک محدود رہتا ہے جن پر وہ کسی دوسرے قانون کا بسبب اُس کی عدم موجودگی کے اطلاق نہیں کر سکتے۔ نظائر کے ذریعہ سے قانون بنتا نہیں بلکہ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

رسم تجار اور نظائر میں یک گونہ مشابہت ہے۔ جبتک کہ میدان خالی ہے، جس وقت تک قانون غیر موضوعہ (کامن لا) کا کوئی ایسا قاعدہ جو مقدمۂ زیر تصفیہ پر بلحاظ مواد بخوبی چسپاں ہوسکے دستیاب نہیں ہوتا اس وقت تک انگلستان کی عدالتیں تاجروں کے متنبہ رسم کو قانون جدید کا ماخذ قرار دینے کی اجازت دیتی ہیں۔ لیکن خواہ اُس ذریعہ سے یا کسی دوسرے ماخذ سے رسم تجار کے متعلق اصول قائم ہونے کی دیر ہے کہ اس طرح سے جدید قواعد بنانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور نہ عدالتیں اہل مقدمات کو اس طرح کے رسوم کو ثابت کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔ رسم اور قانون موضوعہ میں ایک اور فرق ہے، رسم جس قدر قدیم ہوگی اُسی قدر آسانی سے اس کے ذریعہ سے قانون غیر موضوعہ منسوخ ہوسکتا اور اُس میں کمی ہوسکتی ہے مگر قانون موضوعہ اس کے ایسے اثر سے باہر ہے۔

ہر چند اقرار و معاہدہ کے ذریعہ سے قانون رائج کو بالکل منسوخ کرنا ممکن نہیں تاہم اس میں قوت ناسخہ ہے۔ ان لوگوں کے سبب سے جن کو کسی معاملہ سے تعلق ہوتا ہے یعنے فریقین معاہدہ کے ذریعہ سے جو اپنی رضامندی سے آپس میں بعض شرائط قرار دیتے ہیں قانون ملک کے زیادہ تر حصہ کی ترمیم عمل میں آتی ہے اور وہ باطل ہوکر منسوخ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ قانون کا مقولہ ہے کہ رواج اور اقرار قانون کو منسوخ کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ یہ قانون اُسی وقت تک قانون سمجھا جاتا ہے جبتک کہ کوئی معاہدہ اس کے خلاف

یعنے بطور اُس کی ضد کے نہ پیش کیا جائے۔ مگر جس قدر قانون اس طرح منسوخ ہونے کے بعد باقی رہجاتا ہے اس پر معاہدات کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ لوگ ان امور کے ذریعہ سے جن کو وہ اپنی رضامندی سے قرار دیتے ہیں اس مابقی حصہ کو منسوخ کر سکتے ہیں بلکہ جن اقرارات کے ذریعہ سے ایسے باقی ماندہ قانون غیر موضوعہ کو توڑنے کی کوشش کیجاتی ہے وہ اس کو منسوخ کرنے کے بجائے خود ناجائز اور کالعدم قرار پاتے ہیں۔

فصل ۸۴۔ ماخذہائے قانون و ماخذہائے حقوق

جو شئے قانون کا ماخذ ہے وہی حق کا ماخذ بھی ہوسکتی ہے۔ حق کے ماخذ یا ٹائیٹل سے مراد ایسا واقعہ ہے جس کے ذریعہ سے ایک شخص کو حق اُسی طرح عطا ہوتا ہے جس طرح قانون حق کو عطا کرتا ہے۔ جس طرح ہر ایک اصول قانونی ایک واقعہ پر مبنی ہوتا ہے اور اس لئے واقعہ اس کا ماخذ اور اُس سے مقدم سمجھا جاتا ہے اُسی طرح ہر ایک حق قانونی ایک ایسے واقعہ کا نتیجہ ہے جو اُس کا ماخذ اور اُس سے مقدم ہے یعنے جس طرح قانون کا ماخذ واقعہ ہے اُسی طرح حقوق کے ماخذ واقعات ہیں اور قانون و حقوق دونوں موخر اور واقعات ان سے مقدم ہیں۔ کسی ایک نظام قانونی کے امتحان سے اس امر کا بآسانی سراغ ملتا ہے کہ زیادہ تر وہی واقعات حقوق کے ماخذ ہوسکتے ہیں جو قانون کے بھی ماخذ ہیں اور اس طرح ان دونوں ماخذوں سے ایک دوسرے کو قطع کرنے والے دائرے بنتے ہیں چنانچہ بعض واقعات سے قانون مستخرج ہوتا ہے لیکن ان سے حقوق نہیں پیدا نہوتے اور بعض واقعات سے حقوق پیدا ہوتے ہیں لیکن قانون نہیں بنتا۔ بعض واقعات ایسے بھی ہیں جن سے قانون اور حقوق دونوں بنتے اور پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً برطانوی پارلیمنٹ کا ہر ایک ایکٹ قانون کا ماخذ ہے اور اس سے بہتر اس کی مثال نہیں ہوسکتی لیکن اُسی پارلیمنٹ کے متعدد شخصی قوانین (Private Acts) سے صاف ظاہر ہے کہ وہ محض حقوق قانونی کے

ماخذ ہیں۔ چنانچہ قانون طلاق، یا قانون وظائف جس کے ذریعہ سے سرکاری خدمت بجا لانے والا وظیفہ پانے کا مستحق ہوتا ہے یا ایسا ایکٹ جس کے ذریعہ سے کوئی کمپنی قائم کیجاتی اور اُسی کی شخصیت کو قانون تسلیم کرتا ہے اسکی مثالیں ہیں۔ یہی کیفیت نظائر یعنے فیصلہ جات عدالت کی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ عدالتی فیصلہ فریقین مقدمہ کے حقوق کا جن کی نزاع کا اُس کے ذریعہ سے تصفیہ ہوتا ہے ماخذ ہے لیکن کافۂ انام کے واسطے وہی قانون سمجھا جاتا ہے۔ تصفیۂ عدالت کو اُس کے حقوق عطا کرنے کی خاصیت سے فیصلہ اور اُس کے موجد قانون ہونے کے لحاظ سے نظیر کہتے ہیں۔ اسی طرح نہایت قدیم رسم سے حقوق اور قانون دونوں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے حقوق عطا کرنے کی خاصیت کے لحاظ سے اُس کا مخصوص لقب حق قدامت قرار پایا ہے اور بلحاظ ماخذ قانون وہ اپنے مشہور نام رسم سے موسوم ہے۔ چونکہ لوگ معاہدہ کے حقوق عطا کرنے کی خاصیت سے بخوبی واقف ہیں اس لئے مثال کے ذریعہ سے اُس کے مفہوم کو صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم معاہدہ کے متعلق جس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ معاہدہ کے ذریعہ سے نہ صرف فریقین کو حقوق عطا ہوتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں وہ قانون کا ماخذ بھی سمجھا جاتا ہے۔

فصل ۴۹ انتہائی قانونی اصول

تمام قواعد قانون کے تاریخی ماخذ ہیں یعنے ہر ایک قاعدہ قانون کی ایک تاریخ ہے اور وہ ایک تاریخی واقعہ سے مستخرج ہے۔ بلحاظ واقعات و تاریخ ان قواعد اور مبادیات قانون کی کسی نہ کسی طرح سے ابتدا ہوئی اور اُنکے مبدا کی تحقیق کرنا ہمارا فرض نہیں ہے اور نہ ان قواعد کے ماخذوں سے ناواقف رہنے میں ہمارا کوئی نقصان ہے لیکن ہم یقین سے کہتے ہیں کہ یہ تمام قواعد قانونی ماخذوں سے مستخرج نہیں ہوئے ہیں اگر ایسا ہوتا تو قانون ملک کو اپنے اصول و قواعد کی ابتدا دریافت کرنے کے لئے لاانتہا ہی سلسلۂ اسباب کو

دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی جو اس کے امکان سے خارج تھا۔ بہرحال نظریۂ قانون کے لئے ہر ایک اصول و قاعدہ کے متعلق ایک یا ایک سے زیادہ بنیادی اسباب کو اصول آخری و انتہائی فرض کرنا ضرور ہے یعنے ایسے آخری اسباب کہ جن سے قواعد قانونی مستنبط ہوئے ہوں اور وہ وہاں پر ہی ختم ہو جائیں اور پھر دوسرے اسباب و اصول سے نہ پیدا ہونے پائیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہ ہر ایک نظام قانونی میں ایسے چند انتہائی اصول پائے جاتے ہیں جن سے اس نظام کے باقی تمام اصول و قواعد مستخرج ہوتے ہیں اور یہ پہلی قسم کے اصول اپنی ذات سے قائم ہوئے ہیں اور ان کا ماخذ کوئی دوسرا امر نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر ایک ملک میں قانون کے ماخذوں کی ہستی کے پہلے کسی نہ کسی قسم کے قانون کا وجود ہوا ہوگا جس نے ان ماخذوں کو قائم کیا اور ان کو مستند بنایا ہوگا مثلاً اگر اس قاعدہ کا ماخذ کہ کوئی شخص سڑک کے دو طرفہ اُس راستہ پر جو پیدل چلنے والوں کے لئے بنایا گیا ہے بائیسکل پر سوار ہو کر نہیں جا سکتا کسی انگریزی مجلس صفائی (بلدیہ) کا ذیلی قانون (بائی لا) ہو سکتا ہے اور اس قاعدہ کا ماخذ کہ اس طرح کے ذیلی قوانین کا قانون کا سا اثر ہے برطانوی پارلیمنٹ کا ایک نہ ایک ایکٹ ہے۔ لیکن اس قاعدہ کا کہ جس قدر پارلیمنٹ کے ایکٹ ہیں (قوانین جن کو پارلیمنٹ نے وضع کیا ہے) وہ سب کے سب قانون کا اثر رکھتے ہیں ماخذ کیا ہے؟ یہ قاعدہ کس قاعدہ سے نکلا ہے؟ ازروئے قانون یہ قاعدہ اپنا آپ مبدا ہے اور اس کا کوئی قانونی ماخذ نہیں بلکہ اس کا ایک تاریخی ماخذ ہے۔ چنانچہ اس کے تاریخی ماخذ کو وہ اشخاص جانتے ہیں جو دستور انگلستان کی تاریخ سے واقف ہیں۔ قانون داں لوگوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف اُس کو ایک موجودہ اور مروجہ قانونی اصول مانتے ہیں۔ یہ قاعدہ، قانون ہونے کی وجہ سے قانون ہے اور قانون ملک اس سے زیادہ اس قاعدہ کی توجیہہ نہیں کر سکتا کسی اسٹاچیوٹ (قانون موضوعہ) کے ذریعہ سے پارلیمنٹ کو یہ اختیار نہیں عطا کیا جا سکتا کہ وہ اپنے جاری کئے ہوئے قانون کو قانون کا سا اثر عطا کرے کیونکہ اگر ایسا کیا جائے تو پارلیمنٹ کے

اُس اختیار کو فرض کرنا پڑے گا جو اُس کو عطا ہونے والا ہے۔ اسی طرح یہ قاعدہ کہ فیصلہ جات عدالت کا قانون کا سا اثر ہے از روئے قانون انتہائی اور غیر مستخرج ہے۔ اگرچہ کسی قانون موضوعہ کے ذریعہ سے اس قاعدہ کا نفاذ نہیں ہوا لیکن متعدد نظائر نے اس امر کو طے کر دیا ہے، حالانکہ ایک نظیر کے ذریعہ سے دوسری نظیر مستند نہیں قرار پا سکتی۔ کیونکہ خود اُس نظیر کو مستند و موثر بننے کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے کوئی دوسری نظیر مستند و موثر قرار پاتی ہے۔

ہر ایک نظام قانونی کے متعدد ماخذ اور اصول انتہائی ہو سکتے ہیں لیکن ہر ایک ملک کے قانون کے لئے کم سے کم ایک ماخذ کا ہونا ضرور ہے۔ کسی ایک انتہائی درجہ کے قانونی ماخذ سے اس ملک کے تمام قانون کا مستخرج ہونا ممکن ہے بشرطیکہ ایسا کوئی ایک ماخذ اُس میں موجود رہے۔ چنانچہ ایک اسٹاچیوٹ کے ذریعہ سے کسی نظیر کی اسٹاچیوٹ کی شان اور اُس کا اثر اسٹاچیوٹ کا سا اثر ہو سکتا ہے اور اس طرح قانون کا ماخذ یا اصول انتہائی

لہ قانون عین کے صوری، تاریخی اور قانونی ماخذوں کے سوائے اس مقام پر ایک چوتھے ماخذ کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور یہ اس کا ادبی ماخذ ہے۔ اگرچہ انگریزی زبان میں یہ اصطلاح رائج نہیں ہے لیکن اقلیم یورپ کے بعض ملکوں میں جیسا کہ فرانس جرمنی وغیرہ ہیں ادبی ماخذ استعمال ہوتا ہے۔ ادبی ماخذوں سے مراد اولاً وہ ذرائع ہیں جن سے لوگوں کو عین قانون یعنے اصلی قانون ملک کا علم حاصل ہوتا ہے اور ثانیاً ایسے علم کے ابتدائی اور سندی ماخذ یعنے وہ اصلی تحریرات اور کتب جن میں قانون ملک درج رہتا ہے اور جس کا مقابلہ قانون کی کتب شرح اور ادب قانونی سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مفہوم کے لحاظ سے شہنشاہ جسٹی نین کی تالیفات جو قانون روما کی ماخذ ہیں ان مشرحین کی تصنیفات کا ضد سمجھی جاتی ہیں جو اسی قانون کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس انگریزی قانون کا ماخذ اسٹاچیوٹ بک (رجسٹر قوانین موضوعہ) رپورٹ (فیصلہ جات عدالت نظائر قانونی) اور ایسی زیادہ قدیم اور مستند کتب قانونی سمجھی جاتی ہیں جیسا کہ لٹل ٹن کی تصنیفات ہیں۔ زمانۂ موجودہ میں جس قدر انگریزی قانون پر شرحیں لکھی جاتی ہیں وہ انگریزی قانون کے ادب میں شامل ہیں اور جو ان کتابوں کا متن ہے یعنے اصل عبارت قانون وہ انگریزی قانون کا ماخذ ہے۔

نظیر نہیں بلکہ استثناء چھوٹ ہو سکتا ہے۔[1]

خلاصہ

ماخذ ہائے قانون
- صوری۔ ماخذ اثر و سند قانون ملک۔
- مادّی۔ ماخذ مضامین و مطالب قانون ملک۔

ماخذ ہائے مادّی
- قانونی۔ بلاواسطہ اور جس کو قانون تسلیم کرے۔
- تاریخی۔ بعید اور جس کو قانون تسلیم نہ کرے۔

ماخذ ہائے قانونی
- ۱۔ وضع قوانین۔ قانون موضوعہ۔
- ۲۔ رسم۔ قانون رسمی۔
- ۳۔ نظیر۔ قانون نظائری (کیس لا)
- ۴۔ ماہرین فن کی رائے۔ قانون قضاعتی (جورسٹک لا)
- ۵۔ اقرار۔ قانون معاہدہ

[1] اس کے بعد کے چند ابواب میں ہم زیادہ تفصیل سے اُن تین مخصوص قانونی ماخذوں پر بحث کریں گے جن کا سابق میں مجملاً ذکر آچکا ہے یعنے وضع قوانین، رسم اور فیصلہ جات عدالت کا شرح و بسط سے بیان کیا جائے گا۔ چونکہ ماہرین فن کی رائے قانون روما کا ایک وسیع ماخذ سمجھی جاتی ہے اور اس کو انگریزی قانون کے نظام سے چنداں تعلق نہیں ہے اس لئے ہم کو اس کے بعد کے ابواب میں خاص طور پر اس کے متعلق تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں اور ناظرین سے جن اصحاب کو اس کی نسبت صراحت سے مطالعہ کرنے کا شوق ہو اُن کے لئے مسٹر برائیس کی کتاب مسمیٰ مطالعات تاریخ و اصول قانون جلد (۲) صفحات از (۲۵۵) تا (۲۶۹) کی سیر کرنا ضیافت طبع کا باعث ہوگا (Studies in History and Jurisprudence by Brice) اگرچہ ہم نے اس باب میں معاہدہ کو قانون کا ایک ماخذ مان کر تفصیل سے اس کے متعلق بحث کی ہے لیکن آئندہ اس طرح تفصیل سے اس کا ذکر نہیں کیا جائے گا بلکہ اُس باب میں جس کا عنوان ماخذ حقوق ہے معاہدہ کا مجملاً بیان کیا جائے گا۔

ان ماخذوں کو تسلیم کرنے کے وجوہ۔

ماخذوں کی تاثیر اور ان کا عمل:
- واضع قانون۔ قدیم میں جدید قانون کا اضافہ کرنا۔
- ناسخ قانون۔ قدیم قانون کے عوض جدید قانون کا قائم کرنا۔

ان ماخذوں کی ناسخیت یا قوت ناسخہ کی حد۔

ماخذ ہائے قانون اور ماخذ ہائے حقوق میں جو نسبت ہے:
- انتہائی۔ جو ماخذ ہائے قانون سے نہ نکلے ہوں۔
- مستخرج۔ جو ماخذ ہائے قانونی سے نکلے ہوں۔

ساتواں باب

وضع قوانین

فصل ۵۷ وضع قوانین کی ماہیت

وضع قوانین کا وہ ماخذ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی حکومت مقتدر خواہ وہ ایک شخص پر مبنی ہو کہ جماعت پر اپنے قواعد قانون کا اعلان کرتی ہے۔ اس طریقہ سے اصول یعنے قواعد کا جو اعلان و اظہار کیا جاتا ہے ان کا قانون کا سا اثر ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے سلطنت کی عدالتیں ازروئے قانون ان کو تسلیم کرتی ہیں اور آئندہ ان کی پابندی اپنے پر لازم کرلیتی ہیں۔

ہر چند لوگ وضع قوانین کی اصطلاح کا عموماً اسی تنگ معنوں میں استعمال کرتے ہیں لیکن بعض وقت اس لفظ کے دوسرے دو مفہوم پر بھی عمل کرنا پڑتا ہے لہذا جو اختلاف بلحاظ مفہوم اس اصطلاح میں پایا جاتا ہے اس کا بیان کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ بعض وقت وضع قوانین کے وسیع مفہوم کے لحاظ سے اس کا اطلاق ان تمام طریقوں پر کیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے قانون بنایا جاتا ہے۔ وضع قانون کے معنے نیا قانون بنانے کے ہیں خواہ قانون کسی ایک طریقہ سے کیوں نہ بنایا جائے۔ قانون ملک میں اضافہ کرنے یا اس کو تبدیل کرنے کی نیت سے منجانب حکومت جو کارروائی کیجاتی ہے اُس کو اس وسیع مفہوم کے لحاظ سے حکومت کا کار وضع قانون کہتے ہیں۔ بہرحال جب وضع قانون کا ان وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے

قانون کے تمام ماخذوں سے مراد لیجاتی ہے اور جیسا کہ ہم نے اب تک استعمال کیا ہے اس اصطلاح کا قانون کے محض ایک ماخذ پر اطلاق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ آسٹن لکھتا ہے[1] کہ "جب تک قانون نہ وضع کیا جائے کسی ملک میں قانون کا وجود نہیں ہوسکتا" اس بنا پر حکام عدالت کو جب وہ کسی فیصلے کے ذریعہ سے کسی جدید اصول یا قاعدے کو طے کر دیتے ہیں اور یہ اصول و قاعدہ قائم ہوجاتا ہے واضعان قانون کہنا اور اُن کے اختیارات کو متعلق بعدالت نہیں بلکہ متعلق بہ وضع قانون سمجھنا درست ہوسکتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خالص اور تنگ معنوں کے لحاظ سے جس طرح اس کے پہلے وضع قانون کی تعریف کی گئی ہے فیصلہ جات عدالت سے قانون وضع نہیں کیا جاتا۔ نظائر قانونی میں جو قانون بنانے کی تاثیر پائی جاتی ہے اُس کی وجہ نظائر کے ذریعہ سے اصول جدید کا اعلان کیا جانا نہیں بلکہ اُسی قسم کے دوسرے واقعات پر اُن نظائر کا فی الواقع اطلاق کیا جانا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض صورتوں میں حکام عدالت کو وضع قانون کا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ اس اختیار کی بنا پر وہ دستور العمل یا ضابطۂ عدالت کو جاری و نافذ کرتے ہیں۔ لیکن جو قانون اس طرح حکام عدالت کے ذریعہ سے بنتا ہے جب تک وہ اُس کی تصریح یا اُس پر عمل نہیں کرتے اُس کا قانون کا سا اثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح فریقین معاہدہ کے فعل پر جس کے ذریعہ سے وہ چند شرائط آپس میں قرار دے لیتے ہیں اور اُن کے لئے جو خاص قانون بنتا ہے اور جس کی وجہ قانون غیر موضوعہ کا اُن کے معاملہ پر اثر نہیں پڑ سکتا یعنی بقدر شرائط قانون مذکور اُن کے حق میں منسوخ سمجھا جاتا ہے وضع قانون کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اور فریقین کا عمل اختیار وضع قوانین کہلا سکتا ہے۔ لیکن جو قانون یہ لوگ بناتے ہیں وہ محض معاہدۂ باہمی کے ذریعہ سے بنتا ہے۔ اور اگرچہ اُس کا اعلان کیا جاتا ہے۔ لیکن حکومت کی غرض اس اعلان سے فریقین کے سوائے دوسروں کو

---

[1] دیکھو اصول قانون مصنفۂ آسٹن صفحہ ۵۵۵ طبع سوم۔

اُس قانون کا پابند کرنا نہیں ہوتی۔

جن مصنفین نے وضع قوانین کے وسیع مفہوم پر زور دیا ہے وہ اُس کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔ بلا واسطہ اور بالواسطہ۔ بلا واسطہ وضع قوانین کا تنگ معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنے بذریعۂ اعلان قانون کا بنانا۔ اس کے برعکس۔ بالواسطہ وضع قوانین سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے قانون بنایا جاتا ہے[۱]۔

ایک تیسرے مفہوم کے لحاظ سے وضع قوانین سے مراد واضعان قانون کی مرضی و خواہش ہے خواہ اُس کے ذریعہ سے قانون بنے کہ نہ بنے۔ چنانچہ ان معنوں میں پارلیمنٹ کا ہر ایک ایکٹ (قانون) بلالحاظ اثر و غرض وضع قانون کی مثال ہوسکتا ہے۔ ہم نے سابق میں بیان کیا ہے کہ لوگ عدل گستری کے عموماً وسیع معنے لیتے ہیں اور اُس بنا پر عدالت کی اکثر کارروائیوں پر عدل گستری کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس اصطلاح کے تنگ اور خالص مفہوم کے لحاظ سے یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح انگلستان کی مجلس وضع قوانین کا کام محض قانون کے بنانے تک محدود نہیں ہے۔ اور اس لئے اُس کے جملہ فرائض پر وضع قوانین کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جو قوانین پارلیمنٹ کے ذریعہ سے بنتے ہیں اُن کی مختلف اغراض اور ضرورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی تو پارلیمنٹ ایک قانون کے ذریعہ سے اس عہدنامۂ صلح کی توثیق کرتی ہے جس کو برطانوی حکومت عاملانہ کسی ملک غیر کے ساتھ طے کرتی ہے۔ اور کبھی قوانین کے ذریعہ سے مروجہ جنتری اور تقویم کی تغییر و تبدیل اور تمام قلمرو میں ایک ہی قسم کے اوقات قائم کرتی ہے۔ اور کبھی اُنہی قوانین کے ذریعہ سے بادشاہ وقت کے آداب و القاب میں تغیر و تبدل، رقوم سرکاری کی تخصیص، صلح و جنگ کا اعلان، طلاق کی منظوری اور مملکت میں کسی علاقہ کا الحاق و اخراج کیا جاتا ہے۔

---

[۱] آسٹن صفحہ ۵۴۸ طبع سوم۔

جو قانون وضع قوانین کے ذریعہ سے بنایا جاتا ہے یعنے جس کا ماخذ وضع قوانین ہے اُسی کو قانون موضوعہ کہنا صحیح و جائز ہے۔ اس کے سوائے قانون کی جس قدر دوسری قسمیں ہیں وہ قانون غیر موضوعہ کہلاتی ہیں۔ لیکن انگریزی زبان کا روزمرہ اِن اصطلاحات کے لئے اسٹاچیوٹری لا (قانون موضوعہ) اور کامن لا (قانون غیر موضوعہ) ہے۔ اگرچہ بظاہر اس روزمرہ میں کوئی غلطی معلوم نہیں ہوتی اور ہے بھی یہی کہ غلط العام فصیح۔ لیکن لفظ اسٹاچیوٹ کا اطلاق ہر ایک قسم کے قانون موضوعہ پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ اصطلاح پارلیمنٹ کے وضع کردہ قانون سے مخصوص ہے۔ اور جو قانون بلا توسط پارلیمنٹ بنتا ہے اس پر اسٹاچیوٹ کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس فرق کو ذہن نشین کرنے کی غرض سے بلیک اسٹن اور دوسرے علمائے قانون نے منصوص و غیر منصوص الفاظ بطور صفت قانون کے ساتھ لگائے ہیں۔ لیکن قانون کا زیادہ حصہ اپنی ابتدائی حالت میں اور طریقۂ وضع قوانین کے قائم ہونے کے پہلے معرض تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جو قانون تحریر میں لایا جا سکتا ہے وہ منصوص اور جو قلمبند نہیں کیا جا سکتا وہ غیر منصوص ہے۔ بلکہ یہ الفاظ رومیوں سے لئے گئے ہیں اور قانون روما میں جس نان اسکرپٹم (Jus non Scriptum) سے مراد قانون رسمی لیجاتی تھی اور باقی تمام قانون خواہ موضوعہ ہو کہ غیر موضوعہ جس اسکرپٹم (Jus Scriptum) کہلاتا تھا۔ ہم اس کے بعد کتاب کے کسی دوسرے حصہ میں ثابت کریں گے کہ بلیک اسٹن اور اُس کے متقدمین نے قدیم قیاس کے مطابق تمام انگریزی قانون کے دو ماخذ، وضع قوانین اور رسم بتلائے ہیں۔ چونکہ کامن لا (انگلستان کا قانون غیر موضوعہ) رسمی قانون تھا اس لئے رومیوں کے رواج کے تتبع میں اُس کا لقب "قانون غیر منصوص" قرار پا گیا[1]۔

---

[1] ہمارا قانون منصوص و غیر منصوص . . . . قانون غیر منصوص (قانون) ہے جس کو رواج نے قائم کیا ہے۔ دیکھو آئین جسٹی نین جلد ا فصل ۲ دفعہ ۳ جلد ا فصل ۲ دفعہ ۹ انگلستان میں

فصل ۱۵ - اعلیٰ اور ادنیٰ وضع قوانین

وضع قوانین کی دو قسمیں ہیں اعلیٰ اور ادنیٰ سلطنت میں سب سے اعلیٰ قوت یعنے فرماں روا جو قانون بناتا ہے وہ وضع قوانین کی پہلی قسم ہے۔ اس لئے کوئی دوسری قانون بنانے والی قوت یا مجلس وضع قوانین اس قسم کے قانون کو نہ تو نامنظور کرسکتی ہے اور نہ منسوخ اور نہ اُس کے زیر نگرانی اس طرح کا قانون بن سکتا ہے۔ فرماں روا کے سوائے جو دوسرے مقتدر محکمے اور اشخاص قانون وضع کرتے ہیں وہ طریقہ ادنیٰ وضع قوانین کہلاتا ہے۔ اور اس لئے اُس کے نفاذ اور جواز کے واسطے کسی اعلیٰ قوت یا فرماں روا کی منظوری کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ درجہ کی مجلس وضع قوانین کی ماتحتی کے بغیر ادنیٰ درجہ کی مجلس وضع قوانین کا وجود ناممکن ہے۔

سلطنت برطانیہ میں شہنشاہی پارلیمنٹ سب سے اعلیٰ مجلس وضع قوانین ہے اور اس قسم کی دوسری جس قدر مجلسیں ہیں وہ اُس کی ماتحت ہیں چنانچہ اس کے متعلق ایک مقولہ ہے کہ پارلیمنٹ جس کام کو کرتی ہے دنیا میں کوئی قوت اُس کو توڑ نہیں سکتی[۱]۔ قانون انگلستان کی رو سے دوسرے جس قدر وضع قوانین کے متعلق محکمے اور ادارات ہیں وہ سب ماتحت اور ادنیٰ درجہ کی وضع قوانین کی مجلسیں ہیں اور اُن کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ پارلیمنٹ نے اپنا اختیار ان ادنیٰ اشخاص اور مجلسوں کے تفویض کردیا اور اُسی بنا پر سب سے اعلیٰ یا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- دیوانی کے قانون یا قانون ملک (جس میں کلیسائی یعنے مذہبی قانون شریک نہیں ہے) کی نہایت مناسب طور پر دو قسمیں مقرر کی گئی ہیں۔ یعنے نان اسکرپٹا (The lex Scriptum) قانون غیر منصوص یا کامن لا (قانون غیر موضوعہ) اور لیکس اسکرپٹا (The lex Scriptum) قانون منصوص یا اسٹاچیوٹری لا (قانون موضوعہ) دیکھو بلیک اسٹن جلد ا صفحہ ۶۳۔

[۱] بلیک اسٹن جلد ا صفحہ ۱۶۱ -

شاہانہ مجلس وضع قوانین اپنی نگرانی ان مجلسوں کے مفوضہ فرائض پر رکھتی ہیں اور وہ اُس کی ماتحت سمجھی جاتی ہیں۔ ماتحت وضع قوانین کی پانچ مخصوص قسمیں ہیں۔

(۱) نوآبادیوں کا وضع قوانین۔ نوآبادیوں اور تاج برطانیہ کے ماتحت جو علاقے ہیں اور جن کو حکومت خوداختیاری ملی ہے اُن سب کو شہنشاہی مجلس وضع قوانین کے زیر نگرانی اس طرح کے اختیارات عطا ہوئے ہیں۔ بنائے علیہ ویسٹ منسٹر والی پارلیمنٹ نوآبادیوں کے قوانین موضوعہ کو منسوخ و متبدل کر سکتی ہے اور حسب ضرورت وہ انھیں باطل بھی قرار دے سکتی ہے۔ بہر حال ادنیٰ یا ماتحت وضع قوانین کی نوآبادیوں کے قانون وضع کرنے سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی۔

(۲) حکومت عاملانہ کا قانون وضع کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ حکومت عاملانہ کا کام سلطنت کے انتظامی محکموں کے چلانے پر مبنی ہے۔ لیکن اُس کو نہ صرف انتظامی اختیارات حاصل ہیں بلکہ پارلیمنٹ اور کامن لا کی جانب سے چند ادنیٰ درجہ کے وضع قوانین کے اختیارات بھی بصراحت عطا کئے گئے ہیں۔ چنانچہ بعض وقت اسٹاچیوٹ کے ذریعہ سے کسی نہ کسی انتظامی محکمہ کو اُن قانونی دفعات اور فقرات کے متعلق جو اسٹاچیوٹ میں درج رہتے ہیں قواعد اور ضوابط بنا کر تفصیل وصراحت کرنے کی اجازت دیجاتی ہے اور اس طرح انتظامی محکمے پارلیمنٹ کے وضع کردہ قانون میں اپنے مرتب کئے ہوئے قواعد وضوابط سے اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کامن لا کی رو سے تاج برطانیہ کے مخصوص حقوق شاہی میں اُن علاقوں کی حکومت کے متعلق جو فتح کے ذریعہ سے حاصل کئے گئے ہوں اور جن میں نیابتی مقامی مجالس وضع قوانین موجود نہ ہوں قوانین وضع کرنے کا اختیار داخل ہے۔

(۳) عدالتوں کا اختیار وضع قوانین۔ اسی طرح عدالتوں کو بھی بعض قوانین کے وضع اور نافذ کرنے کے متعلق اختیارات تفویض کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ عدالتوں کو اپنے ضابطہ اور دستور العمل کو آپ وضع کرنے کا اختیار

حاصل ہے۔ اسی کا نام عدالتی وضع قوانین ہے۔ اس میں اور اُس قانون میں جو فیصلہ جات عدالت کے ذریعہ سے بنتا ہے فرق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں طریقوں کا مآل کار ایک ہے۔ یعنے ان کے ذریعہ سے عدالتیں جدید قانون بناتی ہیں۔ لیکن نام کا اختلاف ہے۔ اور اس بنا پر پہلے طریقہ کو عدالتی وضع قوانین اور دوسرے کو نظیر قانونی کہتے ہیں۔

(۴) بلدی وضع قوانین۔ بلدیات یعنے شہروں کی انتظامی مجلسوں کو چند محدود اور ادنیٰ درجہ کے قانون بنانے کے اختیارات عطا کئے جاتے ہیں جس کی بنا پر ہر ایک بلدیہ اپنے ماتحت حصہ آبادی کے انتظام کے واسطے خاص قانون وضع کرتا ہے۔ اور جو قوانین اس طرح وضع ہوتے ہیں ان کو بائی لاز (قوانین ضمنی) کہتے ہیں اور اس وضع قوانین کا نام بلدی وضع قوانین ہے۔

(۵) خود مختارانہ وضع قوانین۔ اب تک ہم نے وضع قوانین کے جو چند اشکال بیان کئے ہیں ان کا ماخذ سلطنت ہے۔ یعنے قوانین کو سلطنت کا سب سے اعلیٰ محکمہ یا اُس محکمہ کے دوسرے ماتحت محکمے وضع کرتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ ایسا ہی ہونا لازم نہیں ہے۔ اور نہ وضع قوانین کا کام سلطنت کی ذات تک محدود ہے۔ جدید اصول کے اعلان کرنے کو وضع قوانین کہتے ہیں اور سلطنت کا ہی معلن ہونا کوئی امر لازمی نہیں۔ لیکن چونکہ سلطنت اپنی عدالتوں کو ان جدید اصول پر عمل کرنے کی اجازت دیتی ہے اس لئے وضع قوانین کا کام سلطنت کی ذات سے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے سابق میں بیان کیا ہے کہ صرف سلطنت کی مرضی، قانون کا ماخذ صوری ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ محض سلطنت کا قول (یعنے سلطنت کی جانب سے جدید اصول کا اعلان کیا جانا) قانون ملک کا وہ ماخذ مادی ہے جس کو وضع قوانین کہتے ہیں۔ چنانچہ جدید قانون کی منظوری دینے میں بعض وقت سلطنت کو دوسرے لوگوں کی خواہشوں اور مشوروں کو ماننا پڑتا ہے۔ چونکہ وضع قوانین کا اختیار ایک نہایت نازک باوقعت اختیار ہے اور

بہت احتیاط سے اُس پر عمل کرنا پڑتا ہے اس لئے سلطنت کو وضع قوانین کے اختیارات بجز تمام ملت یعنے کل افراد ریاست کے جن کی قانوناً شخص واحد کی سی حیثیت ہو کسی ایک شخص یا جماعت کے تفویض نہ کرنا چاہئے۔ ہر چند قانون موضوعہ کے زیادہ حصہ کی اشاعت سلطنت کی جانب سے کی جاتی ہے تاہم مخصوص حالتوں میں اور بہ وقت ضرورت اس اختیار کو خانگی (غیر سرکاری) لوگوں کے سپرد کرنا مناسب خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس بنا پر غیر سرکاری اشخاص کی جماعتوں کو محدود وضع قوانین کے اختیارات اُن معاملات کی نسبت دیئے جاتے ہیں جن کا اُن کی ذات سے تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً ہر ایک ریلوے کمپنی کو اپنے کاروبار کی تنظیم کے متعلق بائی لاز (قانون ملی) بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ یونیورسٹیاں ایسے اسٹاچیوٹ جاری کر سکتی ہیں جن کی پابندی اُن کے ارکان پر لازم ہے۔ اسی طرح ایک رجسٹری شدہ کمپنی اپنے شرائط شراکت کو جن کے ذریعہ سے اُس کی ترکیب اور انتظام کا تعین ہوتا ہے بدل سکتی ہے۔ بہر حال اس طرح سے جو قانون غیر سرکاری اشخاص کے ذریعہ سے وضع کیا جاتا ہے اُس میں اور سرکاری وضع قوانین میں فرق کرنے کی غرض سے پہلی قسم کے قانون کا نام خود اختیار کردہ قانون رکھا گیا ہے۔ اگرچہ خود اختیار کردہ قانون، قانون عہدی کے بہت کچھ مشابہ ہے لیکن دونوں میں ایک اصلی فرق ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ سلطنت نے ان دونوں قسم کے قوانین کو وضع کرنے کا کام غیر سرکاری لوگوں کے تفویض کیا ہے۔ لیکن قانون عہدی اُس عہد و پیمان کا ماحصل ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے پاتا ہے۔ اور اس لئے فریقین کے سوائے اس قانون کی دوسرے لوگوں پر پابندی لازم نہیں آتی۔ خود اختیار کردہ قانون کی ایک جداگانہ کیفیت ہے۔ حقیقت میں یہ قانون وضع قوانین کی ایک ایسی شکل ہے جس کو ایک اعلیٰ قوت جبراً نافذ کرتی ہے۔ کسی کمپنی کے شرائط شرکت میں جو تبدیلی اُس کے حصہ داروں کے جلسۂ عام کے ذریعہ سے کی جاتی ہے اُس کو خود اختیار کردہ وضع قوانین میں شمار کرنے کا سبب کثرت ارکان کا اپنی مرضی کو اُن چند ارکان سے

سمجھ منوانا ہے جو تحریک مذکور کے مخالف ہوں۔ تمام حصہ داروں کا تحریک تبدیل سے متفق ہونا ممکن ہے لیکن ان کی تحریک جس کا قانون کا سا اثر ہے ایسے کسی اتفاق کلی کی محتاج نہیں ہے جس کے ہونے یا نہ ہونے کا احتمال ہو سکتا ہو۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ رضامند حصہ داروں کے حق میں یہ تحریک ایک اقرار ہے اور اُن حصہ داروں کے واسطے جو اُس کے مخالف ہیں یہ ایک قانون موضوعہ ہے۔ اس کے برعکس شرائط شرکت سے جن کی بنا پر ابتدا میں کمپنی مذکور قائم کی جاتی ہے خود اختیار کردہ قانون کا نہیں بلکہ قانون عہدی کا ایک مجموعہ بنتا ہے۔ چونکہ کمپنی مذکور کے تمام شرکا اُس کے حصہ دار بننے کا وعدہ کرتے ہیں اس لئے یہ شرائط اُن کے لئے قانون ہیں۔ اور ان شرائط کو کثرت شرکا سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کمپنی کے قیام کے بعد کثرت شرکا کو اپنی رائے سے قانون وضع کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور شرائط شرکت اُس سے بہت پہلے ہی قائم ہوتے ہیں[1]۔

فصل ۲۵ - وضع قوانین کو قانون کے دوسرے ماخذوں سے کیا نسبت ہے

ارتقائے قانون کے جس قدر دوسرے ذرائع اور طریقے ہیں اُن سب سے

---

[1] اگرچہ ہر ایک حصہ دار پر نہ صرف شرائط کمپنی کی پابندی لازم ہے بلکہ شرائط مذکور کے قائم ہونے کے بعد جو کچھ تبدیل اُن شرائط میں کیجاتی ہے اُس کی تعمیل کرنا بھی اُس کا فرض ہے۔ اور گو حصہ داران کمپنی شرائط کی تبدیل وغیرہ کے متعلق کمپنی بننے کے وقت صریحًا اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کرتے لیکن اُن کی نسبت ضمنًا اُن کا رضامند ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ اور اُن کی اس ضمنًا رضامندی کے سبب سے شرائط کمپنی کی تبدیل مابعد کا تعلق جس کی قانون موضوعہ کی سی حیثیت ہے حصہ داروں کے معاہدہ سے نہیں ہو سکتا۔ یعنی کمپنی کی ایجاد ہونے کے بعد شرائط کمپنی کے متعلق جو تبدیل شدہ قواعد بنائے جاتے ہیں اُن کا تعلق وضع قوانین سے ہے اور وہ قانون موضوعہ میں داخل ہیں۔ بہرحال ان قواعد کو حصہ داران کمپنی کے معاہدات سے کوئی سروکار نہیں۔ ان جدید قواعد کا ماخذ اقرار و معاہدہ نہیں بلکہ سلطنت کی اعلیٰ قوت کا اپنی مرضی کو نافذ کرنا ہے۔

وضع قوانین کا طریقہ افضل و اعلیٰ ہے۔ اور جس قدر ان دونوں تہذیب و تمدن کو ترقی ہو رہی ہے اُسی قدر لوگوں کا رجحان صرف اس ایک ماخذ قانون کی وقعت اور افضلیت کو ماننے کی جانب ہو رہا ہے اور دوسرے ماخذوں کی بے وقعتی اُن کی نظروں میں بڑھتی جا رہی ہے۔ بلکہ لوگ قانون بنانے کے ان دوسرے ذرائع کو قانون کے زمانۂ طفولیت کی یادگار خیال کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے سلطنت کی اظہار کردہ اور اعلان شدہ مرضی ہی قانون کی نہ صرف ماخذ صوری بلکہ ماخذ مادّی بھی تسلیم ہونے لگی ہے۔ چنانچہ قانون موضوعہ ایسا نمونہ اور معیار قرار پا گیا ہے کہ دوسری قسم کے جس قدر قوانین ہیں وہ کم و بیش اسی نمونہ پر ڈھالے جاتے ہیں۔ زمانۂ موجودہ کے علم اصول قانون کے لحاظ سے اس طریقہ سے زیادہ کوئی دوسرا طریقہ مطابق فطرت نہیں ہو سکتا۔ اور قدیم علم اصول قانون کی رو سے اس سے زیادہ قانون وضع کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ خلاف فطرت نہیں متصور ہو سکتا۔ متقدمین[1] قانون کو لیکس (مرضی سلطنت) نہیں بلکہ جس (اصول انصاف) خیال کرتے تھے اور قدیم خیال کے مطابق سلطنت کا فریضہ قانون بنانا نہیں بلکہ اُس کی تعمیل کرانا تھا۔ اس طرح کے قواعد کی جو تعمیل منجانب سلطنت کرائی جاتی تھی اُن کے ماخذ قوم کے قدیم ترین رسوم یا مذہبی عقیدہ و عمل تھا اور بعض ایسے اصول و قواعد تھے جن کی تعلیم خدا نے اپنے بندوں کو بذریعۂ الہام کی تھی۔ چنانچہ لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اگلے زمانہ کے قوانین کے مجموعے انسان فانی کی عقل کا نتیجہ نہیں بلکہ اُن کو دیوتاؤں نے وضع کیا تھا۔ اس کے بعد خلائق کے خیالات میں تغیر ہونے لگا۔ لوگ اس بات کو سمجھنے لگے کہ قانون کے ماخذ مادّی کا انحصار سلطنت کی صریح مرضی یا نیم رضامندی پر ہے۔ سلطنت میں مذہبی اور رسمی قوانین اُس وقت تک نافذ ہو سکتے ہیں جب تک بادشاہ وقت اُن کے نفاذ و اجرا کی اجازت دیتا ہے اور جب تک وہ اُن میں رد و بدل نہیں کرتا کیونکہ حکام سیاسی اپنی مرضی سے جب چاہیں قوانین میں

[1] قوانین فلاطون صفحہ ۶۲ — عمرانیات اسپنسر جلد ۲ صفحہ ۵۱۵ و بعد ازاں۔

تغیر و تبدل کر سکتے ہیں اور یہ کام اُن کے فرائض و اختیارات میں داخل ہے۔ پھر تقدیر جب لوگوں کے سروں میں اس قسم کے خیالات کی ہوا سمانے لگی تو سیاسیات اور نظام قانون میں نمایاں ترقی ہونے لگی۔ جب تک لوگوں کے خیالات میں اس طرح کی ترقی نہیں ہوئی، مذہب اور غیر تغیر پذیر رسم کا اثر جس کے سبب سے اگلے زمانہ کے نظامات قانونی کی جمادات کی سی حالت رہی اور حسب ضرورت ان میں تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتی تھی اچھی طرح لوگوں کے دلوں سے زائل نہیں ہوا اور اُس وقت تک انسان کے قوانین وضع کرنے کے طریقہ سے کسی ملک کے نظام قانونی کو نہ تو زیادہ فائدہ پہنچا اور نہ اُس کی ترقی ہو سکی۔ چونکہ قانون کے پیدا کرنے کے ذریعوں میں یہ سب سے زیادہ قوی اور مستحکم ذریعہ ہے اور اس لئے قانون کو ترقی دینے والے وسائل میں یہ وسیلہ سب سے آخر اختیار کیا گیا ہے۔

وضع قوانین کے فوائد اور خوبیوں کے سمجھنے کے لئے اس طریقہ میں اور اُس کے حریف فیصلۂ عدالت یعنی نظیر میں فرق کرنا نہایت ضروری و مناسب ہے۔
اس لحاظ سے وضع قوانین کی پہلی خوبی اُس کی قوت ناسخہ ہے۔ وضع قوانین نہ صرف (۱)
کسی جدید قانون کا ماخذ ہو سکتا ہے بلکہ اُس کے ذریعہ سے موجودہ قانون منسوخ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس فیصلہ جات عدالت میں محض ایک خوبی ہے۔ یعنے
اُن کے ذریعہ سے صرف قانون بنایا جا سکتا ہے۔ اور اس طریقہ سے نہایت ہی (۱)
عمدہ قانون بن سکتا ہے۔ لیکن اُس کا نقص یہ ہے کہ اُس کے عمل کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ یعنے جب کسی مقدمہ کا کسی نظیر کی بنا پر ایک مرتبہ فیصلہ ہو جائے تو پھر وہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور جس نظیر کے ذریعہ سے جس امر کا تصفیہ کیا جاتا ہے اُسی کے ذریعہ سے وہ منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وضع قوانین کو ترقی قانون اور اصلاح قانون کا ایک نہایت موزوں اور مفید ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ اُن وسائل اور تدابیر میں جن کے ذریعہ سے قانون کی اصطلاح و اُس کی اصلاح ہو سکتی ہے وضع قوانین سب سے بہتر وسیلہ اور تدبیر ہے۔ اور یہ اپنی آپ نظیر ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو تمام قانون کی وہی حالت ہو جائے۔ جو ایرانیوں اور مجوسیوں کے

قانون کی تھی۔ وضع قوانین کا ایک دوسرا فائدہ تقسیم عمل ہے جس کی وجہ سے اُس کو نظائر عدالت پر ترجیح حاصل ہے۔ اور جس کے سبب سے کام میں خوبی و مستعدی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے واضعان قانون اور عدالتوں کے کام میں فرق کیا جاتا ہے۔ یعنے پہلے گروہ کا کام قانون بنانا اور دوسرے گروہ کا فریضہ اُس کی تاویل کرنا اور واقعات پر اُس کا جاری کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی نظام قانونی کا عمل اُس وقت تک درست نہیں ہوسکتا اور نہ اُس کا کام مستعدی سے چل سکتا ہے جب تک اُن لوگوں سے یا اُن محکموں سے وضع قوانین کا کام علیحدہ نہ کرلیا جائے جن کو قوانین کی تاویل سپرد کی گئی ہو۔ اس کے برخلاف نظائر عدالت کی حالت ہے۔ عدالتیں جو اپنے فیصلوں کے ذریعہ سے قانون بناتی ہیں وہ اُس قانون کی تعمیل بھی کرتی ہیں۔

گو اکثر ملکوں میں وضع قوانین کے کام کو فرائض عدالت سے علیحدہ کیا گیا ہے لیکن ان دونوں کاموں میں اصولاً کسی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے۔ ارتقائے قانون کی ایک شکل وضع قوانین ہے۔ اور اس شکل اور تدبیر کا ہمیشہ سلطنت کے کسی ایک محکمہ سے متعلق ہونا امر لازمی نہیں ہے۔ یعنے ایسا ہی محکمہ کا عدالتوں کی ہدایت کے لئے قانون کو وضع و نافذ کرنا لازم و ضرور نہیں ہے۔ کسی مخصوص محکمہ کے بغیر محض عدالتوں کے ذریعہ سے ملک میں وضع قوانین کا کام لینا بالکل ممکن ہے۔ چنانچہ سابق میں ہم نے جب ہم ماتحت درجہ کے اختیارات وضع قوانین کا ذکر کررہے تھے بیان کیا ہے کہ عدالتوں کے ذریعہ سے قانون بنایا جاتا ہے۔ اور اس کی سب سے زیادہ مشہور و ممتاز مثال رومی پریٹر کا قانون وضع کرنا ہے، وہ اپنے خالص فرائض عدالت کے بجا لانے کے سوائے اجرائے اعلانات کا کام بھی کرتا تھا، فرائض منصبی کے سوائے اُن کل امور کی بابت جن کا اُس کی خدمت سے تعلق تھا۔ اُس کو وضع قوانین کے اختیارات حاصل تھے۔ اس لئے ہر ایک پریٹر کی جانب سے خدمت پر مامور ہونے کے بعد اور کام شروع کرنے کے پہلے ایک ایڈکٹ

(اعلان متضمن اوامر و نواہی) کے ذریعہ سے اُن اصول کا اظہار کیا جاتا تھا۔ جن پر وہ اپنے فرائض عدالت کو بزمانہ ملازمت مبنی کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح کا اشتہار دینا ہر ایک پریٹر کی عادت میں داخل تھا۔ پریٹر کے جانشین کا ای ڈکٹ تقریباً پریٹر سابق کے ای ڈکٹ کے مشابہ اور مماثل ہوتا تھا اور تخمیناً اسی طرح کا ایک اعلان اپنے پہلے اعلان کا خاکہ سمجھا جاتا تھا۔ قدیم قانون روما میں جو تبدلات ایک پریٹر کے اعلان کے ذریعہ سے عمل میں لائے جاتے تھے اُن کو اُس کا جانشین پریٹر اپنے اعلانات میں قائم و بحال رکھتا تھا۔ عدالتی عہدہ داروں کے اس طرح اختیارات وضع قوانین پر عمل کرنے سے تھوڑی مدت میں جدید قانون ایک معتد بہ مقدار میں قائم ہو گیا اور اس کا لقب جس پر لی ٹوریئم (قانون پریٹر) قرار پایا۔ اس قانون میں اور قدیم قانون ملک میں جو جس سیویائیلی کہلاتا تھا فرق کیا جانے لگا۔ اسی قسم کے وضع قوانین کے اختیارات اندنوں بھی عموماً اعلیٰ عدالتوں کو منجانب سلطنت عطا کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے یہ اختیارات اُس قدر وسیع نہیں ہوتے۔ بہرحال تاہم فرائض وضع قوانین کا سلطنت کے کسی ایسے محکمہ سے جو عدالتوں سے بالادست اور خود مختار ہو مخصوص ہونا عملی حیثیت سے نہایت لازم و مناسب ہے گو از روئے نظریہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

قانون موضوعہ کی تیسری خوبی یہ ہے کہ جب تک منجانب سلطنت اُس کا باقاعدہ طور پر اعلان ہو عدالتیں اس پر عمل نہیں کرتی ہیں۔ عدل گستری اس کا استعمال کئے جانے کے لئے قانون موضوعہ کا مشتہر ہونا شرط مقدم ہے۔ اس کے برعکس جب کسی نظیر کے ذریعہ سے کوئی مقدمہ فیصل ہوتا ہے تو فعل اطلاق و تعمیل نظیر سے قانون نظائری بنتا اور مشتہر ہوتا ہے۔ قوانین کو اُن کے نفاذ اور تعمیل سے پہلے مشتہر کرنا مقتضائے انصاف قدرت ہے اور یہ بات محض قانون موضوعہ کے ذریعہ سے تکمیل پاتی ہے۔ لیکن قانون نظائری کا اثر واقعات و حالات گزشتہ پر پڑتا ہے۔ کیونکہ کسی خاص موقع اور ضرورت کے لحاظ سے یہ قانون بنایا جاتا ہے اور اس کا اطلاق اُن واقعات پر کیا جاتا ہے جو اس قانون کے بننے کے پہلے

پیش آتے ہیں[1]۔

رابعاً وضع قوانین کے ذریعہ سے ایسے واقعات اور مقدمات کے متعلق پیش بینی کی جا سکتی ہے اور اُس کا تدارک کیا جا سکتا ہے جو ابھی تک پیش نہ آئے ہوں۔ قانون نظائری کو یہ بات کہاں نصیب ہو سکتی ہے جبتک کوئی امر فی الواقع صادر نہ ہو۔ اور اُس کے خلاف عدالت میں رجوع نہ کیا جائے عدالت اُس کا تصفیہ نہیں کر سکتی اور اس طریقہ کے بغیر یہ قانون جو نظیر یا فیصلۂ عدالت کہلاتا ہے نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مقدمات کے رجوع ہونے کے بغیر وضع قوانین کا کام انجام پاتا ہے لیکن مقدمہ بازی کے بغیر قانون نظائری نہیں بن سکتا۔ اس کے علاوہ نظائر کے ذریعہ سے اکثر ایسے امور و نکات قانونی جن کے متعلق نظیر بننے کے وقت بحث نہیں کیجاتی لاینحل اور تصفیہ طلب رہ جاتے ہیں۔ اور جبتک کسی نزاع عدالتی کے ذریعہ سے اس طرح کا نکتۂ قانونی عدالت کے روبرو اتفاقاً پیش نہیں ہوتا اُس کے متعلق قانون نظائری ساکت رہتا ہے۔ مگر وضع قوانین کے

---

[1] منجملہ اور اسباب کے ایک یہ سبب بھی ہے کہ بنتھم فیصلہ جات عدالت کی جن کا نام تحقیر سے اُس نے "ججوں کا بنایا ہوا قانون" رکھا ہے بُری طرح مذمت کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے پر زور اور حقارت آمیز طرز میں (دیکھو تصنیفات بنتھم جلد ۵ صفحہ ۲۳۵) میں لکھتا ہے کہ "کامن لا (انگلستان کا قانون غیر موضوعہ) کو کسی اور نے نہیں محض حکام عدالت نے بنایا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ کس طرح اس قانون کو وضع کرتے ہیں؟ جس طرح کوئی شخص اپنے کتے کے لئے قانون بناتا ہے اُسی طرح عدالتیں کامن لا بناتی ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جب آپ کو آپ کے کتے کا کوئی فعل ناپسند ہو تو آپ اُس کی عادت ترک کرانے کی غرض سے اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ اُس سے ایسے فعل قبیح کو سرزد ہوتے ہوئے دیکھیں اور جب انتظار کے بعد آپ کتے کو اُس فعل کا بارثانی مرتکب ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو آپ اُس کو زدوکوب کرتے ہیں۔ پس جس طرح آپ اپنے کتے کے لئے قوانین بناتے ہیں عدالتیں آپ کے اور میرے لئے (یعنے ہم سب کے واسطے) قانون بناتی ہیں۔

ذریعہ سے اس طرح کی کمی کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ اور واضعان قوانین کو توجہ دلانے پر اکثر شبہات جو مختلف قواعد وضوابط کے متعلق لوگوں کو پیدا ہوتے ہیں رفع کردئے جاتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ کہنا درست ہے کہ قانون نظائری ناکمل اور غیر متیقن سمجھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض قوانین موضوعہ میں بھی اس طرح کے نقائص پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا سبب محض واضعان قانون کی کاہلی اور ناقابلیت ہے۔ ان نقائص اور معائب کے باوجود نظائر میں ایک خوبی یہ ہے کہ عدالتیں اُن مخصوص واقعات اور حالات کے تصفیہ کے لئے جو اُن سے رجوع کئے جاتے ہیں بعد غور کامل اور اپنی اعلیٰ لیاقت سے قواعد و قوانین بناتی ہیں۔ اس لئے اُن کے فیصلے مجلس وضع قوانین کے بنائے ہوئے قانون سے بدرجہا بہتر اور زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ واضعان قانون سبب سے مسبب یا واقعہ سے نتیجہ اخذ کرکے قانون وضع کرتے ہیں۔ لہٰذا اُس کا منشا ایک ہی قسم کے قانون کو مختلف واقعات پر جاری کرنے کا رہتا ہے، جس کی وجہ سے اگر واقعات میں سر مو فرق ہوجائے تو قانون موضوعہ کا اُن کے تصفیہ کے لئے بخوبی عمل نہیں ہوسکتا۔

خامسًا یہ کہ بہ لحاظ صورت یعنے عبارت وطرز بیان کی رو سے قانون موضوعہ کو قانون نظائری پر فضیلت حاصل ہے۔ وضع قوانین کے ذریعہ سے جو قانون بنتا ہے اُس کی مسائل کلیہ کی سی صورت ہوتی ہے اور چونکہ نظیر ایک نہ ایک مقدمہ کی روئداد پر مبنی ہے اس لئے اُس میں جزئیات کا مفصل ذکر رہتا ہے۔ بنائً علیہ قانون موضوعہ مختصر اور صاف الفاظ میں مرتب کیا جاتا ہے اور ہر ایک شخص کو آسانی سے اُس کا علم ہوسکتا ہے۔ لیکن مقدمہ بازی کی روزافزوں کثرت سے نظائر نہ صرف عدالتوں کے امسلۂ سابقہ کے بستوں میں لوگوں کی نظروں سے مخفی پڑی رہتی ہیں بلکہ عوام کو اُن کا علم تک نہیں ہوسکتا۔ قانون نظائری گویا طلائے معدن ہے اس قیمتی دھات کی چند ذرّوں کے ساتھ سیروں مٹی اور فضول چیزیں ملی رہتی ہیں۔ اُس کے برعکس قانون موضوعہ کو سکۂ رائج الوقت سمجھنا چاہئے کہ

اُس کی قیمت میں کبھی فرق آ ہی نہیں سکتا اور ہر وقت وہ بکار آمد ہو سکتا ہے۔

ہر چند قانون موضوعہ کو حسن صورت حاصل ہے لیکن وہ قانون نظائری کے مانند جسمانی عیب سے مبرا نہیں ہے۔ قانون موضوعہ حکمانہ الفاظ و عبارت میں مرقوم کیا جاتا ہے۔ اور یہی الفاظ و عبارت اُس قانون کے اجزائے بدن متصور ہوتے ہیں یعنے اُس کے نفس مطلب میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ اس قانون کے اطلاق کرنے میں الفاظ سے نفس مطلب کو اخذ کرنا عدالتوں کا فرض ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عدالتیں قانون موضوعہ کے مطلب اور غرض کا لحاظ کرتی ہیں۔ لیکن صرف اُسی مطلب اور غرض کی پابندی کیجاتی ہے جو محض الفاظ و عبارت قانون مذکور سے حاصل کیا جا سکتا ہو۔ عدالتوں کو اپنی طبیعت سے بلا امداد الفاظ و عبارت، قانون موضوعہ کی تاویل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے برعکس قانون نظائری الفاظ و عبارت کا محتاج نہیں ہے نہ تو یہ قانون حکمانہ الفاظ میں مرقوم کیا جاتا ہے اور نہ عدالتوں کو اس قانون کی غرض اور نفس مطلب کے اخذ کرنے میں کوئی امر مانع ہے۔ قانون موضوعہ کی تاویل اور اُس کے اطلاق کرنے میں عدالتوں کو الفاظ کے صحیح معنوں کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن قانون نظائری کی تاویل اور استعمال کرنے میں عدالتیں نظائر کے منصفانہ اور معقول مضامین و مطالب اور خیالات و اصول کو اخذ کرتی ہیں، الفاظ کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ چونکہ قانون موضوعہ حکمانہ الفاظ و جمل میں مرتب کیا جاتا ہے اس لئے ناقابل تاویل ہے۔ لیکن متعدد نقائص کے باوجود قانون نظائری کی اس خوبی کے سبب سے ہر وقت انصاف کے مطابق اُس کی تاویل ہو سکتی ہے اور یہ قانون، قانون موضوعہ کا ہم پلہ قرار پاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس دوسرے قانون میں قانون منصوص اور موضوعہ سے زیادہ ترقی کرنے اور اپنے کو زمانہ کے موافق بنانے کا مادہ ہے۔

فصل ۵۔ تدوین قانون

قانون موضوعہ کی خوبیاں اُس کے نقائص سے اس قدر زیادہ ہیں کہ

لوگوں کے دلوں میں اُس نے اب بلا شبہ جگہ پیدا کرلی ہے۔ اور عجب نہیں کہ قانون کی مختلف شکل وصورتوں میں بالآخر یہی ایک شکل اختیار کی جائے گی۔ چنانچہ فی زمانتا لوگوں کا رجحان اُس طریقہ کی جانب ہو گیا ہے جس کی بنتیجم کے زمانہ میں ایجاد ہوئی اور جس کا لقب تدوین قانون قرار پایا ہے۔ اس سے مراد ملک کے تمام پراگندہ اور غیر قانونی زبان میں لکھے ہوئے قوانین کو قانون موضوعہ کی صورت میں لانا اور ترتیب دینا ہے۔ اس بارہ میں انگلستان یورپ کے دوسرے ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ چنانچہ اٹھارھویں صدی کے نصف سے تدوین قوانین کا طریقہ یورپ کے تقریباً ہر ایک سربرآوردہ اور ترقی یافتہ ملک میں جاری ہوکر اب تکمیل کو پہنچ گیا۔ ان میں کی تقریباً ہر ایک حکومت نے عقل ودانائی سے ملکی، مذہبی (کلیسائی) رسمی اور موضوعہ قوانین کے جداگانہ مدون مجموعے تیار کئے ہیں جو ایک دوسرے سے مخلوط ہوکر بری حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ قانون کے تدوین کرنے میں ان ممالک کو کچھ نہ کچھ ضرور کامیابی ہوئی ہے۔ بلکہ خود انگلستان اور اُن ملکوں میں جہاں انگریزی قانون رائج ہے اس طرح کی تدبیریں بطور امتحان اختیار کی گئی ہیں۔ چنانچہ قانون غیر موضوعہ کے ایسے چیدہ اور بخوبی ترقی یافتہ اجزا کو جیسا کہ ہنڈوی کی شرکت اور بیع کے قوانین ہیں قانون موضوعہ کی صورت میں تبدیل کیا گیا ہے لیکن مسائل قانون انگریزی کی پیچیدگیوں اور دقائق کے سبب سے یہ کام بے انتہا دشوار ہو گیا ہے۔ اگرچہ قانون انگلستان کے اکثر و بیشتر اجزا میں ابھی تک مدون ہونے کی پوری صلاحیت نہیں پیدا ہوئی ہے اور ان کی قبل از وقت تدوین ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے لیکن ہم میں سے ہر ایک شخص کو اس امر کی صحیح توقع ہے کہ ایک نہ ایک روز قانون مذکور مدون ہوکر ہی رہے گا۔

بہرحال یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ تدوین قانون سے مراد نظائر کو قانون کے ماخذ سے خارج کرنا نہیں ہے۔ ہر ایک ملک میں مختلف قوانین کے مختلف مجموعے تیار اور مکمل ہونے کے بعد بھی قانون نظائری کا بننا جاری رہے گا

بلکہ اُس کی ترقی کبھی رُک نہیں سکتی - ہر چند یہ قدیم خیال کہ ہر ایک ملک کے نظام قانونی کی بنیاد اُس ملک کا قانون غیر موضوعہ ہے اور وضع قوانین کا طریقہ ایک ایسا مخصوص اوزار ہے جس کے ذریعہ سے کبھی کبھی اُس میں تبدیل کیجاتی اور حسب ضرورت اُس کو ترقی دیجاتی ہے بتدریج لوگوں کے دماغوں سے زائل ہو رہا ہے لیکن اس پر بھی قانون ملک کے اکثر شعبوں میں اس خیال کی صحت پائی جاتی ہے - اور اس بنا پر اب بھی قانون غیر موضوعہ اصلی اور ضروری اور قانون موضوعہ اضافی اور زائد سمجھا جاتا ہے - جس وضع قوانین کے ذریعہ سے اُسی وقت کام لیا جاتا ہے جبکہ کسی خاص موقعہ پر بعد استعمہ قانون غیر موضوعہ سے کسی شخص کی دادرسی نہ کر سکتی ہوں یا کسی کو اس قانون سے چارہ کار نہ مل سکتا ہو - تدوین قانون کا مفہوم قانون نظائریہ کے طریقہ کو بالکل مسدود کر دینا نہیں ہے بلکہ جو نسبت اس وقت قانون موضوعہ میں ہے اُس کو پلیٹ دینا ہے اور اس کا منشا صرف اس قدر ہے کہ قانون ملک کی تمام قسموں کو قانون موضوعہ بنا دیا جائے اور جہاں جہاں اُس میں کمی ہو اُس کی تکمیل اور اُس میں اضافہ قانون نظائری سے کیا جائے - اس میں کلام نہیں کہ کتنی ہی بیدار مغزی اور دانشمندی سے قوانین وضوابط کے مجموعے تیار کئے جائیں اس طرح کے مدون قوانین کی عبارات اور مطالب میں نہایت نازک ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض وقت مطالب کے اظہار کرنے میں اضعان قانون سے فاحش غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کبھی وہ نہایت ضروری امور کے اظہار کرنے میں قصور کر جاتے ہیں اور اُس کا سبب یہ ہے کہ قانون موضوعہ انسان کی فکر کا نتیجہ ہے، انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، لہذا قانون کے وضع کرنے میں انسان خواہ کتنا ہی پیش بینی اور تدبیر سے کام کیوں نہ لے اُس کی عقل متعدد اور مختلف پیش آنے والے واقعات کا کما حقہ اندازہ نہیں کر سکتی - اس بنا پر نظائر کا کام اُن اصول و قواعد میں اضافہ کرنا، تعبیر (؟) یکرنگی پیدا کرنا اور اُن کو ترقی دینا ہے جن کی مدون مجموعوں کے قوانین کے مجموں کے ذریعہ سے اشاعت کی جاتی ہے جب البتہ اس طرح قانون موضوعہ کی

تفسیر اور اُس میں اضافہ کرتی ہیں تو کسی ایک مدون مجموعۂ قانون سے خود قانون نظائری کا ایک مجموعہ تیار ہوتا ہے۔ جب نظائر کے ذریعہ سے اضافی اور توضیحی قانون زیادہ جمع ہو جائے تو اُس کی تدوین اس طرح ہو سکتی ہے کہ مدون قانون کے مجموعہ کو طبع کرنے کے وقت مدون قانون نظائر اُس میں شامل کر دیا جائے تا کہ وہ بھی بحالت تدوین طبع ہو سکے۔ لیکن تعبیر قانون کے سبب سے جو توضیحی اور اضافی قانون بنتا ہے اور مجموعہ قانون کے طبع کے وقت اصل قانون موضوعہ میں شامل کر لیا جاتا ہے اُس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

فصل ۵۔ تعبیر قانون موضوعہ

ہم نے سابق میں بیان کیا ہے کہ قانون موضوعہ کی خصوصیات سے ایک خصوصیت اُس کا تحکمانہ عبارت اور الفاظ میں ترتیب پانا اور ظاہر کیا جانا ہے۔ جن الفاظ میں یہ ترتیب پاتا ہے یعنے اس کے مکتوبی الفاظ (Scripta) وہ اس کا جزو سمجھے جاتے ہیں۔ ہر ایک ایکٹ کے الفاظ و عبارت کا وہی قانونی اثر اور حکم ہے جو اُس کے نفس مطلب کی قانونی تاثیر ہو سکتی ہے۔ مکتوبی قانون عہدی کے سوائے جو بلحاظ تحریر، قانون موضوعہ کا مماثل سمجھا جاتا ہے قانون کی جس قدر صورتیں اور قسمیں ہیں اُن کا اظہار معینہ اور تحکمانہ الفاظ کے ذریعہ سے نہیں کیا جاتا۔ عدالتوں کو ان دوسری قسم کے قوانین کے استعمال کرنے میں الفاظ اور عبارت قانونی کے مطابق مطلب اخذ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان قوانین کی تعبیر کرنے میں اُن کے الفاظ کی پابندی کرنے کی مجبوری عدالتوں کو پیش آتی ہے بلکہ ان قوانین کے نفس مطلب سے عدالتیں کام لیتی ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر عدالتوں کو ایک خاص طریقہ سے قانون موضوعہ کی تعبیر یا تاویل کرنی پڑتی ہے۔ بخلاف اس کے رسمی یا نظائری قانون کی تعبیر کرنے میں اس طرح کے کسی مخصوص طریقہ پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ تعبیر و تاویل سے مراد

ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے عدالتیں واضعان قانون کے مفہوم اور منشا کو اُن محکمانہ الفاظ اور عبارت کی پابندی کرتے ہوئے جن میں قوانین موضوعہ مرتب ہوتے ہیں سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

جسٹینین اور فرانس وغیرہ کے قانون داں لوگوں نے تعبیر قانون کی دو قسمیں قرار دی ہیں لفظی اور معنوی۔ پہلی قسم کی تعبیر کا تعلق محض قانون کے الفاظ سے ہے اور اس طرح کی تعبیر کرنے میں عدالتیں الفاظ کے سوا کسی دوسرے امور کا لحاظ نہیں کرتی ہیں۔ بخلاف اس کے تعبیر معنوی میں الفاظ قانون کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ دیگر خارجی امور سے واضعان قانون کا منشا دریافت کرکے اس کی نسبت عدالتیں اپنا اطمینان کرتی ہیں۔ چونکہ تعبیر قانون کے یہ دونوں ضروری اور مفید طریقے ہیں اس لئے جو نسبت ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ہے اُس کا ہم صحیح اندازہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کو اس امر سے واقف ہونے کی ضرورت ہے کہ کن صورتوں میں محض تعبیر لفظی پر عمل کرنا جائز ہے اور کن صورتوں میں اس کے برعکس قانون کی معنوی تعبیر کرکے اُن امور کے خلاف نتائج نکالنا مباح و مناسب ہے جو تعبیر لفظی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ ہم کو اس امر کا تصفیہ کرنا ہے کہ کسی قانون موضوعہ کے الفاظ اور اُس کے نفس مطلب میں کیا باہمی نسبت ہے اور ایک کا دوسرے کے مقابلہ میں کیا اِدّعا ہے۔

ہم کو اس تصفیہ کے متعلق جو اصول صحیح معلوم ہوتے ہیں اُن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ ہر چند واضعان قانون کے صحیح منشا کو دریافت کرکے اُس پر عمل کرنا عدالتوں کا فرض ہے اور قانون موضوعہ کی روح اور اُس کی خوبی اُس کے الفاظ و عبارت نہیں بلکہ اُس کا نفس مطلب ہے تاہم اکثر معمولی اور روزمرہ کے امور میں عدالتوں کو قانون کے الفاظ و عبارت پر اکتفا کرنا اور انہی کو اُس کے منشا و مفہوم کی کامل و قطعی شہادت ماننا پڑتا ہے عدالتوں کو قطعاً یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ مجلس وضع قوانین نے لکھا ہے وہی اُس کا منشا ہے اور جو کچھ اُس کا منشا ہے اسی کو اُس نے لکھا ہے۔ جن الفاظ میں

اور جس طرح قانون لکھا جائے اُنھی الفاظ کے مطابق قانون کی تاویل کرنا تعبیر کرنے کا سب سے پہلا اصول ہے حکام عدالت کو قانون کے الفاظ میں تبدیل کرنی اور اضافہ و کمی کرنے کی مطلق اجازت نہیں ہے حالانکہ بعض صورتوں میں اُن کی رائے میں عبارت قانون سے قانون کا صحیح منشا نوٹ ہی کیوں نہ ہوتا ہو اور فی الواقع اُنھوں نے اس نقص کا صحیح اندازہ بھی کیا ہو۔ لہذا تمام معمولی اشکال میں تعبیر لفظی سے کام لینا جائز ہے۔

لیکن اس عام اصول سے دو امر مستثنیٰ ہیں۔ ان دو شکلوں میں قانون کے الفاظ سے نہیں بلکہ دوسرے خارجی خیالات اور امور سے قانون کا منشا دریافت کرنا پڑتا ہے۔ ان میں کی پہلی شکل اُس وقت پیش آتی ہے جبکہ صحیح اور مناسب الفاظ میں قانون نہ مرتب ہوا ہو اور جس کی وجہ سے عدالتیں عبارت کے برعکس قانون کا مفہوم سمجھتی ہوں۔ یعنے جبکہ قانون کا صاف اور مکمل مطلب کسی کی سمجھ میں نہ آتا ہو۔ اس نقص کو نقص معنوی کہتے ہیں۔

ایسے نقائص منطقی یا معنوی کی تین قسمیں ہیں جن کا اثر عبارت قانون پر پڑتا ہے۔ ان میں کا پہلا نقص ابہام ہے۔ مثلاً جب کسی قانون موضوعہ کے ایک مفہوم کے بجائے دو مختلف معنی لئے جا سکتے ہوں تو عدالتوں کے لئے عبارت قانون کا لحاظ نہ کرکے دوسرے ذرائع سے اُس قانون کا صحیح منشا دریافت کرنا اُس پر عمل کرنا بالکل جائز ہے۔ بلکہ اُن کو اس کام کا استحقاق ہے۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی قانون کی دفعہ کے دو مفہوم لئے جا سکتے ہوں تو دونوں میں سے بلحاظ زبان وہ عبارت قانون جو زیادہ قرین عقل و محاورہ ہو اور ظاہری الفاظ سے جو معنے پیدا ہو سکتے ہیں اُس کو اختیار کرنا چاہئے۔ اس بنا پر مبہم قانون کو تعبیر کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک قاعدہ تو وہ ہے جس کے ذریعہ سے الفاظ قانونی کے صاف اور ظاہری معنے لئے جاتے ہیں اور دوسرے قاعدہ کی رو سے عدالتوں کو الفاظ کے مقررہ معنوں کو ترک کرکے اور محاورات زبان کا لحاظ نہ کرکے کسی بیرونی ذریعہ سے واضع قانون کے منشا کو دریافت کرنا پڑتا ہے۔ ان میں کا پہلا طریقہ تعبیر لفظی یا محدود کہلاتا ہے اور

دوسرے کا لقب تعبیر لفظی ہے۔ عام اصول تو یہ ہے کہ جب تک الفاظ کے ظاہری مفہوم کو ترک کرنے کی اور اُس کے خلاف دوسرے معنوں پر عمل کرنے کی ضرورت نہ ہو اُس وقت تک قانون کی لفظی تاویل کرنی چاہیئے۔ جب تک اس امر کا کافی ثبوت ہم نہ پہنچے کہ واضعان قانون نے اُن الفاظ اور زبان کے لحاظ سے جن میں قانون نافذ کیا گیا ہے اُن کے ظاہری اور حقیقی معنوں سے انحراف کیا ہے اُس وقت تک عدالت کا فرض ہے کہ قانون کے اسی مفہوم پر عمل کرے جو اُس کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔ یہ بات حکام عدالت کی لیاقت اور فرزانگی پر منحصر ہے کہ کس موقع اور محل پر قانون کی تعبیر کے کس طریقہ سے کام لینا چاہیئے۔ اور ان دونوں طریقوں کے درمیان میزان تقابل قائم رکھنے کا کام عدالت کے تجربہ اور کہنہ مشقی کا محتاج ہے۔ ان دونوں طریقوں پر عمل کرنے کے لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ دونوں سے اغراض معدلت کو فائدہ پہنچتا ہے اور نقصان بھی۔ اگر عدالتیں ضرورت سے زیادہ رحمدلی اور نیک نفسی سے دوسرے طریقۂ تعبیر پر عمل کریں تو قانون موضوعہ میں جو یکرنگی ہے اور جس سے عمل و تاثیر کا لوگوں کو یقین ہے وہ باقی نہیں رہتا۔ بلکہ اندیشہ اس امر کا ہے کہ حکام عدالت قانون کی پابندی کرنے کے بجائے اپنے اختیار تمیزی پر عمل کرنے کے خوگر ہو جائیں گے۔ اور اگر بخلاف اس کے عدالتیں ہر وقت قانون کی تعبیر کرنے میں سختی سے کام لیں۔ یعنے قانون کی لفظی تاویل کرنے کی عادی ہو جائیں تو نہ صرف واضعان قانون کے منشائے صحیح کے فوت ہونے کا خوف ہے بلکہ پابندی الفاظ کی بدولت قانون ملک کی معقول اور جائز ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رومیوں کا مقولہ ہے کہ[۱]

Scire leges, non, hoc est verba earum tenere, sed vim ac Potestatem[۲]

---

۱ ڈائجسٹ ۱-۳-۱۷

۲ سختی سے جو تعبیر کیجاتی ہے یعنے قانون کی لفظی تعبیر مبہم اور دو معنی لئے ہے۔ تعبیر سخت کا مفہوم قانون کی لفظی یا تنگ معنوں میں تاویل کرنا ہے۔ اگر کسی قانون کی کوئی دفعہ مبہم ہو تو اُس کا

قانون موضوعہ کا دوسرا منطقی نقص اُس کے مفہوم کی مغائرت ہے۔ اگر کسی قانون کے ایک سے زیادہ مغائر اور متضاد معنے اور مطالب ہوں تو اُس کا متعدد مخالف معنوں کے سبب سے اصل مفہوم خبط ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں الفاظ سے نہیں بلکہ کسی دوسرے ذریعہ سے قانون کا صحیح منشا دریافت کرنا اور اُس کے مطابق الفاظ قانون کی صحت کرنی عدالتوں کا فرض ہے۔

اب ہم قانون موضوعہ کے سب سے آخری اور تیسرے نقص منطقی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اُس کی ناکمل حالت کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح کے ناقص قانون میں نہ تو ابہام کا سقم پایا جاتا ہے اور نہ مغائرت کا لیکن واضعان قانون سے مصلحتاً یا سہواً قانون کے پورے مطالب اور مضمون کی تکمیل نہیں ہونے پاتی مثلاً اگر کسی قانون میں کسی امر کے متعلق دو شکلیں بتائی جائیں۔ اور ایک شکل کی بابت احکام و ہدایات صریح ہوں لیکن دوسری شکل کے متعلق قانون ساکت ہو تو اُس قانون میں عدم تکمیل کا نقص واقع ہوتا ہے اور جو باتیں اس طرح محذوف ہو جاتی ہیں اُن کے متعلق منطقی یا معنوی تعبیر کرنا عدالتوں کے لئے قانوناً جائز ہے بشرطیکہ اس طرح کے حذف سے منطقی یعنے معنوی طور پر قانون موضوعہ ناکمل رہ جاتا ہو۔ اس طرح کی تعبیر کرنے کے لئے عدالتوں کا یہ سمجھ لینا کہ واضع قانون کا پورا منشا عبارت قانون سے ظاہر نہیں ہوتا کافی نہیں ہے۔ اگر عبارت قانون سے قانون بنانے والے کی غرض صاف اور صریح طور پر پائی جائے اور الفاظ سے مفہوم کی بخوبی تکمیل ہو تو عدالتیں الفاظ قانون میں دست اندازی کرنے کی ہرگز مجاز نہیں ہیں۔ الفاظ کی پابندی کرنی اور واضع قانون کے منشا کو دریافت کرنا عدالتوں کا مخصوص فرض ہے۔ لیکن قانون کے الفاظ میں صرف بوقت ضرورت اور حسب محاورۂ کلام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ایک مفہوم دوسرے سے زیادہ وسیع ہو سکتا ہے اور لفظی یعنے تنگ مفہوم کا اُس دفعہ کی الفاظ سے پیدا ہونا ضرور نہیں ہے جب کسی قانون کی تعبیر تصفیتی اُس کی تعبیر لفظی سے زیادہ وسیع ہو تو اُس کو تعبیر وسیع کہتے ہیں اور جب زیادہ تنگ ہو تو اُس کو تعبیر محدود کہتے ہیں۔

وہ ردوبدل کرنے کی مجاز ہیں اور اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔

سابق میں بیان کیا گیا ہے کہ صرف دو صورتوں میں تعبیر نحوی کے بجائے تعبیر منطقی سے کام لینا جائز ہے۔ اور ان دونوں میں سے پہلی قسم کی تعبیر کا جبکہ الفاظ و عبارت قانون میں منطقی نقص پیدا ہوتا ہو بخوبی بیان ہو چکا ہے۔ دوسری صورت اُس وقت پیش آتی ہے جبکہ عبارت قانون سے عدالتوں کو خلاف عقل نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بحالت مجبوری اس امر کو تسلیم کرتی ہیں کہ واضع قانون کا منشا کچھ اور تھا اور عبارت قانون سے اُس کا صحیح طور پر اظہار نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کبھی سہو کتابت سے حوالہ بتلانے میں دفعہ کا غلط نمبر درج ہو جاتا ہے یا بعض وقت جملہ میں لفظ نفی کے حذف ہو جانے سے فقرہ کا مطلب بدل جاتا ہے۔

عبارت قانون کے نقائص منطقی کے بیان کرنے میں ضمناً یہ بات فرض کر لی گئی تھی کہ جب کبھی الفاظ قانون میں کسی قسم کا سقم پایا جائے تو بیرونی ذریعہ سے متن پر غور کرنے سے صحیح اور مکمل منشا قانون کا دریافت کرنا از روئے منطق ہمیشہ ممکن ہے۔ اور ہم نے بلا ثبوت اس امر کو مان لیا تھا کہ قانون کا صحیح اور کامل منشا جو بذریعۂ الفاظ غلط طور پر ظاہر کیا گیا ہے دریافت کرنا عدالتوں کا فرض عین ہے۔ لیکن حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ اکثر صورتوں میں جو نقائص قانون کی عبارت میں پیدا ہو جاتے ہیں اُن کے وہ حقیقی اسباب نہیں ہیں جن کا فقرات بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ اُن غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ منشا اور مفہوم قانون میں بھی اُسی قسم کے نقائص کا پیدا ہونا ہے۔ بسا اوقات واضعان قانون کے ذہن میں اُن پیش آنے والی ضرورتوں کی مدھم سی تصویریں رہتی ہیں جن کا وہ بخوبی اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے جب مفہوم اور منشائے قانون کا ٹھیک اندازہ اور تعین نہیں ہو سکتا تو عبارت قانون میں لامحالہ ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جب واضعان قانون کی عبارتیں یعنے قوانین مرقومہ ایک دوسرے سے مغائر ثابت ہوتے ہیں تو اس کا سبب اُن کی نیت اور

ارادہ میں تناقص اور خلط ملط کا واقع ہونا ہے۔ اگر کسی قانون میں بعض امور کا ذکر محذوف ہو اور اس وجہ سے اس کو عقل ناتکمل قرار دے تو اس قسم کے محذوفات کے واقع ہونے کا عام سبب یہ ہے کہ قانون بنانے کے وقت اُس کے بنانے والوں کو امور محذوف کا خیال نہیں آیا لیکن اس قسم کے ناقص قانون یا قاعدے کے متعلق یہ سمجھنا جائز نہیں ہے کہ واضعان قانون کا ارادہ امور محذوف اور متروک کو قانون زیر بحث میں داخل کرنے کا تھا لیکن اُن سے غفلت ہوگئی۔

اچھا تو ایسی صورتوں میں قانون کی کس طرح تعبیر کرنی چاہیئے؟ کیا عدالتیں ناقص منشائے قانون اور ناقص عبارت قانون کی اصلاح کرنے اور ان میں اضافہ کرنے کی مجاز ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ دونوں کام عدالتیں کر سکتی ہیں اور انھیں ایسا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ الفاظ قانون میں جو منطقی نقص واقع ہوتا ہے اُس کی جب تک اصلاح نہ کیجائے وہ رفع نہیں ہو سکتا اور اس لئے عبارت قانون کی اصلاح کرنے میں عدالتوں کو منشائے قانون کے ناقص ہونے یا نہ ہونے کا لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر عدالتوں کو ناقص عبارت قانون پر غور کرنے سے واضع قانون کی صحیح اور مکمل غرض کا پتا چل سکتا ہے تو اُس کو دریافت کر کے قانون کو موثر بنانا اُن کا فرض عین ہے۔ یہ دریافت کرنا کہ اگر زیر بحث قانون کی عبارت میں ابہام وغیرہ نہ ہوتا تو اُس کے بنانے والے کا فی الحقیقت کیا منشا تھا عدالتوں کے فرائض میں داخل ہے۔ بہر حال جب کبھی کسی قانون کے الفاظ سے اُس کا حقیقی اور صحیح مفہوم نہ معلوم

لے واضع قانون کے منشا کی جو دو قسمیں حقیقی اور مخفی قرار دی گئی ہیں عدالتوں کو اُن پر عمل کرنے کی نہ صرف قانون موضوعہ کی صورت میں ضرورت ہوتی ہے بلکہ معاہدہ کی شکل میں بھی اُنھیں فریقین کی غرض اور مطلب کے متعلق اس طرح امتیاز کرنا پڑتا ہے۔ معاہدات کی تعبیر کرنے میں جو عدالتوں کو دشواری پیش آتی ہے اُس کا سبب زیادہ تر یہ ہے کہ کسی خاص جزو یا نکتہ کی نسبت فریقین کا کوئی خاص منشا نہیں ہوتا۔ یعنے بغیر سوچے سمجھے

ہو تو واضع قانون کے منشا سے اس طرح واقفیت حاصل کیجاتی ہے۔ اور اس کو مضمر اور مخفی منشا کہتے ہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ نقائص قانونی کی صورت میں عدالتیں صرف منطقی نقائص کی تکمیل کر سکتی ہیں۔ اور اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا کہ واضع قانون سے ترکیب و ترتیب الفاظ میں غلطی ہوئی یا اُس سے منشائے قانون کا مکمل حقہٗ اظہار نہ ہو سکا۔ بہرحال ان دونوں صورتوں میں عدالتیں محض نقائص منطقی کی اصلاح کرنے کی مجاز ہیں۔ وہ اس سے زیادہ قانون موضوعہ میں دست اندازی نہیں کر سکتیں۔ اگر واضع قانون کے منشا میں اخلاقاً نقص و سقم بھی پایا جائے تو عدالتوں کو اس طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے۔ عدالتوں کے لئے اس طرح کے خیالات کرنا ممکن ہے کہ فلاں قانون کا منشا اگر اپنے موجودہ مطلب سے زیادہ وسیع یا تنگ یا اُس کے مغائر ہوتا تو وہ قانون زیادہ منصفانہ و دانشمندانہ اور مفید ثابت ہوتا۔ مگر ایسے اخلاقی نقائص کی بنا پر عدالتوں کو قانون میں کمی و بیشی یا رد و بدل کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ بسا اوقات عدالتوں کو یہ بات محسوس ہوتی ہے اور اُن کا اس کو محسوس کرنا بجا بھی ہے کہ اگر واضع قانون کو کسی خاص مشکل کی بابت توجہ دلائی جاتی تو قانون زیر بحث میں اُس مشکل کا ضرور لحاظ کیا جاتا اور جو کمی اس قانون میں اس وقت پائی جا رہی ہے وہ پوری ہو جاتی لیکن اگر ایسا قانون از روئے منطق مکمل ہو اور اُس میں اُس مشکل کو شامل کرنے کے بغیر اُس پر عمل ہو سکتا ہو تو اُس کو اُس کی حالت پر برقرار رکھنا عدالتوں کو لازم ہے۔ مثلاً اگر قانون میں بھیڑوں کے متعلق ہدایت مندرج ہو تو بمقتضائے عقل سلیم اُس کے مفہوم میں بکرے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن منشائے قانون کو اس طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اُس کا کیا اثر ہوگا اور اُس کے متعلق اپنا کیا منشا ہونا چاہیئے فریقین معاہدہ کسی ایک شرط کو قائم کر لیتے ہیں مگر عدالتیں غلطی سے یہ رائے قائم کر لیتی ہیں کہ فریقین کو اُس خاص نکتہ کے متعلق اپنا منشا ظاہر کرنے میں ناکامی ہوئی۔

وسیع بنانا اضمان قانون کا کام ہے۔ عدالتوں کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ منطقی اسباب و علل کی بنا پر تفسیر کے ذریعہ سے منشائے قانون کی اصلاح ہوسکتی ہے اور اس طریقہ سے عدالتیں اگر واضع قانون کے بلاواسطہ اور حقیقی منشا کی نہیں تو اس کے آخری منشائے بنیادی کی تکمیل کرتی ہیں۔ لیکن اخلاقی وجوہ کی بنا پر واضع قانون کے منشا کی اصلاح کرنا گویا اس کے اختیارات میں دخل دینا ہے۔

خلاصہ

وضع قوانین۔ اس اصطلاح کے تین مفہوم۔

(۱) تمام اشکال قانون سازی (قانون بنانے کی تمام صورتیں)

(۲) ایسے تمام اشکال جن کے ذریعہ سے واضع قانون کی مرضی کا اظہار ہو سکتا ہو۔

(۳) قانون سازی بذریعۂ اعلانات حکومت۔

قانون:
- موضوعہ۔ اسٹاٹیوٹری۔ منصوص۔
- غیر موضوعہ۔ کامن (عرفی) غیر منصوص۔

وضع قوانین:
- اعلیٰ۔ بذریعۂ پارلیمنٹ شہنشاہی۔
- ادنیٰ:
  - ۱۔ نو آبادیوں کا
  - ۲۔ حکومت عاملانہ کا۔
  - ۳۔ عدالتوں کا۔
  - ۴۔ بلدیات کا۔
  - ۵۔ خود مختارانہ۔

وضع قوانین اور دوسرے ماخذہائے قانون میں جو تاریخی نسبت ہے۔

دیگر ماخذ ہائے قانون پر وضع قوانین کی فضیلت۔

تعبیر
- لفظی۔ جو محض الفاظ قانون پر مبنی ہوتی ہے۔
- معنوی
  - قانون کا از روئے منطق ناقص ہونا
    - مبہم
    - مغائر
    - نامکمل
  - الفاظ و عبارت قانون میں مسلمہ اور صریح غلطیوں کا واقع ہونا۔

لفظی اور منطقی تعبیر۔

وسیع اور محدود تعبیر۔

آٹھواں باب

رسم

فصل ۵۵ قدیم زمانہ میں قانون رسمی کی وقعت

یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جس قدر کسی ملک کے قوانین میں ترقی ہوتی ہے ویسا ویسا اُس ملک میں رسم کی وقعت بحیثیت ماخذ قانون کم ہوتی جاتی ہے چنانچہ مثال کے طور پر ہم انگلستان کا نام پیش کرتے ہیں۔ جہاں وضع قوانین اور عدالتی فیصلہ جات کے طریقہ نے رسم کو جو انگریزی قانون بنانے کا آلہ سمجھا جاتا تھا بالکل ناکارہ کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ رسم کو قانون کا ماخذ نہ ماننے کا ایک سبب یہ ہے کہ نہایت شدید قیود کے قائم ہو جانے سے اُس ملک میں رسم کی قانون بنانے کی تاثیر زائل ہو گئی ہے۔ کیونکہ فی زماننا کوئی رسم اُس وقت تک جائز نہیں سمجھی جاتی جبتک وہ اُن شدید قیود و شرائط کی کسوٹی پر نہ کسی جائے جن کو قانون نے معیار قرار دیا ہے۔ لیکن زمانۂ قدیم میں حالت اس کے برعکس تھی۔ اُس زمانہ کے لوگوں میں قدیم سے یہ خیال چلا آرہا تھا اور سرکاری طور پر بھی یہی سمجھا جاتا تھا کہ وضع قوانین کے ذریعہ سے قانون انگریزی کا جو جزو بنا ہو اُس کا ماخذ رسم ہے۔ اور اس بنا پر قانون کی دو قسمیں قرار دی گئی تھیں۔ قانون ملک کا ایک جزو منصوص قانون موضوعہ اور اُس کا دوسرا جزو غیر منصوص کامن (غیر موضوعہ) یا قانون رسمی کہلاتا تھا۔ لوگوں کو عدالتی فیصلہ جات کے ماخذ قانون ماننے سے انکار تھا بلکہ وہ ان کو اُن رسوم کی شہادت تصور کرتے تھے جن سے قانون غیر موضوعہ یعنی کامن لا اخذ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ انگریزوں کا قانونی نظام "قانون و رسم انگلستان" کے لقب سے مشہور تھا۔ ملک کے قانون عام اور رسم عام میں کوئی فرق نہ تھا بلکہ یہ

الفاظ مرادف خیال کئے جاتے تھے۔ اگرچہ قانون کی نسبت متقدمین کا قیاس یہی تھا جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ لیکن جو کچھ بھی ان کا عقیدہ تھا وہ بلا شبہہ غلط تھا۔ اور اُس زمانہ میں بھی اس عقیدہ کو ثابت کرنا دشوار تھا مگر اس میں شک نہیں کہ انگریزی قانون کی تاریخ کے ابتدائی زمانہ میں بہ نسبت اُس کے درمیانی اور آخری زمانہ کے یہ مسئلہ زیادہ صحیح ثابت ہوا ہے۔ اور اُس کی غلطی اور بے اصلی ثابت ہونے کے بعد بھی مدتوں اس کا خیال لوگوں کے دماغوں میں سمایا رہا۔ کیونکہ گذشتہ چند صدیوں سے انگریزی قانون کے صحیح ماخذ قوانین موضوعہ اور عدالتی فیصلہ جات سمجھے جاتے ہیں۔ اور قوانین موضوعہ کے ساتھ رسم کو اس قانون کا ماخذ سمجھنا متروک ہو گیا ہے۔ کامن لا (برطانوی قانون غیر موضوعہ) اصل میں قانون نظائری ہے۔ یہ عدالتی فیصلہ جات سے بنا ہے۔ اس کو رسم سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ قانون رسمی ہے۔ بایں ہمہ ہیل[1] نے سترھویں صدی میں اور بلیک اسٹن[2] نے اٹھارھویں صدی میں اس قدیم مسئلہ کو صحیح اور معتبر تسلیم کرکے اپنی تصنیفات میں اُس کو جگہ دی ہے چنانچہ بلیک اسٹن لکھتا ہے کہ ”قانون انگلستان جس کو حکومت نے نافذ اور جاری کیا ہے دو حصوں میں منقسم ہے۔ اور اُس کو اس طرح تقسیم کرنا بالکل درست ہے۔ یعنے قانون غیر منصوص یا قانون غیر موضوعہ (کامن لا) اور قانون منصوص یا قانون موضوعہ (اسٹاچیوٹ لا)۔ بزبان لاطینی یہی اصطلاحات لیکس نان اسکرپٹا اور لیکس اسکرپٹا کہلاتی ہیں۔ قانون غیر منصوص میں نہ صرف عام رسوم شامل ہیں جن کا صحیح لقب کامن لا (قانون غیر موضوعہ) ہے بلکہ اُس میں ریاست کے بعض مقامات کے مخصوص رسوم بھی داخل ہیں۔ اور اسی طرح اُس قانون میں اُن مخصوص قوانین کا بھی شمار

[1] تاریخ قانون غیر موضوعہ باب ۳ مصنفہ ہیل۔
[2] بلیک اسٹن جلد ۱ صفحہ ۶۳۔

کیا جاتا ہے جن پر از روئے رسم و رواج بعض عدالتیں عمل کرتی ہیں" اس میں شک نہیں کہ یہ فقرہ اس صحیح رائے کا نقیض ہے جو قانون موضوعہ اور غیر موضوعہ کے متعلق اس زمانہ میں قانونی دنیا کی ہے۔ اس کے ذریعہ سے قانون کی صحیح حالت بیان کرنے کے بجائے بلیک اسٹن نے اس کو زمانہ قدیم کے خیال کی صدائے بازگشت قرار دیا ہے۔ اس پر بھی ہم کو اس امر کا اعتراف کرنا چاہئے کہ زمانہ موجودہ میں بھی رسم و رواج کا بہت کچھ اثر باقی رہ گیا ہے۔ اب بھی رسم انگریزی قانون کا ایک ماخذ خیال کیا جاتا ہے اور اس کی نوعیت اور عمل کے متعلق تحقیق کرنا اُن اہل الرائے کے فرائض میں داخل ہے جو موجودہ نظریات قانون کی چھان بین کرتے ہیں۔ اس لئے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ رسم محض تاریخ قانون یا آثار قدیمہ کے وقائع نگاری کا ایک مضمون ہو سکتا ہے۔

فصل ۵۲ - اسباب قبولیت قانون رسمی

اس کے قبل ماخذ ہائے قانونی کے بیان میں اُن دلائل کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے رسم کو قانون ماننا پڑتا ہے۔ منجملہ اُن وجوہ کے پہلا سبب یہ ہے کہ قوم کے اکثر افراد جن اصول کو سچا اور منصفانہ خیال کریں اور اُن کی رائے میں ان اصول سے خلق خدا کو نفع پہنچتا ہو اُنھی اصول کے اجتماع سے اُس قوم کے رسوم بنتے ہیں۔ جب لوگ کسی قاعدہ پر رسماً عمل کرنے لگتے ہیں تو اُس کے متعلق قیاس قانونی یہ ہے کہ قانون نے اُس کو منظور کر لیا ہے۔ یعنے ایسا قاعدہ التزاماً قانون سمجھا جاتا ہے اور اُس کے متعلق عدالتیں اس طرح کا قیاس قانونی قائم کرتی ہیں۔ اسی بنا پر رومیوں کے ہاں ضرب المثل تھی کہ قدیم راستہ پر چلنے میں سلامتی ہے۔ اس مقام پر ایک عام قاعدہ بیان کیا جاتا ہے۔ اصول حق و انصاف پر عمل کرنا عدالتوں کا فرض ہے۔ لیکن ان اصول کی تلاش کرنے کے عوض اور بصورت عدم موجودگی اپنے ایمان اور ضمیر کی مدد سے اس طرح کے اصول بنا کر خطرہ میں پڑنے سے

اُن کے لئے مناسب ہے کہ اُنھی اصول کو اختیار کریں جن کو قوم نے پسندیدگی اور قدامت کا تمغہ عطا کیا ہو۔ اس طرح کے اصول کو اختیار کرنے میں عدالتوں کو منشائے قوم اور قبولیت ملت کو اپنا راہنما قرار دینا چاہیئے۔ بہرحال قوم کی اس مضمر خواہش و نیت کی بیرونی اور ظاہری علامت اُس کی رسم ہے۔

قانون کو جو نسبت سلطنت سے ہے وہی نسبت رسم کو سوسائٹی (نظم معاشرت) سے ہے۔ انسان جس بصیرت اور فرزانگی سے اصول حق و انصاف کی تلاش اور اُن پر غور کرکے اُن کو پہچانتے اور حاصل کرتے ہیں اُس کا اظہار قانون اور رسم کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے سلطنت قائم ہونے کے بعد جب قوم کی ازروئے قانون شخص واحد کی سی حیثیت ہوجاتی ہے۔ اور جب وہ اپنے فرماں روایانہ اختیار پر عمل کرتی ہے تو جو اصول اُس کے پسندیدہ ہوتے ہیں اُن کا ایک مجموعہ تیار کیا جاتا ہے اور اُسی کا نام قانون ہے۔ لیکن اس کے برعکس جن اصول کو رعایا بحیثیت فرماں روا نہیں بلکہ بحیثیت سوسائٹی مانتی اور پسند کرتی ہے اُن کے مجموعہ کا لقب رسم ہے۔ اور سوسائٹی کی طرف سے یہ بنتا اور بگڑتا ہے۔ بنائے علیہ یہ امر لازمی ہے کہ جب سلطنت بذریعۂ ارتقا نظم معاشرت سے سلطنت کی حیثیت پر پہنچتی ہے تو ملک کے لئے جو قانون سلطنت بناتی ہے اُس کا زیادہ تر مواد اُن رسوم پر مبنی ہوتا ہے جو رعایا میں رائج ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب سلطنت اپنی عدل گستری کے فرض کو ادا کرنا شروع کرتی ہے تو اُن اصول و قواعد حقا کو اُسے صحیح اور جائز ماننا پڑتا ہے جن کو اُس سے پہلے اُس سوسائٹی نے قبول اور منظور کر لیا تھا جس سے ترقی کرکے اُس نے سلطنت کی شکل اختیار کی ہے اور جن پر اُس کی رعایا (افراد قوم) کے رسوم مشتمل ہیں۔ چونکہ جب قوم کی حالت علم و فضل کی ترقی سے بدلتی ہے تو اُس کے رسوم میں بھی ترقی اور تبدیلی واقع ہوتی ہے اس لئے اگر قوانین ملک میں تبدیل حالات اور ترقی رسوم کا عکس (پرتو) نظر آئے تو اُس کو سلطنت کی دانشمندی پر محمول کرنا چاہئیے سلطنت کی بیدار مغزی اسی امر میں ہے کہ وہ ریاست کے ابتدائی زمانہ میں رعایا کے

رسوم کے مطابق قانون ملک بنائے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ رسم کا اثر قانون پر اسی وقت پڑتا ہے جبکہ اُس ملک کے نظام قانون کی حالت ابتدائی ہوتی ہے اور قانون کے ترقی پانے کے بعد رسم و قانون میں جو نسبت ہے وہ پلٹ جاتی ہے کیونکہ سلطنت کے قوی اور مستحکم ہونے سے اُس میں خود اعتمادی کا مادہ بڑھ جاتا ہے اور وہ رسم قومی کو قانون ملک کے مطابق و ہم آہنگ بنانے کی کوشش کرتی ہے اور پہلا طریقہ جس کے ذریعہ سے قانون ملک اور رسم قومی میں تطبیق منشا بہت پیدا کیجاتی تھی ترک کر دیا جاتا ہے یعنے سلطنت اپنے کو نہ صرف صورت وضع قانون بلکہ مواد قانون کا ماخذ بنانے کے لئے حریص ہو جاتی ہے لیکن سلطنت کو اپنے قیام کے ابتدائی مدارج میں مجبوراً اُس مواد پر قانون کی شکل اور نوعیت قائم کرنی پڑتی ہے جس کو رسم پیش کرتی ہے۔

رسم کو ماخذ قانون سمجھنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ لوگوں کو ہر ایک رواج معینہ کے جاری رہنے کی توقع ہوتی ہے۔ اور اُن کا اس طرح امید کرنا بعید از عقل بھی نہیں ہو سکتا۔ انصاف کا مقتضاء بھی یہی ہے کہ حکومت کو لوگوں کے مایوس کرنے کے عوض اُن کی امیدوں کو برلانا چاہیئے بشرطیکہ اُن کو منقطع کرنے کے لئے کوئی معقول وجہ نہ پائی جائے۔ اگرچہ کسی ملک کے رسوم بعید از عقل اور انصاف مثالی کے لحاظ سے نامنصفانہ معلوم ہوتے ہوں یہی نہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہو جائے کہ وہاں کی قوم نے اُن رسوم کے قائم کرنے میں سخت غلطی کی ہے اور اُس ملک کی عدالتیں اپنی دانشمندی سے اُن سے بہتر قواعد بنا کر جاری کر سکتی ہیں تب بھی اُن رسوم کو منسوخ کر کے لوگوں کے اُن توقعات کو منقطع کرنا جو وہ کسی رواج یا طرز عمل معینہ کے ساتھ رکھتے ہیں ہرگز مناسب نہیں ہے۔

فصل ۵ شرائط جواز رسم

رسم کو جائز اور با اثر ماخذ قانون ماننے کے لئے قانون نے چند شرائط و قیود مقرر کئے ہیں۔ منجملہ اُن کے شرائط مندرجۂ ذیل مخصوص خیال کئے

جاتے ہیں ۔

۱۔ معقولیت ۔ رسم کا معقول ہونا ضرور ہے ۔ چنانچہ قانون کا مقولہ ہے کہ رسم بہ قابل فسوخی ہے[1] ۔ رسم کو اقتدار مطلق حاصل نہیں ہے بلکہ اُس کا یہ اقتدار مشروط بہ انصاف و رفاہ عام ہے ۔ رسم کے ماننے میں عدالتوں کو کورانہ تقلید کی ضرورت نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ رسم زیر بحث سے لوگوں کے حق میں انصاف ہوتا ہے اور عوام کو اُس سے فائدہ پہنچتا ہے کہ نہیں ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عدالتیں جس کسی رسم کو پوری طرح سے عقل و انصاف کے مطابق نہ پائیں یا اپنی دانست میں اس سے بہتر قاعدہ وہ خود مرتب کر سکتی ہیں تو اُس کو منسوخ کرنے کی مجاز ہیں ۔ اگر عدالتوں کو اس طرح کا اختیار مل جائے تو رواج کا اثر و اقتدار خواہ مطلق ہو کہ مشروط باقی نہیں رہ سکتا اور رواج کے اثر کو زائل کرنا مخلوق کے واسطے مضر ہے ۔ اس لئے عدالتوں کی دست اندازی کے متعلق ایک صحیح قاعدہ بتلایا گیا ہے کہ جب تک کسی رواج کی نسبت یہ ثابت نہ ہوگا کہ وہ صریحاً عقل و انصاف کے مغائر ہے اُس وقت تک اُس کا اثر قانونی زائل نہیں ہو سکتا ۔ نیز رواج کو باطل قرار دینے کے لئے عدالتوں کو کافی غور کر لینا چاہیئے کہ لوگوں کی امیدوں کو منقطع کرنا جو اُنھوں نے اُس کے جاری رہنے اور جائز سمجھے جانے کی نسبت کی تھیں اور اُس کے متعلق انتظامات کر رکھے تھے اُس کی تعمیل کرانے سے زیادہ مناسب ہے ۔ اس کے بعد جب ہم دوسرے باب میں فیصلہ جات عدالت کے نظریہ کو بیان کریں گے تو اس امر کا بخوبی انکشاف ہوگا کہ نظائر قانونی کا اقتدار و اثر مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے ۔ عدالتوں کو اُن نظائر قانونی پر جو خلاف عقل و انصاف ہوں عمل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اُن کو رد کر سکتی ہیں ۔ قدیم کتابوں میں پارلیمنٹ کے قوانین کے اثر و اقتدار کے متعلق بھی ایک اسی قسم کا قاعدہ بتلایا گیا ہے اور اُس کی بنا پر

[1] Co. Litt. 141 a; The case of Tanistry, Dav, Rep. 32; Blackstone, I. 77.

قدیم زمانے میں پارلیمنٹ کے ہر ایک قانون کو جو خلاف عقل و انصاف پایا جاتا تھا ناجائز و کالعدم[1] قرار دینے کا قاعدہ تھا۔ بہرحال اب یہ بات باقی نہیں رہی اور پارلیمنٹ کو جو وضع قوانین کا اختیار حاصل ہے وہ اقتدار مطلق سمجھا جاتا ہے لیکن اُن قوانین کو جو ادنیٰ درجہ کی مجالس وضع قوانین کے ذریعہ سے بنائے جاتے ہیں یہ رتبہ حاصل نہیں ہے۔ اور اُن پر قاعدۂ متذکرہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بائی لا (قانون ضمنی ذیشرطی) معقول نہ ہو تو وہ اُسی طرح بے اثر اور کالعدم سمجھا جاتا ہے جس طرح کوئی غیر معقول رواج یا فیصلۂ عدالتی غیر موثر اور ناجائز تصور کیا جاتا ہے۔

۴۔ واجبی رائے۔ رسم کے جائز سمجھے جانے کے لئے مخلوق کا اُس کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا جو باصطلاح مفسرین قانون رو ما رائے واجبی[2] کہلاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جو کسی رواج پر عمل کرتے ہیں اُس کو وہ اپنے عقیدہ میں واجبی نہ کہ محض فعل اختیاری سمجھتے ہیں اور جس رواج کو لوگ فعل اختیاری خیال کرتے ہیں اُس کا قانون میں کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ جب تک کسی رسم کی تہ میں کوئی اصول حق و انصاف مضمر نہیں ہوتا اور جب تک وہ اصول کسی ملک کی رعایا یا کسی قوم کے مرغوب طبع نہیں ہوتا اُس وقت تک اُس رسم کی قانون کی سی تاثیر نہیں ہو سکتی یعنے جبتک رسم اس اخلاقی عقیدے یا رائے واجبی پر مبنی نہیں ہوتی اور لوگ جو اس پر

---

[1] اگر کسی عام رسم اور قانون الٰہی میں صریحاً تخالف پایا جاتا یا کوئی قانون موضوعہ (اسٹاچیوٹ) صریحاً قانون الٰہی کے خلاف بنایا جاتا تو اس طرح کا رسم اور قانون موضوعہ دونوں کالعدم سمجھے جاتے تھے دیکھو ڈاکٹر اور طالب علم کا مکالمہ جلد ا باب ۶ اس کے سوائے دیکھو بینتھم کا مقدمہ رپورٹ مرتبۂ کک جلد ۸ صفحہ ۱۱۸ (الف) کوک کا دوسرا انسٹی ٹیوٹ صفحہ ۵۸۷ ہوبرٹ صفحہ ۸۷۔ بلیک اسٹن جلد ا صفحہ ۹۱۔ تاریخ قانون انگلستان مصنفۂ پالک ور میڈ لینڈ جلد ا صفحہ ۴۹۱ طبع اول۔ اصول قانون مصنفۂ پالک صفحات از ۲۶۲ تا ۲۶۷ طبع دوم۔

[2] پینڈیکٹس (مجموعۂ قوانین) مرتبۂ وُرن برگ جلد ا فصل ۲۷ فقرۂ ۳۔

[3] بلیک اسٹن جلد ا صفحہ ۷۸۔ سوا ریز جلد ۸ باب ۴ صفحہ ۷۔

عمل کرتے ہیں یا اپنے کو اُس کی تعمیل کے لئے مجبور نہیں سمجھتے[1] اُس وقت تک اُس رسم میں اثر قانون نہیں پیدا ہوسکتا محض یہی اوقات قانون کے ماخذ ہوسکتے ہیں جن پر قوم اپنے افراد کے حقوق و فرائض کا سرچشمہ تصور کرکے عمل کرتی ہے۔

۳۔ رسم کا قانون موضوعہ سے مطابق ہونا۔ تیسری شرط جواز رسم کے متعلق یہ ہے کہ رسم زیر بحث کا پارلیمنٹ کے کسی قانون سے مغائر اور مخالف نہ ہونا چاہیئے۔ یعنے رسم اور پارلیمنٹ کے وضع کردہ قانون میں ارتباط اور موافقت کا ہونا لازم ہے۔ آیندہ چل کر ہم بیان کریں گے کہ بعض رسوم میں نہ صرف قانون بنانے کی قوت ہے بلکہ ملک کے قدیم قانون کو منسوخ کرنے اور اس میں کمی کرنے کی بھی طاقت ایک حد تک ہے۔ اس طرح کے رسوم کے ذریعہ سے قدیم قانون کی منسوخی اور جدید قانون کی بنا ہوسکتی ہے۔ بر ایں ہم کوئی رسم خواہ وہ کسی قسم کا کیوں نہ ہو قانون موضوعہ کے خلاف جائز نہیں سمجھا جاسکتا۔ قانون انگلستان میں جو اختیار بطریق وضع قوانین کو حاصل ہے رسم اُنہیں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر انگلستان کا کوئی قانون موضوعہ مدتوں بلاتعمیل رجسٹر قوانین موضوعہ میں بند پڑا رہے اور اُس کے مقابلہ میں کسی ایسے رسم پر جو اُس کے مخالف ہو لوگ صدیوں سے عمل کرتے رہیں تو بھی اس طرح کے مخالف رسم سے قانون مذکور کے کسی دفعہ اور مطلب میں کسی قسم کا تغیر یا تبدیل واقع نہیں ہوسکتی۔ اس میں شک نہیں کہ انگلستان کا قانون غیر موضوعہ (کامن لا) جب اس میں اور قدیم ترین رسم میں مغائرت پائی جائے تو باطل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قانون موضوعہ پر مغائر و مخالف رسم کا مطلق اثر نہیں پڑسکتا۔

اس قاعدہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بلحاظ حالات و واقعات صغریٰ کبریٰ قائم کرکے یہ منطقی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ بلکہ اصل میں یہ قاعدہ قانون انگلستان کا ایک مشتبہ اصول ہے اور اُسی قانون کے لیئے مخصوص ہے۔ چنانچہ قانون روما[2] میں

[1] بلیک اسٹن جلد ۱ صفحہ ۶۷ - تشریحات کوک بر لٹلٹن صفحہ ۱۱۳ - الف -

[2] لاطینی -

اس قاعدہ کے بالکل منافی قاعدہ پر عمل ہوتا تھا۔ اور ابھی تک یورپ کے اُن ممالک کے نظامات قانونی میں جو قانون روما سے اخذ کئے گئے ہیں اس دوسرے منافی قاعدہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور ان ملکوں کا مسلّمہ و مقبولہ مسئلۂ قانون یہ ہے کہ بلا لحاظ ماخذ قانون مابعد کو قانون ماقبل پر ترجیح دینی چاہیئے۔ ان ملکوں میں وضع قوانین کو رسم پر باطنی اور نہ ظاہری فضیلت دی جاتی ہے۔ اگر قانون پہلے وضع ہو اور اُس کے بعد کسی ایسے رسم پر لوگ عمل کرنا شروع کریں جو قانون مذکور کے منافی ہو تو اس طرح کے رسم مابعد سے قانون ماقبل میں اصلاح و تبدیل کی جاتی ہے۔ اسی طرح قانون مابعد سے رسم ماقبل میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سیوائینی[1] لکھتا ہے کہ "اگر رسوم اور قوانین موضوعہ کے اثر قانونی پر غور کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا کہ دونوں کی ایک حیثیت و شان ہے چنداں دشوار نہیں۔ ایک قانون رسمی کے ذریعہ سے دوسرے قانون موضوعہ کو قطعاً منسوخ کرنا یا اُس میں اصلاح کرنا ممکن ہے۔ اس طرح کے رسمی قانون سے ایک دوسرا جدید قانون بن سکتا ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں جس رسم کے ذریعہ سے جو قانون موضوعہ منسوخ کیا جاتا ہے وہی اُس کے عوض قانون بنجاتا ہے"[2] یہی ونڈشیڈ[3] کا خیال ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "قانون رسمی بلحاظ عمل و اثر قانون موضوعہ کا ہم پلہ ہے اور اسی بنا پر پہلی قسم کے قانون کے ذریعہ سے دوسری قسم کے قانون میں نہ صرف اضافہ کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کی تنسیخ بھی ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ جس طرح قانون رسمی سے قانون موضوعہ کی تبدیل و تنسیخ عمل میں لائی جاتی ہے یا اُس میں اضافہ کیا جاتا ہے اسی طرح قانون رسمی اور قانون موضوعہ کے تعلقات کا اثر ہے۔

[1] نظام سیوائینی فصل ۱۸۔
[2] جلد ا فصل ۱۸۔
[3] اگر اہل اسکاٹلینڈ کے اس قسم کے عقیدۂ قانونی کے مطالعہ کا کسی کو شوق ہو تو آئین و قوانین مرتبۂ آرسن کرن جلد ا فصل ۱۹ دیکھنا چاہیئے۔

۴ - مدت مدید - جواز رسم کی چوتھی شرط اُس کا زمانۂ دراز تک جاری رہنا ہے - اس مقام پر رسوم کے فرق کا اظہار کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے - رسوم کی دو قسمیں ہیں - رسم عام اور رسم مقامی[1] رسوم عام سے مراد وہ رسوم ہیں جن پر سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوگ عمل کرتے ہیں یعنے اُس کل علاقہ میں جو کسی ایک نظام قانونی کے ماتحت ہو اس طرح کے رسوم کا لحاظ کیا جاتا ہے - اس کے برعکس رسوم مقامی کا لحاظ اور اُن پر عمل صرف سلطنت کے کسی ایک مخصوص حصہ کے باشندے کرتے ہیں اور اس طرح کے رسوم محض کسی ایک جماعت اور فرقہ سے مخصوص سمجھے جاتے ہیں - رسم مقامی کے متعلق قانون انگلستان میں ایک قاعدہ بنا دیا گیا ہے کہ رسم خاص اس قدر دیرینہ ہونا چاہیئے کہ اُس مقام کے باشندوں کو جن سے اُس کا تعلق ہے رسم مذکور کے بنا ہونے کا زمانہ یاد نہ رہا ہو - مگر انگریزی قانون میں دیگر رسوم کے متعلق اس طرح کی شرط نہیں قائم کی گئی ہے - رسم عام کے متعلق اس قدر ثابت کرنا کہ وہ ایک معین رواج ہے اور عوام اس پر عمل کرتے ہیں کافی ہے اور اس کی مدت عملدرآمد کے متعلق ثبوت پہنچانے کی مطلق ضرورت نہیں - اس کے برعکس رسم خاص کو موثر بنانے کے لیئے اُس فریق کو جو اُس کا ادعا کرتا ہے اُس کی مدت اجرا کا ثابت کرنا بھی ضرور ہے - چونکہ رسم مقامی کا اثر ملک کے ایک مخصوص حصہ تک محدود ہوتا ہے اس لیئے اُس کے قیام و بحالی کے زمانہ سے عدالتوں کا واقف ہونا مشروط کیا گیا ہے - اسی طرح دوسرے مراسم کی با

[1] یہ امر قابل غور ہے کہ رسم سے مراد ہمیشہ رسم خاص لیجاتی ہے - اور جب تک کوئی دوسرا لفظ بطور صفت اس کے ساتھ استعمال نہ کیا جائے اُس کا مفہوم رسم عام نہیں ہوتا - چنانچہ اس بنا پر رسم (یعنی رواج مقامی جواز روئے قانون صحیح سمجھا جائے یا جس کی قانون کی سی تاثیر ہو) قانون (یعنی قانون ملک یا ملک کا قانون عرفی اور غیر موضوعہ) کی ضد سمجھا جاتا ہے لہذا جب تقاضا سیاق اور کتب قانون میں جواز رسم کے متعلق شرائط مندرج ہوں تو ناظرین کو اُن شرائط و قواعد کی عبارت سے اس امر کا اطمینان کرلینا چاہیئے کہ مصنف کا منشا لفظ رسم کے استعمال کرنے سے کس قسم کی رسم ہے عام یا خاص -

صرف اُن کی عمومیت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اور یہی خاصیت اُن کو عدالتوں کی نظروں میں مستند بناتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اُن کی اجرائی کے متعلق مدت دراز کا ثابت کیا جانا لازم قرار نہیں دیا گیا ہے۔

ہم آیندہ چل کر دکھائیں گے کہ قانون انگلستان میں کس طرح قانون کلیسا سے رسم دیرینہ کا خیال لیا گیا ہے اور قانون کلیسا میں کس طرح قانون روما سے خیال مذکور اختیار کیا گیا تھا۔ مدت مدید سے مراد ایسا زمانہ دراز ہے جس کی یاد کسی زندہ آدمی کو نہ رہی ہو اور جس کے متعلق واقعہ زیر بحث کے زمانہ کے انسان شہادت نہ ادا کر سکتے ہوں۔ قانون روما، قانون کلیسا اور اُن نظامات قانون میں جو ان دو نظامات سے مشتق ہوئے ہیں، اور ابتدائی زمانہ کے قانون انگلستان میں مدت مدید کا مفہوم اُس طرح زمانہ دراز مقصود ہوتا تھا جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بنا پر رسم دیرینہ اُس قدیم رسم کو کہا جاتا تھا جس کی ابتدا کسی انسان کو یاد نہ رہی ہو اور بنائے رسم کے پہلے کے زمانہ کی بابت کوئی انسان شہادت نہ ادا کر سکتا ہو[1] لیکن تیرھویں صدی میں اس اصطلاح کے مفہوم میں ایک عجیب و غریب تغیر واقع ہوا۔ اور انسان کے حافظہ کے متعلق حد قائم کی گئی اور بطور واقعہ اُس کو ثابت کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انگلستان میں زمانہ قدیم اور مدت مدید کا تعین ایک نہایت بعید از عقل قاعدہ کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا اور یہ قاعدہ ابھی تک نافذ ہے۔

---

[1] برائے ہم قانون انگلستان اور قانون غیر میں روایات کی مدد سے زمانہ کے قدیم اور دیرینہ قرار پانے کے لئے ایک مدت معین کی گئی تھی۔ اور اس بنا پر گواہ سے نہ صرف اُس کے چشم دید واقعات کی نسبت شہادت دلائی جاتی تھی بلکہ جو باتیں وہ دوسروں سے سنا کرتا تھا اُن کی بابت بھی گواہی دے سکتا تھا۔ ایسی شہادت کی ضرورت اُس وقت تھی جو کسی گواہ کے علم ذاتی کی ہو سکتی ہے۔ ڈائجسٹ ۲۲ ۔ ۱۳ ۔ ۲۸ ۔ بریکٹن الف ۳۷۳ ۔ الف ۳۱۸ ب۔ فرانسیسیوں کے قانون میں زمانہ کی مدت جس کو انسان یاد رکھ سکتا ہے سو برس قرار دی گئی تھی۔ پانچویں کی کتاب متعلق بحث قدامت دفعات ۲۷۸ لغایت ۲۸۸۔

قانون ویسٹ منسٹر کی جو تعبیر حکام عدالت نے کی تھی اُسی بنا پر مدت مدید کے متعلق ایک قانونی اصول قائم کر لیا گیا ہے جس کا منشا ہے کہ انسان کا حافظہ رچرڈ اول کے زمانۂ فرماں روائی کی ابتدا تک کام دے سکتا ہے ۔ اور اُس کے پہلے کے واقعات انسان کی یاد سے خارج ہیں چنانچہ اُس دن سے آج کے دن اس قاعدہ اور قانون میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہونے پائی۔ مرور زمانہ کے ساتھ مدت مدید کے متعلق جو اس طرح قانون اور واقعات میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا وہ بڑھتا ہی گیا ۔ اور اس کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ زمانۂ حال کے قانون انگلستان میں فرض کر لیا گیا ہے کہ انسان کی قوت حافظہ آج سے سات سو برس پہلے کے واقعات کی نسبت کام دے سکتی ہے ۔ بہرحال انگریزی قانون کی قدامت پسندی کی اس سے زیادہ عجیب و غریب مثال نہیں ہو سکتی ہے[1]

بہرحال اس قاعدہ کا اطلاق کی رو سے بشرطیکہ قدیم ہو جائز نہیں ہے

---

[1] قانون ویسٹ منسٹر اول باب ۳۹ کی رو سے دخلیابی کے دعوے کی مدت قرار دی گئی ہے۔ جس کا منشا ہے کہ مدعی یا اُس کے مورث کو اس طرح کے دعوے کے لیے زمین زیر نزاع پر رچرڈ اول کے اوائل سنین جلوس سے قابض ہونا لازم ہے اس کے پہلے کامن لا کا قاعدہ جو اس طرح کے مقدموں سے متعلق تھا وہی مدت مدید کا قاعدہ تھا۔ یعنے قانون غیر موضوعہ کی رو سے مدعی کو اپنا حق اور قبضۂ زمین زندہ لوگوں کی شہادت سے ثابت کرنا پڑتا تھا۔ اور اس لئے جو لوگ مدعی اور اُس کے مورث کو قابض و متصرف ہونے کے متعلق گواہی دیتے تھے اُن کو اپنے ہی زمانہ کے واقعات بیان کرنا پڑتے تھے۔ مگر اُس زمانہ کے حکام عدالت نے بذریعۂ تعبیر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قانون مذکور میں زمانۂ قدیم کی تعریف کی گئی ہے اور اس مدت کی فرضی تعریف کا جس کا تعلق نزاعات دخلیابی سے تھا قانون کے دوسرے شعبوں پر اطلاق کیا جانے لگا ۔ اور عدالتوں نے دخلیابی کے سوائے دوسرے مقدمات میں جن میں میعاد کی بحث پیش آتی تھی اس تعریف کو منظور کرنا شروع کر دیا۔

سرِ دست حسبِ ذیل اثر ہے۔ اگر مدعی کے ادعائے قدامت رسم کو مدعی علیہ صرف اس قدر رد کردے کہ بارھویں صدی اور آج کے دن کے درمیان کسی ایک زمانہ میں رسم زیر بحث کا وجود نہیں تھا تو عدالتیں ثبوت رد کو قبول کرتی اور رسم مذکور کے تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہیں۔ مدعی کے لیے اس امر کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس طویل (سات سو برس کی) مدت میں رسم مذکور کبھی منقطع نہیں ہوئی۔ اگر مدعی اس طرح کے رسم کے متعلق ایک معقول مدت دیرینہ مثلاً بیس سال کا عرصہ ثابت کردے تو رسم کے قدیم ہونے کی نسبت عدالت قیاس کرتی ہے اور اس کی تردید اس شخص پر جس کو بیان مدعی سے انکار ہے لازم ہے۔[۱]

قانون انگلستان میں رسوم مقامی کی قدامت پر میعاد کی جو یہ کڑی قید لگائی گئی ہے اس کا سبب دریافت کرنا چنداں مشکل نہیں ہے چونکہ حکومت کا منشا اپنی تمام قلمرو میں ایک ہی قسم کا نظام قانون عرفی (کامن لا قانون غیر موضوعہ) نافذ و جاری کرنا تھا اس لیے اگر تمام اقسام کے رواجات کو بلا قیود و شرائط جیسا کہ قانون خاص کو عدالتیں تسلیم کرتی ہیں قائم و بحال رکھا جاتا تو قانون عرفی کے نظام میں یکرنگی اور یکسانی نہ پیدا ہوتی، بلکہ اس قانون کا نفاذ و اجرا ناممکن ہو جاتا اور مختلف قسم کے قوانین رسمی اور حقوق رسمی کی ایسی کثرت ہوتی کہ ملک میں جس یکرنگی کے ساتھ نظام قانون ترقی کر رہا تھا وہ رک جاتی اور شاہی عدالتوں کی غرض کہ ملک کے عرض و طول میں ایک ہی قسم کا عدل و انصاف کیا جائے مفقود ہو جاتی۔[۲]

---

[۱] آر (بادشاہ انگلستان) بنام جولف لارپورٹ مرتبہ بارن وال کرس ویل جلد ۱ صفحہ ۵۴ براڈینٹ بنام ولکس، لارپورٹ کوئنس بنچ جلد ۳ صفحہ ۷۹۔ لارنس بنام ہچ کوئنس بنچ لارپورٹ جلد ۳ صفحہ ۵۲۱۔ سمپسن بنام ویلز لارپورٹ کوئنس بنچ جلد ۷ صفحہ ۲۱۴۔

[۲] اگرچہ ہم نے شرط قدامت کو (بلحاظ انگلستان) رسوم مقامی سے مخصوص ہونا بیان کیا ہے لیکن بعض نظائر سے اس طور پر صاف سیدھا مطلب اخذ نہیں ہوتا ہے۔ اس پر بھی ہم نے رسوم خاص کے لیے جو قدامت کی قید لگائی ہے وہ بنظر سہولت عائد کی گئی ہے۔ لہذا ان نظائر کے

بنائے قاعدۂ مدت مدید۔ زمانۂ دراز کے متعلق انگریزی عدالتوں
نے بارھویں اور تیرھویں صدی میں جو قید لگانی شروع کی اُس کی
بناء فی الحقیقت قانون کلیسائی ہے۔ کیونکہ ان عدالتوں نے
قانون مذکور سے اس قاعدہ کو اپنے یہاں رائج کیا تھا۔ اس میں
شک نہیں کہ کلیسائی مقننین نے نظریۂ قانون رسمی کو رومیوں سے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:- مقابلہ میں ہمارا بیان یک گونہ خود مختارانہ ہے۔ بہرحال اکثر ماہرین قانون کے نزدیک زیادہ صحیح رائے اور مستند قانون یہی ہے جس کو ہم نے اس مقام پر متن کتاب میں لکھا ہے۔ چنانچہ ایک نظیر ہماری رائے کے مغائر ہے اور اُس میں طے کیا گیا ہے کہ بعض رسوم عام پر بھی اُن قیود کا اطلاق کیا جاتا ہے جو رسوم خاص مقامی کے لیے مخصوص ہیں۔ چنانچہ بمقدمہ کروچ بنام کریڈٹ فانشیر (Crouch V. Credit Foncier) لاریپورٹ کوئنس بنچ جلد ۸ صفحہ ۳۷۴ تجویز ہوئی کہ جو دستاویز انگلستان میں لکھی جائے وہ زمانۂ موجودہ کے رسم تجار (رسم تجارتی) کے ذریعہ سے قابل بیع وشہری نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ ممالک غیر کے دستاویزات مثلاً تمسکات دول غیر انگلستان میں بربنائے موجودہ رسم تجارت قابل بیع وشہری ہوسکتی ہیں۔ گوارجیر بنام مائیویل (Gorgier V. Mieville) لاریپورٹ مرتبۂ بارن وال وکرسن ویل جلد ۳ صفحہ ۴۵ لیکن اس نظیر کی سند ہونے کے متعلق لوگوں کو بے انتہا شبہ ہے۔ دیکھو گاڈون بنام رہ بارلس اسپیکر لاریپورٹ جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۷۔ بیکونا لینڈ اکس پلوریشن کمپنی بنام لنڈن ٹریڈنگ بینک (۱۸۹۸ء) کوئنس بنچ جلد ۲ صفحہ ۶۵۸۔ ایڈورلس حاشی بنام شولر (۱۹۰۳ء) کنگس بنچ جلد ۲ صفحہ ۳۲۴۔ لاریپورٹ کوئنس بنچ جلد ۱۵ صفحہ ۱۳۰ وصفحہ ۳۴۵۔ اس میں شک نہیں کہ انگلستان کا قانون تجارت زیادہ تر زمانۂ موجودہ کے رسوم تجارتی سے ماخوذ ہے۔ اور اگر ہم یہ بھی باور کریں کہ اس زمانہ میں بھی انگلستان کے رسم میں ایک حد تک قانون بنانے کی وہی تاثیر باقی رہ گئی ہے جو زمانۂ قدیم میں اُس میں پائی جاتی تھی تو ہمارا اس طرح یقین کرنا غلط نہیں ہوسکتا۔

اخذ کیا جس کا بیان علماء اساتذہ قانون روما کی تصنیفات میں پایا جاتا ہے اور اُس کی مبہم اور غیر معین حالت کو ترقی دے کر اُس نظریہ کو معین اور بامعنی بنا دیا۔ ان لوگوں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ عام قانون (قانون غیر موضوعہ) اور رسوم میں جو فرق تھا اُس کو معین اور مستند کر دیا۔ ان کے زمانہ سے عام قانون سے مراد کلیسا (مذہب) کا عام یا کتابی قانون لی جانے لگی اور رسوم کا اطلاق اُن مختلف مقامی اور شخصی رواجات پر ہونے لگا جن پر دنیائے مسیحی کے مختلف مقاموں میں مختلف لوگ عمل کرتے تھے یا جن رسوم کے ذریعہ سے اُس عام قانون میں کمی بیشی کی جاتی تھی۔ بہرحال لوگوں نے قانون کلیسا کی ان مصطلحات اور اُن کے معنوں کو قانون انگلستان میں داخل کر لیا۔

مقننین کلیسا نے نظریۂ مذکور کو دوسری ترقی اس طرح سے دی کہ جو نقص قانون روما میں باقی رہ گیا تھا رسوم کے متعلق ایک مدت معینہ کا قاعدہ مقرر کر کے اُس کی تکمیل کر دی۔ بالفاظ دیگر ان لوگوں نے طے کر دیا کہ کوئی رسم بشرطیکہ وہ قانون عام کے مغائر ہو اُس وقت تک جائز نہیں مانا جا سکتا جب تک اس پر لوگوں کا ایک عرصۂ دراز تک جس کا تعین قانون کی جانب سے کیا گیا ہو عمل کرنا ثابت نہ کیا جائے۔ چنانچہ قانون روما کا مقولہ ہے کہ رسوم قدیمہ کو قانون عام پر ترجیح حاصل ہے[۱]۔

اچھا تو اس لحاظ سے رسم کے قدیم ہونیکے لئے ان لوگوں نے کیا مدت قرار دی تھی؟ لیکن افسوس ہے کہ ڈاکٹروں (علمائے قانون روما) کی رائے اس کے متعلق متفق نہیں ہے بلکہ متعدد مستند کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ قانون روما میں زمانہ کے قدیم ہونے کے لیے مختلف مدتیں قرار دی گئی تھیں۔

---

[۱] ڈیگری ٹلس ۱-۴-۸ گلاسری (فرہنگ) طبع ۱۶۷۱ء جلد ۲ صفحہ ۹۲۔ ڈسٹ (Diot) جلد ۱ صفحہ ۴۔ گلاسری (جلد ۱ صفحہ ۴) ڈیگری ٹلس جلد ۱-۴-۱۱-۸۔ گلاسری (جلد ۲ صفحہ ۹۶)۔

مقننین کلیسا نے بھی ان میں سے کسی ایک مدت کو جواز رسم کا معیار قرار دینے میں آپس میں اتفاق نہیں کیا۔ چنانچہ اکثر علمائے قانون کلیسا نے قانون روما کی ده ساله مدت اراضی کو قدامت رسمی کے واسطے اختیار کیا۔ اور اس بنا پر اُن لوگوں نے تجویز کی کہ رسم کے جائز قرار دلانے کے لئے مدعی کو اپنا ده ساله عمل ثابت کرنا ضرور ہے اور اس سے زیادہ اُس رسم کے جاری رہنے کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں[1]۔ لیکن بعض کلیسائی مقننین نے باتباع جسٹی نین[2] کیونکہ اُس نے کلیسا کے مقابلہ میں حق قدامت کے واسطے چالیس سال مقرر کیئے تھے مدت چہل ساله کو پسند کیا۔ بہرحال ایک زمانہ میں کلیسا کے قانون عام کے مقابلہ میں رسم کے جائز ہونے کے لئے اُس کا نہایت قدیم ہونا یعنے اس قدر دیرینہ ہونا کہ لوگوں کو اُس کی بنا کا زمانہ تک یاد نہ رہا ہو لازم خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قانون روما میں اس کے متعلق جو قاعدہ بتلایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اُن رسوم قدیمہ کو بمقابلۂ قانون عام جائز ماننا چاہیئے جن کی بنا کا زمانہ تک لوگوں کو یاد نہ رہا ہو[3]۔

مدت حافظہ پر جو قدامت کی بنا رکھی گئی ہے اُس کا ماخذ قانون روما ہے۔ چنانچہ حق قدامت کے ذریعہ سے اُس نظام قانون میں لوگ سروی ٹیوڈ (حق در جائداد غیر) حاصل کیا کرتے تھے۔ ہر چند قانون کلیسا میں یہ قاعدہ اختیار تو کیا گیا لیکن بلحاظ اطلاق اُس کو زیادہ وسعت دیگئی[4] چنانچہ جب مدعی حق قدامت کی مدت قلیل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا

---

[1] 2 Saurez, De Legibus, VII. 15. 5

[2] Novel. 131. Ch. 6.

[3] Decretals, 1. 4. 11. Gloss. Vol II. P. 96)
Decretum, Dist. VIII. C. 7. Gloss. (Vol. 1 P. 25).

[4] 2 Digest 43. 20. 3. 4. D. 39. 3. 2. 7.

تو وہ اُن تمام طریقوں میں جن میں حق قدامت کی بنا پر نہ صرف اراضی بلکہ دیگر حقوق ملکیت وغیرہ حاصل ہو سکتے تھے اس طویل مدت قدامت کا اپنے حصول مقصد کے لئے ادعا کرتا تھا۔ بہرحال مدت مدید کے قاعدہ کو فرانس، جرمنی اور انگلستان نے قانون کلیسا سے اختیار کیا ہے[1]۔

گو ہم نے اس کے قبل کہا ہے لیکن ہم پھر اس امر کا اعادہ کرتے ہیں کہ مقننین کلیسا زمانۂ ناقابل یاد کو نہ صرف حق قدامت کے لئے مدت قرار دیتے تھے بلکہ اُنھوں نے اس کو جواز قانون رسمی کے لئے ایک شرط ٹھہرائی تھی۔ چنانچہ سوارِیس اپنی کتاب میں جو چھٹی صدی عیسوی کے اخیر زمانہ کی تصنیف ہے اور جس میں اُس نے نظریۂ قانون رسمی کے متعلق نہایت جامع اور دقیق تحقیق کی ہے لکھتا ہے کہ "میرے زمانہ میں ہی لوگوں کو اس مسئلہ سے بےعقیدگی شروع ہو گئی تھی اور قانون میں یہ بے اثر خیال کیا جاتا ہے[2]۔ لیکن اس پر بھی سوارِیس کے مدتوں پہلے قانون انگلستان میں مسئلۂ مذکور داخل کر لیا گیا تھا چنانچہ کلیسائی قانون داں لوگوں نے جن کے ہاتھوں انگلستان کے نظام قانون کی بنیاد رکھی گئی رسوم معقول و قدیم اور زمانۂ ناقابل یاد کے کلیسائی اصول کو تیرھویں صدی عیسوی میں اُس ملک کے نظام قانون میں داخل کر لیا تھا۔ مگر اس میں کلام نہیں کہ حق قدامت کی یہی ایک شکل از روئے قانون عام جائز قرار دی جاتی تھی۔ چنانچہ ایڈورڈ اول کے عہد حکومت کے سالواری لا رپورٹوں کے معائنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ اُس زمانہ میں بالکل طے ہو گیا تھا۔

۵۔ مطابقت قانون عام۔ جواز رسم کی پانچویں اور آخری شرط یہ ہے کہ

---

[1] پالتھیر حق قدامت دفعات ۲۸۶ لغایت ۲۸۸۔

[2] حق قدامت دفعات ۳ اور ۴ مصنفۂ باڈری لگنیتر۔

اگر رسم قدیم (یعنی ناقابل یاد) ہو تو اُس میں اور قانون عام میں مغائرت نہ ہونی چاہیئے۔ ہم نے اس سے کچھ پیشتر اُس قاعدہ کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے ہر ایک رسم کا اُس کے جائز تسلیم کیے جانے کے لئے خواہ وہ دیرینہ ہو کہ حالیہ قانون موضوعہ سے مطابق ہونا لازم ہے۔ لیکن اس قاعدہ کا اطلاق کہ رسم کو قانون عام سے مطابق ہونا چاہیئے صرف رسوم جدید پر کیا جاتا ہے۔ اور اس کو رسوم قدیمہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رسم جدید میں قانون بنانے کی قوت ہوتی ہے۔ اُس کے ذریعہ سے قانون بنتا نہ کہ منسوخ کیا جاتا ہے۔ لیکن اُنھی امور کے متعلق رسم جدید قانون بنا سکتا ہے جن کی نسبت قانون ملک ساکت ہوتا ہے۔ یعنے اس کے ذریعہ سے ملک کے قانون میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے سبب سے قانون میں کمی نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس رسم دیرینہ کے ذریعہ سے انگلستان کا عام قانون نہ صرف منسوخ کیا جا سکتا بلکہ بنایا بھی جاتا ہے۔ حالانکہ قانون موضوعہ کے خلاف رسم قدیمہ اُسی طرح بے بس اور بے اثر ہے جیسا کہ کوئی عارضی اور چند روزہ رواج ہو سکتا ہے۔

جن قواعد کے متعلق فقرات بالا میں بحث کی گئی ہے اُن کا مجموعی اثر یہ ہے کہ رسم کی اہمیت قانون جدید کے ماخذ ہونے کے لحاظ سے روز بروز کم ہو رہی ہے۔ جیسا جیسا ملک کے نظام قانون کو ترقی ہوتی جاتی ہے ویسا ویسا رسم کا دائرۂ عمل گھٹتا جاتا ہے۔ اس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً یہ کہ رسم کے سبب سے قانون موضوعہ میں کمی واقع نہیں ہو سکتی بلکہ یہ دوسرا قانون ملک کے قانون غیر موضوعہ کو بتدریج اپنے میں جذب کرتا جاتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ رسوم مقامی پر قدامت ناقابل یاد کی کڑی شرط کے عائد ہونے سے ماخذ قانون جدید بننے کی اُس کی تاثیر زائل ہوتی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رسوم خاص کا ثابت کرنا اور اُن کا پہلے پہل اطلاق کیا جانا ممکن ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اس طریقہ سے کسی جدید رسم خاص کی ابتدا ہو سکتی ہے۔ ثالثاً یہ کہ تمام رسوم جدید کو قانون نافذ الوقت سے خواہ وہ قانون غیر موضوعہ

ہو کہ موضوعہ مطابق ہونا لازم ہے۔ اس تیسری شرط کا نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح قانون ملک، ترقی کرتا اور مکمل ہوتا جاتا ہے اُسی قدر رسم کو قانون وضع کرنیکا کم موقع ملتا ہے۔ بلکہ ملک میں بہت ہی کم ایسے امور باقی رہ جاتے ہیں جنکے متعلق قانون ملک ساکت و صامت ہو سکتا ہے۔ اس لئے قانون رسمی کے ذریعہ سے قانون ملک کی اس کمی کو تکمیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں عام قانون رسمی کی ترقی مسدود ہو گئی ہے۔ چنانچہ انگلستان کے قانون تجارتی کی کچھ ایسی نامکمل حالت تھی کہ رسم تجارتی کے ذریعہ سے اُس کو فروغ دینے کی بہت گنجائش تھی۔ ایسا ہی دستاویزات قابل بیع و شری کے متعلق خصوصاً قانون رسمی سے کام لینا پڑتا تھا مگر فی زمانا اسی ملک کا قانون تجارتی اس قدر مکمل ہو گیا ہے کہ شاذ و نادر صورتوں میں رسوم تجارتی کو اصول جدیدہ کی بنا قرار پانے کا موقع ملتا ہے۔

فصل ۵ عہدی رواجات

رسوم کے متعلق جن قیود و شرائط کا فصل سابقہ میں ذکر کیا گیا ہے اُن کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ اگر کسی رسم میں ان شرائط کی پابندی نہ ہو سکتی ہو تو اُس کا قانونا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح کا رسم اپنے ذاتی اقتدار کی بنا پر قانون کا ماخذ نہیں قرار پا سکتا مگر جب اس قسم کا رسم فریقین معاہدہ کی صریح رضامندی سے اُن کے اقرار میں داخل کر لیا جاتا ہے تو وہ اُن کے حق میں قانون کی تاثیر رکھتا ہے۔ بہرحال اس طرح کے رسوم کو دوسرے رسوم سے تمیز کرنے کی غرض سے رسوم تعہدی کہتے ہیں۔ چنانچہ انگریزی قانون اور دوسرے نظامات قانون کا یہ ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جب فریقین کسی امر کی بابت آپس میں معاہدہ کرتے ہیں اور جس سے کوئی معینہ و نافذہ رسم متعلق ہوتا ہے تو اس معاہدہ کی تعبیر کرنے میں (عدالتوں کو) اُس رسم کا لحاظ کرنا لازم ہے۔ اور یہ تصور کرنا بھی ضرور ہے کہ فریقین کی نیت (بشرطیکہ صریح الفاظ میں

اس کے خلاف اُن کے ارادہ کا اظہار نہ کیا گیا ہو) اُس رسم کو اپنے معاہدہ کی شرائط سے ایک شرط قرار دیتے تھے۔ اقرار صریح میں رسم و رواج بھی داخل سمجھے جاتے ہیں[1]۔

مثلاً اگر کسی ضلع میں زراعتی زمین کے متعلق ایک شخص دوسرے کو پٹہ دے اور اُس علاقہ میں طرز زراعت اور مالک زمین و کسان کے حقوق و فرائض کی نسبت بعض معینہ رسوم و رواجات موجود ہوں تو جب تک پٹہ کے فریقین نے صراحتاً یا کنایتاً رسوم وغیرہ کے خلاف اپنے ارادہ کا اظہار نہ کیا ہو سمجھا جائے گا کہ انھوں نے اپنے معاملہ میں ان رسوم کو شرائط معاہدہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح عدالتیں معاملات تجارتی میں اُن رسوم تجارت کو داخل تصور کرتی ہیں۔ جو نفس معاملہ سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ اس طریقہ سے رسوم جو بادی ابتدا خود قانون یا حقوق کے ماخذ نہیں قرار پا سکتے وہ باعانت شرط معاہدہ قانون و حقوق کے ماخذ بن جاتے ہیں۔ لیکن جس قانون یا جن حقوق کا اس طرح وجود ہوتا ہے وہ فی الحقیقت عہدی نہ کہ رسمی قانون و حقوق ہیں۔ بعض وقت اس امر کے تعین کرنے میں سخت دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ رسم بحیثیت رسم راست قانون کا اثر رکھتا ہے۔ یا کسی معاہدہ کے ضمن میں بالواسطہ اُس کی قانون کی سی تاثیر ہو جاتی ہے۔ بہرحال اس طرح کا فرق کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ اور لوگ اس قسم کے دو مختلف رسوم میں پوری توجہ کے ساتھ امتیاز نہیں کر سکتے ہیں۔

فصل ۵۹ نظریات قانون رسمی

ہم نے اب تک رسم کے متعلق کسی مجرد نظریہ کو بیان کرنے کے عوض محض انگریزی قانون کے اُن قواعد اثباتی سے بحث کی ہے جن کے ذریعہ سے جواز و اثر رسم کا تعین کیا جاتا ہے۔ بہرحال نظریۂ قانون کے اس جزو پر علمائے قانون نے

[1] دیکھو پاتھیر کی کتاب متعلق ذمام فصل ۹۵ Pothier on Obligations, Sect. 95.

بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ اور اس پر بھی اختلاف آرا مٹنے نہیں پایا۔ جو دشواریاں
اس کے متعلق پہلے محسوس ہوتی تھیں ابھی تک باقی رہ گئی ہیں۔ ہم اس مقام پر
ایسی دو رایوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو اس ایک رائے سے جس کو ہم نے
اس کتاب میں صحیح اور مسلمہ بیان کیا ہے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ پہلی
رائے کا تعلق اقوام غیر خصوصاً جرمنوں کے اصول قانون سے ہے گویا یہ اس
کی ایک خاصیت سمجھی جاتی ہے۔ اس رائے کو بالخصوص سیونی اور پسو اسٹی نے
ان کے نظام قانون میں داخل کیا ہے اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ
رسم کو قانون کا نہ صرف ماخذ مادی بلکہ اس کو قانون کا ایک ماخذ صوری بھی سمجھنا
چاہیئے۔ اس خیال کے مطابق رسم بذات خود ان اصول کو جن پر وہ شامل ہوتا
ہے قانون کا سا اثر و قوت بخشتا ہے۔ رسم نہ صرف اس مواد کو پیش کرتا ہے جس کو
سلطنت منظور کر کے قانون کا سا اثر بخشتی ہے بلکہ رسم اپنا راست نفاذ اپنی ذاتی
قوت اور اثر سے کراتا ہے۔ اس غرض کے لیئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ
سلطنت رسم کو تسلیم کرنے کے بعد اپنی اعلیٰ قوت اور جبر سے رسم کی تعمیل کرائے
یا اس کے اجرا کی اجازت دے۔ یعنے رسم کے جاری اور نافذ ہونے کے لیئے
اجازت سلطنت درکار نہیں ہے۔ ان اساتذہ کی رائے میں تنہا مرضی سلطنت
تاثیر رسم اور سبب و ماخذ قانون نہیں ہے۔ اور اس لحاظ سے مرضی سلطنت کو
مرضی رعایا پر کسی طرح ترجیح نہیں دی جاسکتی جس کا اظہار وہ اپنے قومی رسوم پر عمل
کرنے سے کرتی رہتی ہے۔ چونکہ قوم اپنی مرضی اور عقیدہ کا تعمیل کے ذریعہ سے
اظہار کرتی ہے اس لیئے جو اصول رسم میں داخل ہو جاتے ہیں یا جن اصول پر
قوم بطور رسم عمل کرتی ہے رسم ان سب اصول کو اثر قانون بخشتا ہے۔
علاوہ بریں چونکہ مرضی سلطنت مرضی رعایا کی ایک خاص شکل ہے۔ اور ان دونوں
کا ایک سا اختیار و قوت ہے لہذا قانون رسمی اپنی ہستی کے لیئے سلطنت کا
محتاج نہیں ہے۔ ہر ایک سلطنت میں عدالتیں جو رسم کی تعمیل کراتی ہیں
اس کا سبب یہ ہے کہ وہ رسم کو قانون مانتی ہیں۔ اور محض اس خیال سے کہ
عدالتیں اس کی تعمیل کراتی ہیں رسم قانون نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک مشہور

جرمن عالم قانون آرنڈٹس[1] (Arndts) لکھتا ہے کہ:-

"قانون رسمی کے جائز ہونے کا سبب اُس کی ذات میں موجود ہے۔ رسم اپنی نوعیت اور ماہیت کی بدولت قانون سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک قوم یا ہر ایک سلطنت کی رعایا اپنے رسوم کے صحیح اور برحق ہونیکا عقیدہ رکھتی ہے۔ اس لئے رسوم کے جائز منوانے کے واسطے یعنے رسوم کو اثر قانون بخشنے کے لئے کسی واضع قانون کی صریح یا معنوی منظوری کی ضرورت نہیں ہے" اسی طرح ون ڈفینیڈ[2] کا مقولہ ہے کہ "جو گروہ یا جماعت جس رسم پر عمل کرتی ہے اُس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُس جماعت نے عقیدہ میں وہ رسم اُس قانون مجرد (Recht) سے ہے۔ اور اسی عقیدہ کی بنا پر وہ جماعت اُس رسم کو قانون جائز اور مستند کے مانند مانتی ہے ..... اسی ادراک قومی کی بنا پر قانون دو طرح سے بنایا جاتا ہے یعنے بلا واسطہ و بالواسطہ۔ بالواسطہ قانون نیابت یعنے وضع قوانین کے ذریعہ سے بنایا جاتا ہے اور بلا واسطہ قانون کی رسم کے توسط سے ایجاد ہوتی ہے"

ہر چند یہ نظریہ اُن دو جلیل القدر اساتذہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جن کے اسمائے گرامی فقرۂ بالا میں بتلائے گئے ہیں۔ لیکن انگلستان کے مقننین اور اساتذائے قانون سے کسی نے بھی اس کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور ہماری رائے میں بھی اس نظریہ کو رد کرنا صحیح و بجا ہے۔ قانون انگلستان کی رو سے رسم قانون کا ماخذ صوری نہیں بلکہ ماخذ مادّی خیال کیا جاتا ہے۔ رسم کا کام اُن اصول کو فراہم کرنا ہے جن کو سلطنت اپنی مرضی سے قوت و اثر قانون عطا کرتی ہے۔ قانون کو لوگ محض اس وجہ سے قانون مانتے ہیں کہ سلطنت اُس کا اطلاق کرکے اُس کی تعمیل کراتی ہے۔ اور جہاں سلطنت نہیں ہے وہاں

---

[1] ان سائیکلوپیڈیا فصل ۲۰-

[2] پینیڈیکٹن ریجیسٹ جلد ا فصل ۱۵-

قانون کا بھی وجود نہیں ہو سکتا۔ جس طرح رعایا اپنے عقیدہ اور ادراک سے قانون قدرت کے بدلنے میں عاجز ہے اسی طرح وہ ان دو آلات کے ذریعہ سے قانون ملک میں بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتی۔ سلطنت جس ذریعہ اور ماخذ سے چاہے اُن قواعد کا مواد فراہم کر سکتی ہے جن کو وہ قانون کی صورت و ہیئت عطا کرتی ہے۔ لیکن اس صورت و ہیئت کا ماخذ سلطنت کی مرضی کے سوائے کوئی اور شئے نہیں ہو سکتی۔

قانون رسمی کے متعلق ایک دوسرا نظریہ بھی ہے جس کا موجد آسٹن ہے اور اُس کے نام کی مناسبت سے اُس کو نظریہ آسٹن کہتے ہیں۔ علامہ موصوف اور اُس کے تابعین اس نظریہ کے معتقد ہیں۔ اُس نے اس نظریہ کے ذریعہ سے صحیح طور پر جرمن نظریہ کی تردید کی ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ رسم، قانون کا ماخذ صوری نہیں بلکہ وہ محض ماخذ مادّی ہے۔ ہم نے اس کے متعلق سابق میں تفصیل سے بحث بھی کی ہے۔ آسٹن نے اس نظریہ اور ایسے تصورات قانونی کی تردید کی ہے جن میں خلط ملط ہو گیا تھا۔ ہم کو اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ علامۂ مذکور اور اُس کے تابعین و معتقدین کا طلبائے قانون پر بڑا احسان ہے۔ انھوں نے اکثر و بیشتر مخلوط نظریات و خیالات قانونی کو صاف کر دیا ہے۔ اس پر بھی آسٹن کا نظریہ غلطی سے بالکل مبرا نہیں ہے۔ کیونکہ اُس نے بھی قانون کے تاریخی اور قانونی ماخذوں میں خلط ملط کیا ہے اور غلطی سے رسم کو قانون کے تاریخی ماخذوں میں شامل کیا ہے حالانکہ اس کے برعکس اُس کو قرار دینا چاہیئے تھا۔ وہ عدالتی فیصلوں کو قانون رسمی کا ماخذ خیال کرتا ہے۔ کیونکہ جب تک عدالت کسی رسم کو تسلیم نہ کرے اُس کی تعمیل نہیں کراتی۔ یعنے رسوم کا اثر قانونی عدالتوں کے ماننے پر منحصر ہے۔ اس لئے رسم کا قانونی ماخذ فیصلۂ عدالت قرار پاتا ہے۔ اس بنا پر وہ قانون رسمی کو قانون نظائری کی ایک نوع تصور کرتا ہے۔ اس دعوے کے متعلق اُس کی جانب سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ اس وقت تک رسوم کے متعلق جس قدر عدالتوں کے فیصلے ہیں اُن میں عدالتوں نے

اُن رسوم سابقہ سے مواد لیا ہے جن کو وہ اپنے تصفیوں کا تاریخی ماخذ خیال کرتی ہیں۔ اس لئے قانون کا تاریخی ماخذ رسم ہے۔ اور چونکہ رسم کی تعمیل عدالتی فیصلہ پر منحصر ہے اس واسطے وہ قانون نظائری کے زمرہ میں آسکتا ہے۔ جس طرح جسٹی نین کا ڈائجسٹ یا قانون قدرت فیصلۂ عدالت کی بنا ہو سکتا ہے اُسی طرح رسم کو حکام عدالت اپنے تصفیوں کی بنیاد قرار دے سکتے ہیں۔ بہرحال ان دلائل سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ کسی رسم کو اس وقت تک قانون کا سا اثر نہیں حاصل ہوتا جب تک اُس کا علم عدالت کو نہیں ہوتا اور جب تک عدالت اُس کو تسلیم کر کے اُس کا اطلاق امر زیر تصفیہ پر نہیں کرتی۔ اگر کسی رسم کے متعلق کچھ نزاع نہ پیدا ہو اور اُس کی تعمیل کرانے میں عدالت کی امداد کی ضرورت نہ پیش آئے تو اُس رسم کو کبھی قانون کی سی تاثیر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آسٹن[1] لکھتا ہے کہ "جس قانون کا لقب قانون رسمی ہے اُس کو مخصوص قانون نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اصل میں یہ ایک ایسا عدالتی فیصلہ ہے جو سابق کے کسی ایک رسم پر مبنی ہوا کرتا ہے"۔

بہرحال یہ رائے قانون انگلستان کے مسلمہ اور نافذہ مسائل کے مغائر ہے۔ انگریزی قانون میں رسم کو قانون ماننے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اُس کو عدالتیں تسلیم کرتی ہیں بلکہ رسم اس واسطے قانون خیال کیا جاتا ہے کہ عدالتوں کو چند معینہ قواعد کے زیر اثر بوقت ضرورت رسم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور رسم کے جائز اور با اثر ہونے کے لئے اُس کا عدالت میں پیش ہو کر فیصل پانا ضرور نہیں ہے۔ جس طرح پارلیمنٹ کے وضع کردہ قانون یا دو شخصوں کے کسی معاہدۂ باہمی کے جائز اور موثر ہونے کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ

---

[1] آسٹن کا اصول قانون صفحہ ۵۵۵ طبع سوم۔ براون نے ذیل کی کتاب کے ذریعہ سے اُن اعتراضات کا نہایت قابلیت سے جواب دیکر آسٹن کی حمایت کی ہے جو اُس پر کیے گئے ہیں۔

Brown's Austinian Theory of Law, Excursus D. —

"Customery Law in Modern England.

عدالت کو اُس کا علم ہو اور وہ اُسے تسلیم کرے اُسی طرح رسم کی حیثیت قانون کی ہی قرار پانے کے لئے عدالت کا اُس سے واقف ہونا اور فی الحقیقت اُس کی تعمیل کرانا لازم نہیں ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ عدالت کی رسم سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ انگریزی قانون غیر موضوعہ (کامن لا) کا ایک جزو متصور ہوتا ہے۔ اس بنا پر رسم کے متعلق یہ قیاس ہے کہ عدالتوں کو اُسی طرح رسم کا علم رہتا ہے جس طرح وہ قانون غیر موضوعہ سے واقف رہتی ہیں۔ عدالت کے ذریعہ سے کسی رسم کے جائز قرار پانے کے قبل ہی وہ قانون ملک کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے۔ آسٹن نے اپنے نظریہ کے قائم کرنے میں اس امر کا لحاظ نہیں رکھا کہ جن متعینہ قواعد کی بنا پر نظیر کا اطلاق کیا جاتا ہے انھی مقررہ اصول کے زیر اثر رسم کو عدالتیں جائز قرار دے کر اس کی تعمیل کراتی ہیں۔ نظیر کے ذریعہ سے رسم اور رسم کے ذریعہ سے نظیر کا قانون ملک میں شمار ہوسکتا ہے۔ کیونکہ رسم اُسی طرح فیصلۂ عدالت کی بنا ہوسکتی ہے جس طرح سلطنت برطانیہ میں پارلیمنٹ کے کسی ایک قانون کو عدالت اپنے تصفیہ کی بنیاد قرار دے سکتی ہے۔ ان دونوں شکلوں میں پہلے سے قانون تو موجود رہتا ہے لیکن عدالت محض اُس کا اطلاق کرتی ہے یعنے قانون موجودہ کے ذریعہ سے مقدمات کا تصفیہ کرنا عدالت کا کام ہے۔

فصل ۶ رسم اور قدامت

ہر چند قدامت کے متعلق جو نظریہ قانونی ہے اُس کو ہم من بعد تفصیل سے بیان کرنے والے ہیں لیکن اس مقام پر اُس تعلق کا مجملاً ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو رسم اور قدامت میں ہے۔ رواج عملدرآمد قدیم کو کہتے ہیں۔ اور قانون کے مختلف ماخذوں میں سے وہ ایک ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ عملدرآمد قدیم بھی ایک قسم کا رواج دیرینہ ہے۔ لیکن اُس کو حقوق کا ماخذ اور منبع خیال کرتے ہیں۔ مثلاً یہ قاعدہ کہ فلاں قصبہ زمانۂ قدیم سے

یہ بات چلی آتی ہے۔ کہ جو شخص وصیت کرنے کے بغیر ترکہ چھوڑ کر فوت ہوتا ہے اُس کا سب سے چھوٹا فرزند اُس کی زمین کا وارث قرار پاتا ہے ایک رسم ہے اور ایک ایسے مخصوص اور رسمی قانون کا ماخذ ہے جس کی وجہ سے اُس قصبے کے ساکنین پر ملک کے عام قانون وراثت فرزند اکبر کا اطلاق نہیں ہو سکتا برعکس اس کے فرض کرو دو کھیت دو علیحدہ شخصوں کی ملک اور ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ ایک کھیت کا مالک جان اسٹائیلز نامی ہے۔ اُس کی اور اُس کے آبا و اجداد کی آمد و رفت زمانۂ قدیم سے متصل کھیت پر سے ہوتی رہی ہے۔ پس ایسی صورت میں یہ بات رسم نہیں بلکہ قدامت (یا شُد آمد قدیم) سمجھی جائے گی۔ اور اُس کی وجہ سے جان اسٹائیلز کو شخص غیر کے کھیت پر راستہ کا حق قدامت حاصل ہوگا۔

حق قدامت کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانہ میں لوگ قدامت کو قانون رسمی کی ایک شاخ سمجھتے تھے۔ اور اس بنا پر حق قدامت ایک شخصی رسم خیال کیا جاتا تھا۔ یعنے ایسا محدود رسم جس سے ایک مخصوص شخص اور اُس کے آبا و اجداد یا وہ لوگ جن کو یہ حق اس شخص سے پہلے حاصل رہ چکا تھا مستفید ہو سکتے تھے۔ اس میں اور رسم مقامی میں امتیاز کیا جاتا تھا۔ اور یہ دوسرا رسم کسی شخص سے نہیں بلکہ کسی ایک مقام سے مخصوص خیال کیا جاتا تھا۔ بہر حال شخصی اور مقامی رسوم کو لوگ رسوم مخصوص کی دو قسمیں خیال کرتے تھے اور ان دونوں رسوم اور رسوم مخصوص کا مملکت برطانیہ کے عام رسوم سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کوک نے رسم (یعنے رسم مقامی) اور قدامت کے متعلق جو فرق لکھا ہے اُس کا ذیل میں حوالہ دیا جاتا ہے[1]۔ انگلستان کے قانون عام (کامن لا) کی رو سے قدامت شخصی اُس کو سمجھنا چاہیے جس کا تعلق اشخاص سے ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کی شُد آمد کسی ایک

1 Cokes Commentaries upon Littleton 113 G a.

شخص اور اُس کے آباؤ اجداد یا اُن لوگوں کے واسطے جن کی جائداد اُس شخص کو ملتی ہے قائم کی جاتی ہے۔ اور شخص منفرد کے سوائے سیاسی جماعتوں (یعنے سلطنتوں اور ریاستوں وغیرہ) اور شخصیات (تجارتی کمپنیاں، محکمہ جات سرکاری وغیرہ) اور ایسی جماعتیں اور اشخاص کو بھی اس طرح کا حق قدامت عطا ہو سکتا ہے جن کی یہ شخصیات اور سلطنتیں قائم مقام بنجاتی ہیں۔ رسم مقامی ایسا رسم ہے جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوئی شخص منفرداً ادعا نہیں کر سکتا بلکہ اس طرح کے رسم کا کسی مینر (موضع جاگیر) یا مقام سے تعلق ہوا کرتا ہے۔

چونکہ لوگ قدیم زمانہ میں قدامت اور رسم کو ایک ہی جنس کے دو انواع سمجھتے تھے اس لئے ایک ہی قسم کے قواعد وضوابط کا ان دونوں پر اطلاق کیا جاتا تھا۔ جن قواعد وشرائط کی رُو سے قدامت جائز سمجھی جاتی تھی رسم کو جائز قرار دینے کے لئے اُنھی قواعد وشرائط پر عمل کیا جاتا تھا۔ دونوں کے جائز ہونے کے لئے اُن کا مطابق عقل قدیم اور قانون موضوعہ کے موافق ہونا ضرور تھا لیکن مدت دراز کے بعد جب قدامت کی دوسری ایسی قسمیں نکل آئیں جن سے قدیم زمانہ کا قانون واقف نہ تھا اور عدالتوں نے ان جدید اشکال قدامت کو تسلیم کرنا شروع کر دیا تو ایک تدریجی طریقہ کے ذریعہ سے قانون رسمی اور حقوق قدامت کے بننے اور قائم ہونے میں اچھا خاصہ امتیاز ہونے لگا۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی رسم کے متعلق اُسی زمانۂ قدیم کے قاعدے پر عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن قدامت کے متعلق تصفیہ کرنے میں انگریزی عدالتیں اب قدیم زمانہ والے قاعدہ پر عمل نہیں کرتی ہیں بلکہ اُس کے بجائے اُن قواعد پر عمل کیا جاتا ہے جو انگلستان کے قانون قدامت (Prescription Act) میں مندرج ہیں اور یہ قانون واضع قانون کی عقل کا نہایت ہی بھدا نمونہ ہے۔ چنانچہ اس قانون کی رو سے کسی شخص کو اُس وقت تک

روشنی کا حق قدامت حاصل نہیں ہوسکتا جب تک وہ کامل بیس سال کا اپنا عملدرآمد ثابت نہ کرے اور عملدرآمد ہی کی وجہ سے یہ حق کامل اور مطلق ہوسکتا ہے۔ قانون مذکور بننے کے پہلے قدامت کے متعلق جو کامن لا (قانون غیر موضوعہ) کا قاعدہ تھا کہ گزشتہ بیس برس کے دوران میں کسی ایک وقت تمتع روشنی کا ثابت کرنا لازم ہے وہ اب باقی نہیں رہا۔

خلاصہ

قانون رسمی کی تاریخی اہمیت۔
قانون رسمی کو تسلیم کرنے کے اسباب۔
شرائط جواز رسم۔
۱۔ معقولیت (رسم کا مطابق عقل ہونا)
۲۔ رائے واجبی۔
۳۔ موافقت یا قانون موضوعہ۔
۴۔ مدت مدید (بشرطیکہ رسم عام ہو)
اس قاعدہ کی تاریخ۔
۵۔ موافقت با قانون غیر موضوعہ (کامن لا) {بشرطیکہ رسم قدیم ہو}
رسوم متعلق معاہدات۔
رسم کے ماخذ قانون ہونے کے متعلق نظریات۔
۱۔ سیوائے ٹی کا نظریہ۔ رسم قانون کا ماخذ صوری ہے۔
۲۔ آسٹن کا نظریہ۔ رسم قانون کا تاریخی ماخذ ہے۔
نسبت مابین رسم و قدامت۔

نواں باب

نظائر

فصل ۱۶۰ - اثر و اقتدار نظائر

فیصلہ جات عدالت کو نظر وقعت سے دیکھنا اور اُن کی اہمیت کو تسلیم کرنا قانون انگلستان کی ایک مشہور خاصیت ہے۔ انگلستان میں قانون غیر مکتوبی یعنے قانون غیر موضوعہ کے جو انبار نظر آتے ہیں اُن کا اکثر و بیشتر حصہ عدالتوں کے مقدمات منفصلہ پر مبنی ہے۔ یہ فیصلے لا رپورٹوں کے طویل سلسلوں میں مندرج ہیں۔ نظائر کے متعلق رپورٹ شائع کرنے کا طریقہ چھ سو برس پہلے سے جاری ہوا ہے اور اس کے آغاز کا زمانہ ایڈورڈ اول کے عہد فرماں روائی یا بالفاظ دیگر اختتام تیرھویں صدی عیسوی سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال اُس زمانہ سے آج تک فیصلہ جات عدالت کی بذریعہ رپورٹ مسلسل اشاعت ہوتی رہی ہے۔ اس پر بھی اُن اساتذۂ قانون نے جن کا مبلغ علم محض نظریات و قیاسات قانونی پر مبنی ہے ملک کے قانون غیر موضوعہ کو عرصۂ دراز تک قانون رسمی سمجھا۔ اور اُن کے خیال میں فیصلہ جات عدالت محض اُن رسوم اور قوانین کی شہادت ہیں جو اُن کے ذریعہ سے طے پایا کرتے ہیں یعنے جن کے متعلق وہ فیصلے صادر ہوئے ہیں۔ لیکن ہماری رائے میں اس متعصبانہ نظریۂ قانون کی ایک فسانہ سے زیادہ ہستی نہیں ہوسکتی۔ اگلے زمانہ میں بھی یہ خیال بے اصل سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ از روئے قیاس ثابت کرنا دشوار رہو لیکن عملی طور پر اس امر کی بخوبی تحقیق ہوسکتی ہے کہ انگلستان کے قانون غیر موضوعہ کو وہاں کے ججوں نے بنایا ہے۔ قانون روما میں اور نہ زمانۂ موجودہ کے کسی دوسرے نظام قانونی میں جو اُس پر مبنی ہے نظائر کی

اس قدر وقعت کی جاتی ہے، نہ اس قدر اُن کا اثر و اقتدار ہے۔ ان دوسرے نظامات قانونی میں نظائر کی اسی قدر اہمیت سمجھی جاتی ہے جس قدر ماہرین قانون کی رائے کو نظر وقعت سے دیکھا جاتا ہے۔ نظائر کی کتاب اور قانون کی کوئی دوسری کتاب دونوں ایک ہی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ لوگوں کے نزدیک ان دونوں کی قانون ملک کی تائید میں ایک قسم کی شہادت و حکام عدالت کے خیالات پر اثر ڈالنے والی شئے سے زیادہ اور کچھ حیثیت نہیں ہوسکتی[1]۔ برعکس اس کے انگریزی قانون میں ان دونوں کتابوں کی ایک جداگانہ شان ہے۔ انگلستان میں نظیر کے حکم کو ماننا پڑتا ہے۔ اُس ملک میں نظیر نہ صرف وہاں کے قانون کے لیئے ایک قسم کی شہادت سمجھی جاتی ہے بلکہ اُس کا ماخذ تصور ہوتی ہے اور عدالتوں پر اُس قانون کا ماننا لازم ہے جو نظیر کے ذریعہ سے طے پاتا ہے۔

انگلستان میں نظائر کا جو خاص اثر و اقتدار ہے اُس کا سبب اس کے سوائے کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ ہر ایک زمانہ میں یہاں کی عدالتیں مقتدر رہی ہیں اور شاہی عدالتوں کی ججی پر ابتدا سے ماہرین فن کا تقرر ہوتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ججی کا کام لائق و فاضل اشخاص متفقہ جلسوں میں انجام دیتے رہے ہیں جن کی وجہ سے اُن ججوں کے عدل و انصاف کے خیالات کا تمام مملکت پر اثر پڑتا گیا۔ اور اس بنا پر ملک میں قانون غیر موضوعہ (کامن لا) کا ایک ایسا نظام قائم ہوگیا جس کے اجزا میں مغائرت اور اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ اس نظام قانون کی بنا انھی حکام عدالت کے ہاتھوں ہوئی اور اُس کی تعبیر کرنے والے بھی وہی لوگ تھے۔ اس نظام کی خوش بختی تھی کہ ان لوگوں کے کام میں رسوم مقامی اور قانون موضوعہ کیجانب سے

[1] لیکن اب فرانس و جرمنی اور یورپ کے دوسرے نظامات قانونی میں باتباع قانون انگلستان نظائر قانون کی وقعت ہونے لگی ہے اور عدالتیں پہلے سے زیادہ اُن کی پابندی کرتی ہیں۔

زیادہ مداخلت نہ ہونے پائی۔ جوں جوں شاہی عدالتیں عدل گستری کا مرکز بنتی گئیں اور جاگیرات اور امرا کی عدالتوں کا سد باب ہوتا گیا ویسا ویسا پہلی عدالتوں کے کام میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس لئے شاہی عدالتوں کے شاہی ججوں کو وہ اثر و اقتدار اور امتیاز حاصل ہوا جس کا ہونا کسی دوسرے نظام قانون میں ناممکن تھا۔ چونکہ انگلستان میں ججوں کی زیادہ توقیر تھی اور عالم و فاضل اور قانون پیشہ اشخاص ججی کے عہدہ پر مقرر کئے جاتے تھے اس لئے وہاں نظائر قانون کا دوسرے ملکوں سے زیادہ اثر و اقتدار رہا اور اسی بنا پر انگلستان میں عدالتوں نے وکلاء کے لئے قانون فراہم کیا ہے۔ مگر روما میں اس کے برعکس حالت تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں قابل اور قانون پیشہ اشخاص سے ججی کا کام نہیں لیا جاتا تھا۔ لیکن انگلستان میں شاہی عدالتوں کا کام صدہا سال تک وکالت پیشہ لوگوں کے تفویض رہا ہے۔

فصل ۶۲ نظائر استقراری و بنیادی

نظائر کے اقسام اور اُن کے اثرات بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اُس نازک فرق کا ذکر کیا جائے جس کی وجہ سے عدالتی فیصلوں کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ ایک قسم کے فیصلے استقراری کہلاتے ہیں اور دوسری قسم کے فیصلوں کو بنیادی کہتے ہیں۔ جب عدالت کسی موجودہ قاعدہ (قانون) کا اطلاق کر کے کسی امر کا فیصلہ کرتی ہے تو اُس کو نظیر استقراری کہتے ہیں لیکن نظیر بنیادی وہ ہے جس کے ذریعہ سے کسی جدید قاعدہ (قانون) کی بنا ہوتی ہے۔ پہلی شکل میں قاعدہ کے موجود رہنے کے سبب سے عدالت کی تجویز میں اُس کا اطلاق کیا جاتا ہے اور دوسری شکل میں فیصلہ کے ذریعہ سے ایسا قانون بنتا ہے جس کا اطلاق آیندہ زمانہ کے فیصلوں پر کیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں فیصلہ کے ذریعہ سے قانون موجودہ کا استقرار و اظہار کیا جاتا ہے اور دوسری صورت میں عدالت اپنی تجویز کے ذریعہ سے جدید قانون بناتی ہے۔ اکثر ترقی یافتہ نظامات قانون میں جیسا کہ انگلستان کا قانون ہے

نظائر استقراری کی افراط پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح کے ملکوں میں اکثر امور کے متعلق طے شدہ ہے۔ اس لئے عدالتوں کو جدید امور کی بابتہ بہت ہی کم تجویز کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جس قدر اُن کے فیصلے ہوتے ہیں اُن میں کا اکثر و بیشتر حصہ نظائر استقراری پر مبنی ہوا کرتا ہے اور اُن کے ذریعہ سے اُن قواعد و اصول کا اظہار کیا جاتا ہے جو پہلے سے ملک میں موجود رہتے ہیں۔ اگرچہ نظائر بنیادی تعداد میں نظائر استقراری سے بہت کم ہوتی ہیں لیکن اُن کی اہمیت پہلی قسم کی نظائر سے کہیں زیادہ ہے۔ اس دوسری قسم کی نظیروں سے قانون ملک میں اضافہ ہوتا ہے، حالانکہ نظائر استقراری سے اُس کی ترقی میں مطلق مدد نہیں ملتی۔ اس پر بھی نظیر استقراری کے فائدہ سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ زمانۂ مستقبل کے لئے اس طرح کی نظیر قانون ملک کی شہادت ہو سکتی ہے۔ بجز اس خاص ضرورت کے نظیر استقراری کا کتب نظائر (لا رپورٹس) میں اندراج نہیں کیا جاتا اور نہ اُس کو اس ذریعہ سے حیات ابدی بخشی جاتی ہے۔ چونکہ نظائر استقراری سے قانون کے متعلق صرف شہادت کا کام لیا جاتا ہے اس لئے جب کسی ایسی نظیر کا مضمون قانون موضوعہ کی شکل میں ڈھال لیا جائے یعنے اسٹاچیوٹ وضع کر لی جائے یا نظیر مذکور کے بعد کوئی دوسرا فیصلہ اُسی قسم کا صادر ہو اور اُس میں زیادہ صراحت سے اُس نظیر کا مضمون لے لیا جائے تو سابق کی نظیر کو کتب نظائر سے خارج کر دینا چاہیے ورنہ اس طرح کی غیر ضروری استقراری نظیروں سے انگلستان کے قانون نظائری (کیس لا) کے انبار میں جو اضافہ ہو رہا ہے وہ کبھی رُکنے کا نہیں۔

یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ نظیر استقراری اُسی طرح قانون ملک کا ماخذ ہے جس طرح نظیر بنیادی اُس کا ماخذ و مصدر ہو سکتی ہے۔ دونوں قسم کی نظیروں کی اہمیت اور سند قانونی ہونے کی بالکل ایک ہی حیثیت ہے۔ عام طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظیر کے مستند اور قانون کا سا اثر رکھنے کے لئے اُس کے لفظ بہ لفظ کا سابق یا موجودہ کسی قانون پر مبنی ہونا اور اُس قانون کا

صحیح مطلب اُس نظریہ میں لیا جانا لازم نہیں ہے۔ خواہ نظیر میں اس طرح کے قانون کا ذکر ہے کہ نہ رہے لیکن اُس کے ذریعہ سے جس امر کا سر دست اعلان و استقرار کیا جاتا ہے اور جس قاعدہ کا اُس میں بالفعل مثل قانون اطلاق کیا جاتا ہے وہ آئندہ کے لئے قانون بنجاتا ہے۔ یعنے نظیر حالیہ سے زمانۂ مستقبل کا قانون بنا کرتا ہے۔ زمانۂ گزشتہ کے قانون کے ساتھ ان دونوں قسم کے نظائر کو جو نسبت ہے اُس بنا پر اُن میں امتیاز کیا جاتا ہے لیکن جو نسبت ان میں اور زمانۂ مستقبل کے قانون میں ہے وہ ان کے فرق کا سبب نہیں ہے جس طرح ہر ایک قانون، استقراری قانون کا ماخذ ہو سکتا ہے اُسی طرح نظیر استقراری بھی قانون کا ماخذ سمجھی جاتی ہے لیکن دونوں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ نظائر استقراری کسی قانون جدید کا ماخذ نہیں ہو سکتی ہیں اور محض اس وجہ سے کہ قانون کے ان دونوں ماخذوں کے صفات ایک دوسرے میں متداخل ہیں اور دونوں کے ذریعہ سے ایک ہی قسم کا قانونی اصول یعنے قاعدہ و قانون بنتا ہے اُن کی قانون کے ماخذ ہونے کی جداگانہ ہستی مٹ نہیں سکتی۔ ان میں کا ہر ایک ماخذ بذات خود اور بلا شرکت غیرے اس قاعدہ و قانون کی بنیاد سمجھا جاتا ہے جو اُسی کے ذریعہ سے طے پاتا ہے۔

ہم نے اُس قدیم نظریۂ قانون کا اس کے قبل ذکر کیا ہے جس کی بنا پر انگلستان کا قانون غیر موضوعہ قانون نظائری نہیں بلکہ قانون رسمی خیال کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کا لب لباب یہ ہے کہ تمام نظائر محض استقراری ہیں اور قانون انگلستان اُن کے بنیادی اثر کو تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ اس خیال کی تائید میں تاریخ قانون غیر موضوعہ مصنفہ ہیل سے ذیل کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"یہ صحیح ہے کہ از روئے قوانین مملکت ہذا فیصلۂ عدالت کی پابندی صرف انھی لوگوں پر لازم ہے جو مقدمہ کے فریقین ہیں اور اُس کی اُن کے حق میں قانون کی سی تاثیر ہے۔ وہ اُس وقت تک اُس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہیں جب تک کہ حکم نامۂ ترمیم یا فیصلہ یا ڈگری بوجہ غلطی یا اُس حکمنامہ کے اجرا سے جس کی بنا پر جوری کلاں جوری خورد کے صحت فیصلہ کی تحقیقات کرتی ہے

فیصلۂ مصدرہ باطل و منسوخ نہ ہو جائے اس پر بھی فیصلۂ عدالت کے ذریعہ سے ایسا قانون نہیں بن سکتا جس کو صحیح معنوں میں قانون کہہ سکتے ہیں کیونکہ مملکت مذکور میں بادشاہ باجلاس پارلیمنٹ کے سوا کوئی دوسری قوت قانون بنانے کی مجاز نہیں ہے لیکن نظائر کے اثر سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سلطنت کے قانون کی تاویل اور اس کی بنا و اشاعت کے متعلق اُن سے سند لینی پڑتی ہے خصوصاً جبکہ حالیہ فیصلہ جات عدالت اور زمانہ ماسبق کے رزولیوشنز (سابقہ فیصلہ جات پریوی کونسل) اور عدالتی فیصلوں میں موافقت و مطابقت پائی جائے"[1]۔

ہرچند ہیل نے نظریۂ استقراری کے متعلق جو کچھ اُس کو لکھنا تھا لکھ دیا لیکن اُس کے ضمیر کو نظریۂ استقراری کی صحیح حیثیت کے متعلق اطمینان نہیں ہوا کیونکہ کسی دوسرے مقام پر مصنف مذکور نے انگریزی قانون کے ماخذوں میں فیصلہ جات عدالت کو بھی شامل کیا ہے جس کی وجہ سے اُس کے خیال سابق کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ انگلستان کے قانون کے تین ماخذ ہیں یعنے (۱) رسم (۲) پارلیمنٹ کا اثر و اقتدار اور (۳) "ایسے فیصلہ جات عدالت جو سابق کے نظائر کے مغائر نہ ہوں"[2] "اُن لوگوں سے جو عدالت چانسری کی تاریخ اور اُس طریقۂ نصفت سے واقف ہیں جو اُس کے ذریعہ سے نافذ کیا گیا تھا یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اُس عدالت کے متعلق نظریۂ استقراری کا کبھی قیام ہونے نہیں پایا کسی شخص کے لئے اس امر کا غلط ادعا کرنا ممکن نہیں ہے کہ اصول نصفت (اکوئیٹی) کی بنا و بنیاد رسم اور وضع قوانین ہیں کیونکہ یہ ایک کھلا واقعہ ہے کہ اُن اصول کا ماخذ و مصدر اُس عدالت کے فیصلے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر ایک چانسلر (میر مجلس عدالت نصفت) اپنے اور اپنے جانشینوں کے واسطے قانون بنایا کرتا تھا۔

چنانچہ سر جارج جیسل لکھتا ہے کہ "اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ

---

[1] ہیل کی تاریخ قانون غیر موضوعہ صفحہ ۸۹ (مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء)

[2] تاریخ قانون غیر موضوعہ صفحہ ۸۰ مصنفہ ہیل۔

نصفت کے قواعد اُس طرح صدیوں پہلے اور اُس زمانہ میں قائم نہیں ہوئے جس طرح قانون غیر موضوعہ کے قواعد و اصول بنائے گئے ہیں اور جن کی یاد لوگوں کو باقی نہیں رہی۔ بلکہ اس کے برعکس لوگ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اکویٹی کے قواعد حسب ضرورت بنتے رہے ہیں اور اُن میں ترمیم و تبدیل ہو کر اُن کی ترقی کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ ان قواعد کے متعلق اس قدر طریقۂ ایجاد سے کام لیا گیا ہے کہ اکثر صورتوں میں لوگ اُن چانسلروں کے ناموں تک سے واقف ہیں جنھوں نے اُس طریقۂ معدلت میں اصول و قواعد بنا کر وقتاً فوقتاً ایجاد کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عدل گستری کو بہتر بنانے کی غرض سے ان لوگوں نے اپنے طور پر قواعد و قوانین وضع کئے لیکن قانون بنانے کے اس طریقہ کا لقب ایجاد بندہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے[1]"

اگر ہم کو عدالتی فیصلوں کے صحیح عمل و اثر کے متعلق کسی معقول تحلیل اور توجیہ کی ضرورت ہو تو قانون اور نصفت دونوں میں نظریۂ استقراری قابل اخراج قرار پاتا ہے۔ ہمیں اس امر کو علانیہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ نظائر کے ذریعہ سے نہ صرف قانون بنتا ہے بلکہ اُس کا اعلان واستقرار بھی کیا جاتا ہے ہم کو اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ عدالتیں کسی حادثہ اور اتفاق کی بنا پر اس طرح کا قانون نہیں بناتی ہیں اور نہ یہ قانون اُن کی اُن غلطیوں کا نتیجہ ہے جو اُن سے قانون ملک کی تاویل اور استقرار کرنے میں سرزد ہوتی ہیں۔ اگرچہ انگلستان کی عدالتوں نے قانون کے استقرار کرنے میں نیک نیتی سے اُس کو بارہا بدل دیا ہے لیکن اس مقام پر عدالتوں کے جس اقتدار کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں اُس کی رُو سے ہم کو اس امر کو ماننا ضرور ہے کہ قانون کے استقرار کرنے کے اختیار کے سوائے عدالتوں کو قانون بنانے کا مخصوص اختیار حاصل ہے اور وہ اس پر علانیہ اور

---

[1] بمعاملۂ ہیلٹ جلد ۱۳ چانسری ڈویژن صفحہ ۷۱۰۔

جائز طریقہ سے عمل کرتی ہیں۔ بہر حال جب عدالتیں اپنے اُس اختیار پر بالارادہ عمل کرتی ہیں جو اُنھیں قانون ملک کو ترقی دینے کی غرض سے بطور امتیاز عطا ہوا ہے تو اُس کے نتیجہ میں نظائر بنیادی کی ایجاد ہوتی ہے۔

فصل ۳۳ سندی اور ترغیبی نظائر

فصل سابقہ میں نظائر کی جو دو قسمیں بیان کی گئی ہیں اُن کے علاوہ نظائر کے دو اور اقسام ہیں، سندی اور ترغیبی۔ اس دوسری نہج کے نظائر کا اثر آیندہ کی طرز عدل گستری پر پڑا کرتا ہے اور چونکہ ان کے اثرات جدا گانہ ہیں اس لئے ان کی دو مختلف قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ سندی نظیر وہ ہے جس کا ماننا عدالتوں پر لازم ہے خواہ وہ اُس کو منظور کریں کہ نہ کریں، اس طرح کی نظیر صادر ہونے کے بعد جس قدر مقدمات اُس نظیر کے تحت میں بغرض تصفیہ پیش ہوتے ہیں اُن میں اُس نظیر پر فیصلہ صادر کرنا اور اپنی رائے کو دخل نہ دینا عدالتوں کا فرض ہے۔ اس کے برعکس ترغیبی نظیر اُس نظیر کو کہتے ہیں جس کی پابندی عدالتوں پر واجب نہیں ہے۔ لیکن عدالتیں اُس پر غور کرتی ہیں اور اس کو اہم یا غیر اہم سمجھنا اُن کے صوابدید پر موقوف رکھا گیا ہے۔ اس قسم کی نظیر کے منظور ہونے کے متعلق قانون کی جانب سے کسی قسم کا معیار نہیں قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ نظیر کے اوصاف اور خوبیاں عدالتوں کو اُس پر عمل کرنے کے لئے مائل کرتی ہیں یعنے سندی نظیریں قانون کا ماخذ قانونی ہیں۔ اور برخلاف اس کے نظائر ترغیبی اُس کا محض تاریخی ماخذ متصور ہوتی ہیں۔ چونکہ ایک معینہ اور مسلمہ قاعدے کی رو سے پہلی قسم کی نظائر کو قانون بنانے کی تاثیر بخشی گئی ہے اس لئے ان نظائر کے ذریعہ سے قانون بنتا ہے۔ لیکن دوسری قسم کی نظیروں کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ اور بعض وقت اُن کے ذریعہ سے بظاہر جو قانون بنتا ہے اس پر بھی اُن کا اثر راست نہیں پڑتا ہے۔ بلکہ جب کسی امر کا سندی نظیر کے ذریعہ سے عدالت کی رائے میں تصفیہ کرنا مناسب نہیں اور ترغیبی نظیر سے مدد لینا مناسب معلوم ہوتا ہے تو اُس کو بطور مواد تاریخی استعمال کیا جاتا ہے۔

لہٰذا نظیر ترغیبی کی بنفسہ قانون کی سی قوت و تاثیر نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ قانون ملک کی رو سے انگلستان کی تمام اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے نظائر سندی خیال کئے جاتے ہیں لیکن نظائر ترغیبی کے حسب ذیل مخصوص انواع ہیں۔

(۱) غیر عدالتوں خصوصاً ریاست ہائے امریکا کی عدالتوں کے فیصلے[1]

(۲) سلطنت برطانیہ کے دوسرے حصص مثلاً آئرلینڈ کی عدالتوں کے فیصلے[2]

(۳) فیصلہ جات پریوی کونسل جبکہ اُس نے بطور عدالت مرافعہ برطانوی نوآبادیوں[3] کے مقدمات کا تصفیہ کیا ہو۔

(۴) اعلیٰ عدالتوں کی ایسی خارجی رائیں جو اُنھوں نے بطور قواعد خاص اپنے فیصلوں میں ظاہر کی ہوں اور جن کا اظہار و اندراج تصفیۂ مقدمہ کے لئے[4] غیر ضروری ہو۔ ججوں کی آرائے خارجی کی وہ تاثیر و اہمیت نہیں ہو سکتی جو نظائر سندی کو حاصل ہے۔ ہم آیندہ کسی دوسرے مقام پر زیادہ وضاحت سے اس کے متعلق بیان کریں گے[5]

[1] کیسٹرو بنام ملک معظم اپیل کیسیز جلد ۶ صفحہ ۲۴۹۔ اسکار انسکا بنام اسمتھ سی۔پی۔ڈی جلد ۵ صفحہ ۳۰۳۔

[2] بمعاملۂ پارسنز چانسری ڈویژن جلد ۴۵ صفحہ ۶۲۔ "اگرچہ آئرستانی عدالتوں کے فیصلے واجب التعظیم ہیں لیکن اُن کی پابندی انگریزی ججوں پر لازم نہیں ہے"

[3] بمقدمۂ لیمنگ بنام اسکاٹ کوئنز بینچ ڈویژن جلد ۲ صفحہ ۳۷۶۔ اسی رپورٹ کے صفحہ ۳۸۰ پر عدالت مرافعہ اپنی تجویز میں اس طرح کے فیصلے کے متعلق لکھتی ہے کہ "ہم اس عدالت کے فیصلہ کی سند ماننے کے لئے مجبور نہیں ہیں لیکن ہم اُس کو قابل تعظیم جانتے ہیں۔ اور اگر ہم اس تجویز سے متفق ہو سکتے تو ہمیں بے انتہا مسرت ہوتی"

[4] اگرچہ انگلستان کی عدالتوں کے نزدیک اُس درجہ کا ترغیبی اثر جو ان چاروں اقسام کے فیصلوں کو حاصل ہے جن کی تفصیل اس صفحہ پر بتلائی گئی ہے ابواب ذیل کا نہیں ہو سکتا لیکن اُن عدالتوں میں ان چیزوں کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ قانون روما اور اُس کے مفسرین کی آراء۔ نیز ایسی مستند کتب درسی جو انگلستان اور امریکا کے قانون کے متعلق تصنیف کی جاتی ہیں۔

فصل ٦٢ نظائر مطلق و مشروط

چونکہ سندی نظائر کے اثر میں اختلاف ہے اس لئے اُن کی دو قسمیں مطلق اور مشروط قرار دی گئی ہیں۔ نظیر مطلق کی صورت میں خواہ ایسی نظیر کتنی ہی غلط اور خلاف عقل کیوں نہ سمجھی جائے عدالت پر اُس کی پابندی فرض ہے۔ گویا قانون اس طرح کی نظیر کو جبراً عدالتوں سے منوا تا ہے اور وہ کسی طرح سے اس کے خلاف چون و چرا نہیں کر سکتی ہیں لیکن نظیر مشروط کو نامنظور کرنے کے متعلق عدالتوں کو محدود اختیار دیا گیا ہے۔ اگرچہ معمولی صورتوں میں عدالت کے لیئے اس طرح کی نظیر کو تسلیم کرنا لازم ہے لیکن بعض وقت ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ عدالت قانوناً نظیر مشروط کو نامنظور کرتی ہے جب اس طرح کا فیصلہ نہ صرف غلطی پر مبنی ہو بلکہ اُس کی وجہ سے اغراض معدلت کو ضرر پہنچتا ہو اور اُس کی تردید و تبدیل مقتضائے انصاف سمجھی جائے تو عدالت کا اُس کو نہ ماننا بالکل صحیح و جائز ہے اور اگر نظیر مشروط اس طرح کے سقم سے بری ہے تو عدالت کو اس کی سند ماننی چاہیئے حالانکہ اُس عدالت کی رائے میں جس میں کہ وہ پیش کیجاتی ہے وہ کتنی ہی غلط و خلاف عقل کیوں نہ معلوم ہوتی ہو۔ بہرحال اس قاعدہ کے مفہوم اور اثر کے متعلق ہم آیندہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ سردست اس امر کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کس قسم کے فیصلجات عدالت قانون انگلستان کی رو سے نظائر مطلق اور کس نوع کی عدالتی تجویزیں اُس قانون میں نظائر مشروط سمجھی جاتی ہیں۔

ذیل میں جن عدالتی فیصلوں کی قسمیں بتلائی گئی ہیں وہ نظائر مطلق ہیں۔

(۱) ہر ایک عدالت ماتحت اپنی بالادست عدالتوں کے فیصلوں کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے مثلاً انگلستان میں کسی عدالت ابتدائی کو وہاں کی عدالت مرافعہ کے فیصلوں پر اعتراض کرنے کا یا اُن کے متعلق اپنا شبہہ ظاہر کرنے کا مطلق اختیار نہیں ہے اور نہ عدالت مرافعہ دارالامرا کی عدالتی تجویزوں کو ماننے سے انکار کر سکتی ہے۔

(۲) دارالامرا پر اپنے فیصلوں کی پابندی لازم ہے - جب ایک مرتبہ عدالت مذکور کسی امر قانونی کا فیصلہ کر دیتی ہے تو وہ اُس کے لئے قطعی ہو جاتا ہے اور دوبارہ اس قسم کا مسئلہ اُس عدالت میں بغرض تصفیہ نہیں پیش ہو سکتا - گویا وہ ایسا امر غیر منفصلہ ہے جس کے متعلق دوبارہ بحث کرنا ممکن نہیں بلکہ اُس کی منسوخی کے لئے اُس عدالت کو توجہ دلانی پڑتی ہے[۱]

(۳) انگلستان کی عدالت مرافعہ پر اپنی تجاویز اور قدیم زمانہ کی اُن ہمسر عدالتوں کے فیصلوں کی پابندی لازم ہے جیسا کہ اکسچیکر (عدالت مال) وغیرہ کی عدالتیں تھیں[۲]

ان تین قسم کے فیصلوں کے سوائے جس قدر عدالتی فیصلے ہیں وہ محض نظائر مشروط ہیں - ایک اور امر قابل غور ہے، نظیر کے موثر و مستند ہونے کے لئے

---

[۱] لندن اسٹریٹ ٹراموےز کمپنی بنام لندن کونٹی کونسل ۱۸۹۸ء اپیل کیسیز صفحہ ۳۷۵ و ۳۷۹ - یہی حالت اُن فیصلوں کی سمجھی جاتی ہے جن کی ناراضی سے دارالامرا میں مرافعہ پیش کیا جاتا ہے - جبکہ تجویز زیر مرافعہ کے موافق نصف ارکان اور اُس کے مخالف دوسرے نصف ارکان کی رائے ہوتی ہے تو فیصلہ زیر مرافعہ بحال اور مستند متصور ہوتا ہے - بیمش بنام بیمش Beamish V. Beamish فیصلہ جات دارالامرا (ہوز آف لارڈز کیسیز) جلد ۹ صفحہ ۳۳۸ -

اٹرنی جنرل (صدر وکیل سرکار) بنام ڈین آف ونڈزر فیصلہ جات دارالامرا جلد ۸ صفحہ ۳۹۲ - دوسری عدالتوں میں جب فیصلہ زیر مرافعہ کے متعلق ججوں کی موافق اور مخالف رائیں مساوی ہوتی ہیں تو اُن کا کیا اثر سمجھا جاتا ہے - اس کے متعلق دیکھو مقدمہ دی ویرا کروز (The Vera Cruz) رپورٹ مرتبہ پیسری اور ڈیویٹ سن (P. D.) جلد ۹، صفحہ ۹۸ -

[۲] پلیج بنام کار (۱۸۹۵ء) چانسری جلد ۱ صفحہ ۱۵ لیوی (Lavy) بنام لندن کونٹی کونسل (۱۸۹۵ء) کوئنز بنچ جلد ۲ صفحہ ۵۸۱ پر لنڈلے لارڈ جسٹس کے خیالات قابل غور ہیں - اس کے علاوہ دیکھو ملز بنام جیننگز چانسری ڈویژن جلد ۱۳ صفحہ ۶۳۸ -

صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ کسی اعلیٰ عدالت نے اُس کو ثابت کیا ہے۔ بلکہ نظیر کی پیش سازی میں فریقین مقدمہ کو اس امر کا لحاظ کرنا لازم ہے کہ وہ اُس کے ذریعہ سے کس درجہ کی عدالت کو پابند کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جو نظیر ایک عدالت کے لئے موثر و مستند یعنے مطلق ہو سکتی ہے وہی دوسری عدالت میں مشروط خیال کی جاتی ہے۔ مثلاً انگلستان کی عدالت مرافعہ کے فیصلہ کی پابندی (سلطنت برطانیہ کی) ہر ایک عدالت ابتدائی پر لازم ہے لیکن عدالت دارالامرا کے واسطے وہی نظیر مشروط سمجھی جاتی ہے۔

فصل ۱۵ نظائر کو تسلیم نکرنے کے اسباب و شرائط

کسی ایسی مشروط نظیر کے نہ ماننے کے لئے جو سندی ہو عدالت کو دو باتوں کا لحاظ کرنا لازم ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اُس عدالت کی رائے میں جس میں کوئی فیصلہ جو بطور نظیر پیش کیا جائے غلط ہو۔ فیصلہ دو طرح سے غلط ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ فیصلہ خلاف قانون ہو اور دوسرے یہ کہ خلاف عقل ہو۔ جب کسی امر کے متعلق قانون موجود ہو اور فیصلہ اس کے مطابق نہ ہو تو ایسا فیصلہ خلاف قانون کہلاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی امر کی بابت قانون طے ہو جائے تو اُس قانون کا استقرار و اعلان کرنا اور اس امر کے تصفیہ میں اُس قانون کا اطلاق کرنا ججوں کا فرض عین ہے۔ عدالتوں کو لازم ہے کہ حتی المقدور اپنے فیصلوں کو استقراری بنائیں یعنے قانون ملک کے موجود ہوتے اپنی رائے سے کام نہ لیں بلکہ تصفیہ مقدمات میں اُس قانون کا اطلاق کرکے اُس کا استقرار و اعلان کرتے رہیں۔

دوسری شکل کے مطابق نظیر کی عدم قبولیت کا سبب اُس کا خلاف عقل ہونا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ قانون کے موجود نہ رہنے کی صورت میں عدالتوں کو حسب ضرورت قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن ایسے وقت میں اُن کو عقل سے کام لینا چاہیئے اور جب اُن کی عقل کوتاہی کرتی ہے تو وہ اس طرح کے غلط فیصلے صادر کرتی ہیں اور جن اصول پر وہ اُن فیصلوں کو

بنی کرنا چاہتی ہیں وہ بالآخر غلط اور خلاف عقل ثابت ہوتے ہیں۔ جس طرح رسم اور ایسے قوانین جن کو ماتحت اشخاص و مجالس وضع کرتی ہیں خلاف عقل ہونے کے سبب سے ناجائز اور مذموم خیال کئے جاتے ہیں اسی طرح اگر نظیر بھی مغائر عقل ہو تو ناقابل منظوری ہے۔

بہر حال محض اس وجہ سے کہ نظیر خلاف قانون و خلاف عقل ہے عدالت اُس کو رد نہیں کر سکتی۔ بلکہ نظیر کو نامنظور کرنے کے لئے عدالت کو ایک دوسری شرط کا لحاظ کرنا لازم ہے۔ اگر صرف پہلی شرط جس کا فقرۂ سابقہ میں بیان ہوا ابطلان نظیر کے لئے معیار قرار دی جاتی تو نظیر مشروط اور نظیر ترغیبی میں فرق کرنا مشکل ہوتا۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں نظائر کی اصلی خوبیوں کی بنا پر عدالتیں اُن کو تسلیم کرتیں۔ اور اُن کا حسن و قبح عدالت کی رائے پر منحصر ہوتا۔ ہر ایک جج اپنے زمانہ میں جس نظیر کو جیسا بُرا یا بھلا قرار دے سکتا ہے۔ لیکن نظیر سندی کا تحکمانہ اثر ہے۔ اگرچہ عدالت کی رائے ایسی نظیر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو لیکن جب وہ پیش کیجاتی ہے تو اُس کو ماننا پڑتا ہے۔ چنانچہ اکثر مقدمات میں عدالتوں کو بمجبوری اُن نظائر پر عمل کرنا پڑتا ہے جن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جب ایک اصول ایک دفعہ طے ہو جائے تو اُس کو اس کے نہایت معقول و مفید نہ ہونے کی وجہ سے رد نہ کرنا چاہیئے۔ قانون کا مثالی طور پر کامل و معقول ہونا اس قدر ضرور نہیں ہے جس قدر اُس کے بحال رہنے کے متعلق لوگوں کا یقین رکھنا لازم و مناسب ہے۔ بہر حال لوگوں کا قانون کی بحالی اور قیام کے متعلق یقین رکھنا اور اُس کا ہر پہلو سے مکمل ہونا اُس کی مخصوص و اہم صفتیں ہیں۔ مگر ان دونوں میں ایک قسم کی مغائرت ہے۔ اور اس لئے جب کسی نظیر کو عدالت رد کرتی ہے تو قانون ملک کے ترقی کرنے کا معقول طریقہ مسدود ہو جاتا ہے اور قانون کے غیر متیقن ہونے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ اُس خفیف فائدہ سے جو اس طرح حاصل ہوتا ہے کہیں زیادہ ہیں۔ اگرچہ عدالت کے کسی نظیر کو نامنظور کرنے سے اُس مسئلۂ قانونی کی جو اُس نظیر کے ذریعہ سے غلط طور پر طے ہوا ہو سر دست

اصلاح ہو جاتی ہے لیکن اس قلیل نفع کا اثر معکوس قانون ملک کی ترقی پر پڑتا ہے۔ کیونکہ اُس کی ترقی کا معقول و عاقلانہ طریقہ فیصلہ جات عدالت ہیں۔ اور جب نظائر سابقہ میں دست اندازی کیجائے تو قانون کی ترقی کا سلسلہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ تنسیخ نظائر کے اور بھی نقصانات ہیں۔ مثلاً کسی نظیر کے ذریعہ سے کچھ ایسا قانون طے پایا ہو جس کا اثر بیش بہا قیمت جائدادوں اور بعض اہم معاملات پر پڑتا ہو اور لوگوں نے قانون مندرجۂ نظیر پر بھروسا کر کے جائداد کے متعلق کوئی معاہدہ کیا ہو تو اہل معاملہ کو تنسیخ نظیر سے نہ صرف نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے بلکہ اُن کی نظروں میں قانون کی ساکھ باقی نہیں رہ سکتی۔

مختصر یہ کہ اس طرح کی نظیر کے متعلق لوگوں کی جو توقعات تھیں اور اُسکے بھروسے پر اُنھوں نے آپس میں جو معاملات قرار دے رکھے تھے اُس کے منسوخ ہونے سے وہ منقطع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا ان ضرورتوں کے لحاظ سے نظیر کا بحال رکھنا خواہ وہ غلط کیوں نہ ہو مقتضائے انصاف ہے اور اس قانونی مقولہ کا "عام غلطی قانون بن جاتی ہے[۵۱]" بھی یہی منشا ہے۔ چنانچہ ایک فیصلہ[۵۲] میں لارڈ ایلڈن نے لکھا ہے کہ قانون کا تیقن ہونا اس امر سے کہیں بہتر ہے کہ ہر ایک جج اپنے دور میں اُس کی اصلاح کرنے اور اُس کو ترقی دینے کے متعلق تنسیخ و ابطال نظائر کے ذریعہ سے منصوبے باندھا کرے۔

دلائل مندرجہ فقرۂ بالا کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر نظیر قدیم ہوتی ہے اُسی قدر وہ مستند سمجھی جاتی ہے اور قدیم نظیروں کے باطل و منسوخ قرار پانے سے لوگوں کے دیرینہ اور جائز توقعات کو اُسی قدر نقصان پہنچتا ہے۔ اگر کسی جدید فیصلہ کا باطل کرنا جائز ہو لیکن وہ کچھ عرصہ کے لئے بحال رکھا جائے تو

---

۵۱ یاد رکھنا چاہئے کہ نظیر کو رد اور باطل کرنے کا اثر حالات ماسبق پر پڑتا ہے۔ اور اس لحاظ سے ابطال نظیر اور تنسیخ و ترمیم قانون موضوعہ میں فرق ہے۔

۵۲ شیڈن بنام گڈرج رپورٹ ویسی جلد ۸ صفحہ ۴۹۷۔

عملی طور پر وہ نظیر مطلق بن جاتا ہے مرور زمانہ کی وجہ سے نظائر میں جو اہمیت اور مستند ہونے کی خاصیت پیدا ہوتی ہے جس کو عدالتوں نے بارہا تسلیم کیا ہے

"اگر ہم نظیر محولہ کو محض اس نظر سے دیکھیں کہ وہ ایک ابتدائی عدالت کا فیصلہ ہے تو ہم پر اس کی پابندی لازم نہیں ہے حالانکہ جن ججوں کے قلم سے یہ تجویز مترشح ہوتی ہے وہ ضرور واجب التعظیم ہیں لیکن اگر نظیر مذکور کے اوصاف اور اس کے عملی نتیجہ کا لحاظ کیا جائے تو اس کی شان اس عدالت سے زیادہ ارفع معلوم ہوتی ہے جس نے اس کو صادر کیا ہے بلکہ یہ فیصلہ اس کمال و خوبی سے لکھا گیا ہے کہ اس کا شمار کسی اعلیٰ و مقتدر عدالت کے فیصلوں میں کئے جانے کے قابل ہے۔ علاوہ بریں اس کو صادر ہوئے زمانہ دراز گزر گیا اور کسی نے اس کی صحت کے متعلق اعتراض تک نہیں کیا۔ اس لئے عوام کی سہولت اور نفع کے خیال سے نیز فریقین مقدمہ کے شخصی حقوق کی حفاظت و حمایت کے لحاظ سے بجز مخصوص ضرورتوں اور خاص وجوہ کے یہ عدالت اس کو منسوخ یا باطل کرنا خلاف انصاف خیال کرتی ہے۔ اس فیصلہ کو صادر ہوئے بارہ سال سے زیادہ مدت گزری لیکن کسی دوسرے عدالتی فیصلہ کے ذریعہ سے نہ اس کی تنسیخ عمل میں آئی اور نہ عدالت بالادست نے اس کی صحت کے متعلق کوئی اعتراض کیا۔[1]

جب کسی مخصوص امر کے متعلق کسی مسلّمہ منفصلہ مقدمہ کے ذریعہ سے قانون طے ہو جائے اور عوام یہ باور کر کے کہ فیصلہ مذکور اس امر کی بابت قانون بن گیا ہے اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو عدالت مرافعہ کو اس میں دست اندازی نہ کرنی چاہئے۔[2]

---

[1] پیک بنام گولڈن ویلی ریلوے کمپنی چانسری ڈویژن جلد ۱۵ صفحہ ۳۴۳۔

[2] اسمتھ بنام کیل کوئنز بینچ ڈویژن جلد ۹ صفحہ ۳۴۵۔ اس کے علاوہ دیکھو معاملہ [illegible]

یہ مقولہ بھی کہ امتداد زمانہ سے نظیر کے اثر و اقتدار میں اضافہ ہوتا ہے ایک اہم مستثنیٰ کے بغیر نہیں ہے جس طرح انسان کی قوت اُس کی عمر کی ایک خاص مدت تک ترقی کر سکتی ہے اُسی طرح نظیر کی سند اور اُس کا اقتدار ایک خاص زمانہ تک قائم رہ سکتا ہے۔ لہذا نظائر کا اثر بھی ایک عرصہ کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔ دیرینہ فیصلہ جات عدالت کو بے اثر و غیر مستند قرار دینے کے لئے اُن کا بالراست منسوخ ہونا کوئی امر ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ عدالتیں مرور ایام کے ساتھ قدیم اصول کو جن پر کہنہ نظائر مبنی ہوتے ہیں بھول جاتی ہیں چونکہ جدید ضرورتوں اور جدید اصول کے لحاظ سے جدید فیصلے صادر کئے جاتے ہیں اور فیصلہ جات سابق طاق نسیان میں پڑے رہتے ہیں اس لئے اصول جدید اور اصول قدیم کا تصادم ہوتا ہے۔ اس طرح سے نظائر دیرینہ خود بخود باطل و منسوخ ہو جاتے ہیں۔ تغیر ایام کیساتھ لوگوں کے خیالات بدلتے رہتے ہیں عدل و انصاف کا طریقہ بھی بدلتا رہتا ہے جس طرز اور جس خیال سے عدالتیں سابق میں مقدمات فیصل کرتی تھیں وہ طریقہ اور اصول زمانہ موجودہ میں نہیں رہنے پاتا۔ اس طرح نظائر دیرینہ و کہنہ کا اثر بتدریج مٹ کر وہ بالآخر تقویم پارینہ بن جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ قانون ملک بھی نئی ضرورتوں اور نئے خیالات سے متاثر ہو کر اپنی پہلی حالت پر باقی نہیں رہتا جس کی وجہ سے قدیم عدالتی فیصلے منسوخ متروک العمل اور بے اثر ہو جاتے ہیں۔

فقرات بالا کے مضامین کا بطور خلاصہ اس مقام پر اعادہ کرنا ضروری

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- (Wallis) کوئنز بنچ ڈویژن جلد ۲۵ صفحہ ۱۸۰ - کوئین بنام ایڈورڈز کوئنز بنچ ڈویژن جلد ۱۳ صفحہ ۵۹۰ - رڈزڈل بنام کلفٹن رپورٹ مرتبہ پیری اور ڈیوڈسن جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ - مکس بنام بیر - اپیل کیسیز جلد ۹ صفحہ ۶۳۲ "معلوم ہوتا ہے کہ جو قانون اس کے ذریعہ سے طے ہوا ہے لوگوں نے اُس کو قبول کر کے عرصۂ دراز تک اُس پر عمل کیا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اُس قانون کو پلٹنے کا موقع اب میرے امکان میں نہیں رہا۔"

معلوم ہوتا ہے۔ نظیر مشروط کی سند کو نہ ماننے کے لیئے فیصلہ کا قانون اور عقل کی غلطی پر مبنی ہونا ضرور ہے۔ اس کے سوائے بمقتضائے حالت ناقابل قبولیت نظیر ایسی ہونی چاہیئے کہ اُس پر اس مقولۂ قانونی کا کہ عام غلطی قانون بن جاتی ہے اطلاق نہ ہوتا ہو۔ فیصلہ کے ناقص قرار پانے کے لیئے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اُس کو صادر ہوکر اور ترمیم و تردید کے بغیر زیادہ مدت نہ گزری ہو ورنہ غلط و ناقص فیصلہ امتداد زمانہ کے سبب سے سند دائمی بننے کا سزاوار ہوجاتا ہے حالانکہ اُس کے صادر کرنے میں عدالت صادر کنندہ نے کیسی ہی فاش غلطی کیوں نہ کی ہو۔

نامنظوری نظیر کی دو شکلیں ہیں۔ وہ عدالت جس میں نظیر پیش ہوتی ہے بصورت نامنظوری یا تو اُس کو باطل قرار دیتی ہے یا اُس کے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ بہر حال اس سے ظاہر ہے کہ نظیر کا باطل ٹھیرانا اعلیٰ عدالت کا کام ہے۔ نظیر کے باطل ہونے سے جو کچھ اُس کا اثر و اقتدار ہے وہ کلیتہ زائل ہوجاتا ہے نظیر مبطلہ کی وہی کیفیت ہے جو قانون منسوخ کی ہوسکتی ہے یعنے باطل شدہ نظیر قطعاً کالعدم سمجھی جاتی ہے اور اس کے بجائے دوسرا ایسا جدید اصول قائم کیا جاتا ہے جو آیندہ زمانہ کے لئے سند ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس مساوی الاقتدار عدالت اپنے ہم پلہ دوسری عدالتوں کی نظائر کی پابندی و تقلید کرنے سے انکار کرسکتی ہے۔ کیونکہ کسی دو ہم رتبہ عدالتوں کو ایک دوسرے کے فیصلوں کو باطل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جب عدالت ایک نظیر کو تسلیم نہ کرکے اُس کے خلاف دوسرا فیصلہ صادر کرتی ہے تو اس کارروائی اور اُس کارروائی کے اثر میں جس کے ذریعہ سے کوئی نظیر باطل قرار پاتی ہے فرق ہے۔ اس دوسری کارروائی کے بعد جو فیصلہ عدالت سے صادر ہوتا ہے وہ نظیر غیر مسلمہ کا ناسخ نہیں ہوسکتا بلکہ نظیر غیر مقبولہ اور فیصلۂ جدید دونوں بطور اسناد متغائر و مخالف بحال و جاری رہتے ہیں تا اینکہ جو اختلاف اِن دو متضاد فیصلوں کے ذریعہ سے قانون میں پیدا ہوتا ہے اُس کو کوئی ایسی عدالت جو ان دونوں عدالتوں سے بالاتر ہو ان میں سے ایک فیصلہ کو بحال رکھکر دوسرے کو باطل قرار دیتی ہے۔ اور جبتک عدالت بالادست

ان دونوں متضاد نظائر کے متعلق اس طرح فیصلہ نہ کرے یہ دونوں بحالت خود نافذ سمجھے جاتے ہیں۔

فصل ۱۲۶ نظیر سے قانون بنتا نہ کہ منسوخ ہوتا ہے

ہم نے اس کے پہلے کسی مقام پر اُس نظریہ کی غلطی ثابت کر دی ہے جس کی بنا پر لوگ نظائر کو محض استقراری خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے بخوبی اس امر کو ظاہر کر دیا ہے کہ نظائر کو قانون بنانے کا ایک خاص اختیار حاصل ہے۔ اور قانون ملک نے بھی اُن کے اس اختیار کو جائز تسلیم کیا ہے۔ بہر حال جو کچھ اثر و اقتدار نظیر کو حاصل ہے اُس کے ذریعہ سے قانون بنتا ہے۔ نظیر کے ذریعہ سے نہ قانون منسوخ کیا جا سکتا ہے اور نہ اُس میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جب کسی امر کے متعلق طے شدہ قانون موجود ہو تو اُس مسئلہ پر قانون موجودہ کا اطلاق کرنا عدالتوں کا فرض ہے اور ایسی صورت میں کوئی عدالت اپنی رائے کو دخل دینے کی مجاز نہیں ہے اور نہ وہ اپنے بنائے ہوئے قانون سے اُس کا تصفیہ کر سکتی ہے۔ عدالتوں کو فیصلوں کے ذریعہ سے جو قانون بنانے کی اجازت دی گئی ہے اُس کا منشا صرف اس قدر ہے کہ جب ملک کے قانون میں کمی ہو تو وہ اُس کمی کی اپنے بنائے ہوئے قانون سے تکمیل کریں اور اس طرح جدید قانون سے قدیم قانون کا نقص رفع ہو سکے۔ یعنے قدیم قانون کے ناکمل اور ناکافی مسائل و قواعد میں عدالتوں کے اس اختیار کے ذریعہ سے اضافہ ہوتا ہے۔

بر ایں ہم یہ قاعدہ بھی مستثنیات سے خالی نہیں ہے۔ پہلا مستثنیٰ یہ ہے کہ عدالتیں جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا نظائر کو باطل اور نامنظور کر سکتی ہیں اور عملی نقطۂ نظر سے عدالتوں کا یہ فعل اختیار تنسیخ قانون سمجھا جاتا ہے لیکن از روئے اصول و نظریہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نظیر کے باطل ہو جانے سے کوئی طے شدہ قانون نہیں منسوخ ہو سکتا۔ ابطال نظیر و تنسیخ قانون دو جداگانہ امور ہیں اور دونوں کا اثر مختلف ہے۔ نظیر کے باطل ٹھیرانے کے یہ معنی ہیں کہ ایک اعلیٰ عدالت ایک ایسے قاعدہ کو جس کو عدالت ماتحت صادر کنندہ نظیر نے

صحیح مانا تھا غلط تصور کرتی ہے۔ کوئی نظیر اس لئے باطل نہیں کیجاتی کہ اُس کے ذریعہ سے کسی قسم کا غلط اور غیر مفید قانون بنا ہے۔ بلکہ اس لئے اس کو منسوخ کیا جاتا ہے کہ اُس کے ذریعہ سے درحقیقت کوئی قانون ہی نہیں بنا اور قانون کو موثر و مستند بنانے کے جو اوصاف ہیں وہ اُس میں نہیں پائے جاتے ہیں اسی وجہ سے بطلان نظیر کا اثر واقعات سابقہ پر پڑتا ہے۔ اُس کے برعکس تنسیخ قانون سے واقعات آیندہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ نظیر کا منسوخ کرنا یا اُس کا باطل ٹھیرانا گویا اس امر کا اعلان کرنا ہے کہ فیصلۂ منسوخ ابتدا سے ہی غلط تھا۔ اس کے برخلاف قانون منسوخ صحیح و جائز سمجھا جاتا ہے اور جو معاملات اُس قانون کی منسوخی کے پہلے اُس کے زیر اثر انجام پاتے ہیں اُن کا اُسی قانون کے ذریعہ سے فیصلہ کیا جاتا ہے لہذا تنسیخ نظیر تنسیخ قانون کے مشابہ نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں اور ایسے قانون رسمی میں مماثلت اور مشابہت ہے جس کو عدالتیں اس لئے نامنظور کرتی ہیں کہ وہ شرائط و قواعد مقررہ کے موافق نہیں ہوتا۔

اس قاعدہ کا کہ نظیر کے ذریعہ سے قانون منسوخ نہیں کیا جاتا دوسرا مستثنیٰ یہ قانونی مقولہ ہے کہ "جو بات نہ ہونی چاہیئے تھی لیکن ہو جائے تو وہ جائز سمجھی جاتی ہے"۔ یہ سچ ہے کہ اگر امور نزاعی کو فیصل کرنے کے لئے عدالتوں کو قانون مل سکتا ہو تو اُن کو اُسی قانون سے فیصلہ کرنا لازم ہے۔ اور عدل گستری کے لئے جو ججوں کا تقرر کیا جاتا ہے اُس کا مقصد اُن کے ذریعہ سے قانون ملک کا اطلاق کرانا نہ کہ اُس کو پلیٹ دینا ہے۔ لیکن اس پر بھی اگر غفلت یا کسی اور وجہ سے قانون سابقہ کے مغائر کوئی فیصلہ صادر ہو جائے تو اُس کے اثر کو قانون کے اثر سے کم نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ قانون انگلستان کا یہ ایک مشہور مقولہ ہے کہ جو فعل نہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہو گیا تو اُس کو جائز ماننا چاہیئے۔ لہذا کسی ایسی نظیر کو غیر مستند اور بے اثر سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا جس کا نظائر مستند و مقتدر کے زمرہ میں شمار ہو لیکن وہ خلاف قانون تجویز ہوئی ہو یا وہ نظیر بننے کی قابلیت نہ رکھتی ہو۔ چنانچہ انگلستان کی ہر ایک

عدالت کو وارا لامر اسکے ہر ایک فیصلہ کو خواہ وہ قانون سابقہ کے مطابق ہو یا نہ ہو ماننا پڑتا ہے اسی طرح اس عدالت کا ہر ایک فیصلہ مشتہرہ بھی قابل تسلیم ہے۔ سابق میں بیان کیا گیا ہے کہ نظیر کے نامقبول ہونے کے دو وجوہ ہیں اور اُن میں کی ایک وجہ غلطی ہے۔ جب غلطی کی بنا پر عدالت کسی نظیر کو تسلیم نہیں کرتی تو اس امر کا لحاظ نہیں کیا جاتا کہ وہ فیصلہ خلاف قانون صادر ہوا ہے یا خلاف عقل۔ بعض صورتوں میں عدالتوں کو غلط نظائر پر عمل کرنا پڑتا ہے اور یہ مجبوری اس لئے لاحق ہوتی ہے کہ جدید قانون سے جو اس طرح غلط نظائر کے ذریعہ سے بنتا ہے لوگ قدیم قانون کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غلط نظیر کا نہ بننا بہتر ہے۔ لیکن جب ایک دفعہ غلط نظیر کے ذریعہ سے قدیم قانون میں ترمیم ہو کر جدید قانون بن جائے تو اُس کا توڑنا مناسب نہیں۔

فصل ۱۲۶ نظائر کو واجب التعمیل ماننے کے اسباب

فیصلہ جات عدالت کو صحیح ماننے کے متعلق ایک قیاس قانونی ہے اور اُسی قیاس پر نظائر کی تاثیر اور عمل کا انحصار ہے۔ نظائر کو مستند ماننا بظاہر امر قیاسی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اصل میں قیاس مذکور ایک قانونی مقولہ پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ فیصلہ جو کسی امر کی نسبت صادر ہو صحیح خیال کیا جاتا ہے۔ اس قول کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی امر قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق فیصل ہو جائے تو وہ ہمیشہ امر منفصلہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر فریق مقدمہ یا کوئی اور شخص کسی امر کے تجویز پا لینے کے بعد یہ ادعا کرے کہ عدالت نے تجویز کرنے میں غلطی کی ہے تو عدالت اُس کو تسلیم نہیں کر سکتی اسی طرح جب بعد تحقیقات کسی نزاع یا مقدمہ کا عدالت سے فیصلہ ہو جائے تو اُس کا دوبارہ رجوع کیا جانا ممکن نہیں اور عدالت کی پہلی تجویز صحیح متصور ہوتی ہے۔ عدالتی فیصلوں کو صحیح سمجھنے کے دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ ظن غالب کی بنا پر عدالتوں کی تجویزیں صحیح خیال کی جاتی ہیں اور دوسرے یہ کہ اگر فیصلہ عدالت غلط بھی

ہو تو ضرورتاً اُس کو صحیح خیال کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی خیال کی نسبت ایک قانونی مقولہ ہے کہ مقدمہ بازی (نزاع عدالتی) کے منقطع کرنے میں عوام کا فائدہ ہے۔ اس لئے جب کسی مسئلہ کا بعد غور و فکر عدالت کی جانب سے تصفیہ ہوجاتا ہے تو اُسی مسئلہ کے دوبارہ پیش ہونے پر عدالت سے وہی جواب ملتا ہے اور عدالت پر اُسی طرح کا جواب دینا لازم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس تصفیہ کے بعد جس قدر مقدمات پیش ہوں اور اُن میں اُسی قسم کے مسائل کو منفصل کرنے کی ضرورت ہو تو عدالت کو ان تمام مسائل کے متعلق وہی جواب دینا چاہیئے جو اُس نے سابق میں دیا تھا یعنے فیصلۂ سابقہ ان مسائل کے لئے نظیر سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال اس قاعدہ کے سبب سے فیصلہ جات عدالت میں ایک قسم کی مطابقت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو صحیح معنوں میں عدل و انصاف کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا نظائر کی وجہ سے ججوں کو اپنی ذاتی رائے پر فیصلہ کرنے کا بہت ہی کم موقع ملتا ہے۔ اور جوں جوں نظائر کی کثرت ہوتی جائے گی آئندہ زمانہ میں عدالتیں شاید ہی اپنی رائے سے مقدمات کا تصفیہ کرسکیں گی۔ بلکہ جدید اصول کے قائم کرنے اور قانون کے بنانے میں حکام عدالت اُنہی اصول اور قواعد کا اظہار کریں گے جو نظائر سابقہ میں طے ہوگئے ہیں۔

عدالت جن امور کا تصفیہ کرتی ہے اُن کی دو قسمیں ہیں، امر واقعی اور امر قانونی اور ان دونوں قسموں پر اس مقولہ کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ فیصلہ جو کسی امر کی نسبت صادر ہو صحیح سمجھا جاتا ہے۔ امور قانونی کی صورت میں اس مقولہ کا منشا یہ ہے کہ عدالت نے امر منفصل شدہ کے متعلق صحیح تحقیق کی ہے۔ اور کسی صحیح اور مخصوص قاعدہ و قانون کا اُس پر اطلاق کیا ہے بدیں وجہ فیصلۂ عدالت اُس قاعدہ و قانون کے متعلق ثبوت متصور ہوتا ہے اور وہ اُس قانون کے لئے نظیر استقراری بن جاتا ہے۔ اگر وہ قانون مشتبہ ہو جس کے متعلق فیصلہ صادر ہوا ہے تو اُس فیصلہ کو بطور نظیر محفوظ رکھنا مناسب ہے۔ کیونکہ اُس نظیر سے قانون مشتبہ کے متعلق شہادت کا کام لیا جاسکتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر وہ قانون واضح وتیقن ہے جس پر فیصلہ مبنی کیا گیا ہے تو اُس کا بطور نظیر محفوظ رکھنا بیکار وعبث ہے۔ کیونکہ اس طرح کے نظائر سے کتب رپورٹ کی ضخامت میں بے ضرورت اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ایسے فیصلہ کا رپورٹ نہ کیا جانا مناسب ہے۔

اس کے برعکس امور واقعاتی کی حالت ہے۔ اُن فیصلوں کی نسبت جو ان امور کے متعلق کئے جاتے ہیں یہ قیاس قانونی ہے کہ اُن کے ذریعہ سے جدید قانون بنتا ہے اور اُن کی غرض قدیم قانون کا استقرار اور اُس کو ثابت کرنا نہیں ہے۔ اکثر صورتوں میں ایسے فیصلے نظائر بنیادی خیال کئے جاتے ہیں یعنے جن امر واقعی کا عدالت اس طرح سے جواب دے کر تصفیہ کرتی ہے وہ آیندہ کے لئے امر قانونی بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس فیصلہ کے صادر ہونے کے بعد عدالتوں کے ہاں اس قسم کے امور میں تصفیہ کرنے کے لئے پہلے سے طے پایا ہوا جواب (قانون) موجود رہتا ہے اور اس لئے عدالتوں کو اُن امور کے متعلق اپنی آزادانہ شخصی رائے سے فیصلہ صادر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یعنے معین ومستند اصول کے بہم پہنچنے سے صدور فیصلہ میں عدالت کی شخصی رائے دخل نہیں پاسکتی۔

چنانچہ اگر کسی قانون موضوعہ کا مفہوم مبہم ہو تو جب تک اُس کے معنوں کا عدالت سے تصفیہ نہ ہو جائے وہ قانون امر واقعی خیال کیا جاتا ہے۔ فرض کرو کہ کسی قانون میں لفظ "مویشی" درج ہے اور پہلے پہل یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اُس لفظ میں گھوڑے داخل ہیں کہ نہیں۔ ایسی صورت میں لفظ مویشی میں گھوڑوں کو داخل یا خارج سمجھنے کے لئے عدالت پر کسی نظیر کی پابندی لازم نہیں ہے بلکہ جب اس طرح کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو عدالت کو اپنی عقل سلیم سے کام لینا اور تعبیر قانون میں اپنی لیاقت وفراست کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب یہ مسئلہ ایک مرتبہ طے ہو جاتا ہے تو وہ امر واقعی نہیں رہتا بلکہ ایک امر قانونی بنجاتا ہے۔ اس لئے اُس کے بعد کے اُسی طرح کے مقدمات میں عدالتوں کو اُسی قانونی مقولہ پر عمل کرنا پڑتا ہے کہ

فیصلہ جو کسی امر کی نسبت صادر ہو صحیح متصور ہوتا ہے اور اُن مسائل کا عدالتیں وہی جواب دیتی ہیں جو اس فیصلہ میں دیا گیا اور جو نظیر بن گیا ہے۔

اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ قانون ملک کی ترقی تدریجی کا ایک ذریعہ نظائر بنیادی ہیں۔ اس لئے کہ ان کی وساطت سے امور واقعاتی امور قانونی میں بدلتے رہتے ہیں۔ نیز اس دوسرے مقولہ کا یہی منشا ہے کہ قانون ملک کی بنا واقعات ہیں۔ چونکہ فیصلہ صادر کرنے میں عدالتوں کے آزاد رہنے سے ہر ایک ملک میں قانون نظائری کی ابتدا ہوتی ہے اس لئے جب نظام قانون میں سند نظائر پر عمل کیا جاتا ہے وہاں عدالتیں اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں میں زنجیر ڈالتی ہیں۔ اس پر بھی یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قانون کی ترقی کے اس طریقہ کا دائرۂ عمل زیادہ وسیع ہے کیونکہ کسی ملک کے قانون میں تمام امور واقعاتی کا اس ذریعہ سے بتدریج امور قانونی میں تبدیل ہونا ممکن نہیں ہے۔ قانون اور واقعات میں جو لازمی اور مستقل فرق ہے وہ کسی کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتا بلکہ وہ ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس حد تک قانون واقعات کو اپنے میں جذب کر سکتا ہے؟

اس لحاظ سے کہ نظائر قانون کی موجد ہیں امور واقعاتی کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ ایک قسم کے واقعات وہ ہیں جن کا فیصلہ اصول کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری قسم کے وہ واقعات ہیں جن کا فیصلہ اس طرح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس قسم کے ہر ایک واقعہ کا ایک مخصوص اور جداگانہ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ عدالتیں پہلی قسم کے مسائل کا جواب استخراج کے ذریعہ سے دیتی ہیں۔ یعنے ایک مخصوص واقعہ کے تصفیہ کرنے میں جس قدر غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں معلوم ہوتی ہیں عدالت اُن کو خارج کر دیتی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ عدالت کا فیصلہ ایک عام قاعدہ بنجاتا ہے اور اس کا اطلاق نہ صرف اُسی مقدمہ زیر تصفیہ پر کیا جاتا ہے، بلکہ جس قدر اُس کے مشابہ اور مماثل مقدمات پیش ہوتے ہیں اُن سب کا اُسی عام قاعدہ سے فیصلہ کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم

کے سوالات واقعاتی کا جواب طریقۂ استخراج سے نہیں دیا جاتا یعنے اُن کے فیصلہ کرنے میں عدالتیں امور غیر ضروری اور غیر اہم کو خارج نہیں کرتی ہیں اور چونکہ اس قسم کے ہر ایک مقدمہ کا اُس کے مخصوص حالات اور واقعات پر تصفیہ کیا جاتا ہے اس لئے اس کا فیصلہ عام قاعدہ نہیں بن سکتا بالفاظ دیگر اس کا اپنے بعد کے مقدموں پر عام طور سے اطلاق نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایسی نظیر کا دائرہ عمل اُن ہی مسائل واقعاتی تک محدود رہتا ہے جن کا تعلق اُن کی دوسری قسم سے ہے اور جن کا اس کے پہلے ذکر کیا گیا ہے فیصلہ جات عدالت صرف اُن امور واقعاتی کے لئے قانون کا ماخذ ہیں جن کا اصول پر تصفیہ کیا جانا ممکن ہے اور محض اسی طرح کے واقعات عدالتی فیصلوں کے ذریعہ سے امور قانونی میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ صرف اسی حالت میں عدالت کے فیصلہ کے ذریعہ سے ایک ایسا قاعدہ بنتا ہے جس کا اُس طرح کے آئندہ کے مقدمات پر بطور قانون اطلاق کیا جاتا ہے۔ بہرحال دوسری قسم کے امور واقعاتی کا اُس زمرۂ واقعات سے تعلق ہے جو ہمیشہ کے لئے واقعات خیال کئے جاتے ہیں اور جو فیصلہ کہ عدالتیں اُن کے متعلق صادر کرتی ہیں اُن کو قانونی اصول اور قواعد کی سی بقا حاصل نہیں ہو سکتی۔

مثلاً یہ امر کہ مدعی علیہ نے فلاں بات بیان کی کہ نہیں ایک امر واقعی ہے اور جو تصفیہ اس کا کیا جائے وہ ایک مخصوص اور منفرد فیصلہ ہوگا اور اس امر کا اصول پر تصفیہ نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ ایک امر واقعی خیال کیا جاتا ہے اس کا فیصلہ نظیر نہیں قرار پا سکتا اور نہ وہ قانون بن سکتا ہے۔ اسکے برعکس یہ امر کہ مدعی علیہ نے اپنے بیان کے ذریعہ سے مدعی کو فریب دیا یا کسی فرض کی ادائی میں غفلت کی کہ نہیں لامحالہ ایک امر واقعی ہے۔ لیکن اس کا دوسری قسم کے واقعات سے تعلق ہے۔ اس لئے عدالت اس واقعہ کے متعلق جو فیصلہ کرتی ہے اُس سے ایک عام اصول بنتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی شئے ہے جس کا فیصلہ کسی مخصوص اور منفرد شخص کے لئے نہیں بلکہ عوام کے واسطے کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر اس طرح کا فیصلہ کسی اصول پر مبنی ہو تو نظیر بنیادی کا

پہنچا تا ہے۔ صدور فیصلہ کے بعد امر منفصلہ اور اُس کے مانند جس قدر واقعات بغرض انفصال پیش ہوتے ہیں وہ تمام کے تمام امور قانونی متصور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس فیصلہ کے ذریعہ سے جس قاعدہ کا تعین ہوا ہے اُس نے پہلے ہی اُن سب کا تصفیہ کر دیا ہے۔

لہذا نظیر کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا عدالتی فیصلہ ہے جو کسی نہ کسی اصول پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اصول جو نظیر میں مضمر رہتا ہے وہ اُسکی روح رواں ہے اور تمام نظیر میں وہی ایک جزو مستند و مقتدر خیال کیا جاتا ہے اور اُسی کو اصطلاح میں بنا اور وجہ فیصلہ کہتے ہیں۔ فیصلہ عینی کی پابندی یعنے وہ خاص تجویز جو فریقین مقدمہ کے حق میں صادر کیجاتی ہے مدعی اور مدعی علیہ پر لازم ہے لیکن مثالی اور عام بنائے فیصلہ کا اثر دوسرے تمام انسانوں کے حق میں قانون کا سا ہوتا ہے۔ چنانچہ سر جارج جیسل لکھتا ہے کہ نظائر یا مقدمات منفصلہ کے ذریعہ سے ایسے اصول قائم کئے جاتے ہیں جن کی تقلید دوسرے مقدمات کے انفصال میں عدالتیں کرتی ہیں[1]۔ ایک دوسرے مقدمہ کے فیصلہ میں اسی فاضل جج نے لکھا ہے کہ وہ جج پر صرف اُس اصول کی پابندی لازم ہے جو فیصلہ سابقہ میں طے ہو گیا ہے۔ یعنے جب سابق کے ججوں کے فیصلے بطور نظیر عدالتوں میں پیش کئے جائیں تو اس زمانہ کے ججوں پر صرف اُن اصول کی پابندی لازم ہے جن کی بنا پر اُن مقدمات کا فیصلہ کیا گیا تھا[2]۔

بہر حال نظیر اور اصول کے صحیح اور مشہور فرق کا وہی مفہوم ہے جو فقرۂ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ عدالتیں اکثر یہ بات کہنے کی عادی ہیں کہ چونکہ امر زیر تصفیہ کے متعلق کوئی سند یا نظیر نہیں مل سکتی اس لئے ہم اصول پر اُس کا فیصلہ کریں گے۔ لہذا جب کبھی کسی جج کی زبان سے اس طرح کا کلمہ نکلے تو سمجھنا چاہئے کہ امر زیر تصفیہ نظیر بنیادی بننے والا ہے۔ ہر ایک امر کے فیصلہ کے لئے

---

[1] بمقدمہ ہیلیٹ چانسری ڈویژن جلد ۱۳ صفحہ ۷۱۲۔
[2] آسبرن بنام رولیٹ چانسری ڈویژن جلد ۱۳ صفحہ ۷۸۵۔

قانون و نظیر کا ملنا اور نہ ملنا ممکن ہے ۔ اگر امر تصفیہ طلب پہلی قسم کا ہے یعنے امر قانونی ہے تو عدالت مقررہ طریقہ سے تجاوز نہیں کر سکتی ۔ اُس کو لامحالہ قانون یا نظیر موجودہ کا اطلاق کرکے اُس امر کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے ۔ لیکن جس صورت میں امر تصفیہ طلب کے لئے قانون و نظیر نہ مل سکتے ہوں تو اُس کو خالص امر واقعاتی خیال کرنا چاہیئے اور عدالت بمجبوری اُس کا اصول کے ذریعہ سے فیصلہ کرتی ہے ۔ یعنے عدالت خود ایک عام قاعدہ بنا کر اُس کا اطلاق اُس امر پر کرتی ہے اور اس طرح جو فیصلہ صادر ہوتا ہے وہ ایسا جدید قانون بن جاتا ہے ۔ جس پر آیندہ عدالتوں کو عمل کرنا لازم ہے ۔ اس کے سوائے امر تصفیہ طلب کی ایک تیسری قسم بھی ہے، یہ نہ امر قانونی ہے اور نہ امر واقعی بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کا تصفیہ نہ قانون و نظیر اور نہ اصول کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے ۔ اس لئے ایسی صورت میں نہ کسی قانون کا اُس پر اطلاق کیا جاتا ہے اور نہ عدالت کوئی جدید قانون بنا کر اُس کا تصفیہ کرتی ہے ۔ بلکہ جو فیصلہ اُس امر کی بابت صادر ہوتا ہے اُس کا اُس مخصوص و منفرد امر سے تعلق ہوتا ہے اس لئے وہ اس طرح کے دوسرے امور کے واسطے نظیر و قانون نہیں بن سکتا[1] ۔

---

[1] ہم نے نظیر اور اصول میں جو فرق تبلایا ہے وہ لفظاً ہر چند سرسری معلوم ہوتا ہے اور یہ مقولہ مہمل اور تعجب خیز معلوم ہوتا ہے کہ فلاں امر کے تصفیہ کے متعلق کوئی قانونی اصول (یعنے قاعدہ و قانون) موجود نہیں ہے اس لئے اُس کا اصول پر تصفیہ کیا جائیگا لیکن حقیقت میں اُس کا منشا کچھ اور ہے ۔ چونکہ اس بیان سے ناظرین کتاب اور طلبا کو غلط فہمی ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے ہم اُس کی صراحت کئے دیتے ہیں ۔ اسٹاچیوٹس (قوانین موضوعہ) کے مفہوم کے متعلق جس قدر فیصلے صادر ہوتے ہیں وہ ہمیشہ عام سمجھے جاتے ہیں اور اس لئے وہ نظائر ہیں ۔ اور اُن کے ذریعہ سے قانون بنتا ہے ۔ یہ تعبیری فیصلے اُسی طرح عام ہیں جس طرح قوانین موضوعہ کا عام قانون سے تعلق ہے اور عدالتیں جن کی تعبیر اپنے فیصلوں کے ذریعہ سے کرتی ہیں ۔

ہرچند عدالتوں کا فرض ہے کہ واقعات کو حتی المقدور اصول کے ذریعہ سے طے کریں - لیکن اُن کو اس امر کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جو اصول وہ کسی ایسے مقدمہ کو فیصل کرنے کے لئے بناتے ہیں وہ اس مقدمہ کی ضرورت سے بڑھنے نہ پائیں - یعنے جس مقدمہ کے لیے جس قدر اصول کی ضرورت ہے اُسی قدر اصول بنا کر اُس کا تصفیہ کرنا چاہیئے - بلا ضرورت زیادہ اصول وضع کرنا یا اُن کے مفہوم کو مقدمۂ زیر تصفیہ کی اغراض کے لئے جس کی کہ اُس کو ضرورت ہو زیادہ وسیع قرار دینا عدالتوں کے واسطے جائز نہیں ہے - اس لئے عدالتوں کے بنا کردہ صرف وہی اصول مستند خیال کئے جاتے ہیں جن کا تصفیہ طلب مسئلہ سے تعلق ہوتا ہے اور جن کا اثر مقدمات زیر تصفیہ تک محدود رہتا ہے - اسی وجہ سے فیصلہ جات عدالت میں نفس مقدمہ کے سوائے جو دوسرے اصول جج لکھدیا کرتے ہیں اُن میں اور صحیح بنا ہائے تجاویز میں فرق کیا جاتا ہے - اور اس طرح کے مسائل و اقوال کے لیے ایک دوسرا لقب تجویز کیا گیا ہے - اصطلاح میں اُن کو اقوال عدالتی یا سبیل تذکرہ (Dicta or obiter dicta) کہتے ہیں - یعنے عدالتوں کی ایسی رائیں یا اصول و مسائل جو نفس مقدمہ سے غیر متعلق سمجھے جاتے ہیں لیکن جج اُن کو اپنے فیصلوں میں بغرض وضاحت و استدلال لکھدیا کرتے ہیں - قواعد بنا کر اُن کا استقرار و اعلان کرنا ججوں کا منصب نہیں ہے - بلکہ یہ کام واضع قانون کا ہے - اس کے برعکس قانون کا اطلاق کرنا عدالتوں کا فرض عین ہے - لہذا قانون کا اطلاق کرنے کے بغیر عدالتیں جن اصول و قواعد کا استقرار و اعلان کرتی ہیں وہ قابل سند

تنقیح طلب شبہ پیدا ہو گیا تھا - چنانچہ جب کسی قانون موضوعہ کے مفہوم کی نسبت پہلے پہل شبہ پیدا ہو کر اُس کی تعبیر عدالت کی جانب سے کیجاتی ہے تو وہ استفسار یا سوال انفرادی خیال کیا جاتا ہے - اور جب اُس کا تصفیہ ہو جاتا ہے تو وہی فیصلہ امر قانونی سمجھا جاتا ہے اور آیندہ زمانہ کے لئے اُس کی تعبیر لی جاتی ہے -

نہیں مانے جاتے ہیں اور اس لئے وہ نظیر نہیں بن سکتے۔

فصل ۱۵ ماخذ ہائے اصول انفصال

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عدالتوں کے ان جدید اصول یا بنا ہائے فیصلہ جات کی ماخذ جن سے قانون ملک میں اضافہ کیا جاتا ہے کون چیزیں ہیں؟ اس کا صحیح جواب اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ انصاف فطرت عملی ضرورت اور عقل سلیم ایسے موقعوں پر عدالتوں کی شمع ہدایت بنجاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عدل گستری کی غرض سے ججوں کا تقرر کیا جاتا ہے عدل گستری سے مراد وہ عدل و انصاف ہے جو قانون کے مطابق ہو اور جہاں تک قانون اس کی اجازت دیتا ہو۔ لیکن جب کسی امر کے تصفیہ کے متعلق قانون ساکت رہے تو اس صورت میں ججوں کو فطرت کے مطابق انصاف کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے جس کسی مضمون میں قانون ملک ناقص سمجھا جاتا ہے اس کی تکمیل قانون فطرت کے ذریعہ سے کر لی جاتی ہے۔ اور اس ذریعہ سے قانون فطرت کی اصلی شان ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن ہر ایک انسان کا قواعد انصاف فطرت سے واقف ہونا ناممکن ہے۔ جو ہدایت کہ آدمی کو اس کی فطرت یعنے اس کا نفس کرتا ہے اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ہر ایک شخص میں قابلیت نہیں ہوتی۔ اس بنا پر عدالتیں بھی بیرونی ذرائع سے ہدایت پانے کے بغیر محض اپنی عقل و ضمیر کی رہنمائی پر اکتفا نہیں کر سکتی ہیں اور تصفیۂ حقوق و فصل خصومات کے متعلق جب انہیں قانون ملک سے جس میں نظائر بھی شامل ہیں مدد نہیں ملتی تو وہ خارجی ذریعوں سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتی اور اپنے خیالات انصاف و معدلت کو قوی و مستحکم بناتی ہیں۔ بہرحال جدید اصول کے قائم کرنے میں نظائر ترغیبی سے بھی ججوں کو بہت مدد ملتی ہے حالانکہ ان نظیروں کی قانون کی سی تاثیر نہیں ہے۔ بعض وقت ممالک غیر کے قانونی نظامات اور وہاں کے نظائر انگریزی عدالتوں کے خیالات پر اثر ڈالنے کا نہایت اچھا ذریعہ

ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو اصول کسی ملک غیر کی نظیر میں طے ہوتا ہے وہ عموماً مستحسن سمجھا جاتا ہے اور اس لئے ایک ملک کی عدالت دوسرے ملک کے کسی منصفانہ اور معقول اصول کے قبول کرنے میں جو قانون یا نظیر کے ذریعہ سے قائم کیا گیا ہو ہیں و پیش نہیں کرتی۔ اسی طرح عدالتیں نظائر ترغیبی ججوں کے اُن اقوال اور آراء کو جو انھوں نے بر سبیل تذکرہ اپنے فیصلوں میں ظاہر کیا ہے، درسی کتب قانون کے مصنفین کی رائیں اور دیگر اخلاقی اور قانونی مسائل پر غور کرتی اور اُن کا لحاظ کرتی ہیں۔ یہی چیزیں انفصال مقدمات کے اُن جدید اصول کے ماخذ ہیں جن کو حکام عدالت اپنے دماغ سے قائم کر کے اُن کا اطلاق تصفیۂ مقدمات میں کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ جدید اصول انفصال کے بنانے کا ایک دوسرا نہایت اہم ذریعہ اور ماخذ ہے جس کو اصطلاح میں مشابہت و مماثلت قانون سابقہ کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر تقریباً ہر ایک ملک میں قانون جدید اور قانون قدیم میں بہت ہی کم فرق پایا جاتا ہے۔ اصل میں قدیم قوانین کو وسیع کر کے جدید قوانین بنائے جاتے ہیں اور قانون موجودہ کو قانون سابقہ کا سلسلہ سمجھنا چاہیئے۔ جو غرض و غایت قدیم قانون کی ہوتی ہے اُسی مقصد اور اُسی ضرورت سے حالیہ قانون بنایا جاتا ہے۔ لہذا جدید قانون اور قواعد کے بنانے میں عدالتیں یہی کوشش کرتی ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو اُن کے بنائے ہوئے جدید اصول و قوانین میں قدیم قانون کی جھلک اور تاثیر رہے اور قانون موجودہ کی وہی غرض و غایت ہو جس کی وجہ سے قانون سابقہ بنایا گیا تھا۔ اس اثر و مقصد کو باصطلاح قانون روما بنائے وضع قانون (Ratio juris) کہتے ہیں۔ اس طرح ہر ایک ملک کے نظام قانون میں جو مختلف زمانوں میں مختلف ذرائع سے بنا کرتا ہے از ابتدا تا انتہا مطابقت پیدا ہوتی ہے اور تمام ممالک میں ایک ہی اصول کا قانون رائج ہو جاتا ہے اور جس کی ترقی کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پاتا۔ اگرچہ مشابہت قانون کی خوبیوں سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن صرف انصاف فطرت کی صورت میں عدالتیں اُس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہیں اور زیادہ تر یہ طریقہ اُن کی صوابدید پر منحصر رکھا گیا ہے اور بمقتضائے انصاف

اگر عدالت کو حصول انفصال قائم کرتے وقت بنائے قانون سابقہ سے تجاوز کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو وہ مقصد قانون قدیم کو نظرانداز کرنے کی مجاز ہے۔

یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے کہ عدالتیں امور واقعاتی کو بذریعۂ اصول فیصلہ کرتی ہیں کبھی علانیہ اس امر کو تسلیم نہیں کرتی ہیں کہ انھوں نے اصول کے سوائے دیگر خیالات اور امور سے مدد لی ہے۔ لیکن درحقیقت اکثر اوقات وہ اس طرح کے واقعات کے تصفیہ میں انصاف فطرتی اور عام حکمت عملی (مصلحت عامہ) کے اصول و قواعد اور ضرورتوں کو پیش نظر رکھکر انھی پر کاربند ہوتی ہیں۔ جس نظام قانون میں جس قدر اخلاقی امور کا لحاظ کیا جاتا ہے اور اخلاق کو اصطلاحات قانون کے مفہوم و مقاصد پر ترجیح دی جاتی ہے اُسی قدر اُس نظام کے قانون نظائری میں عقل و انصاف اور رواداری کی روح موجود رہتی ہے۔ اگر ایسا ہو تو فیصلہ جات عدالت اور عدالت کی روزمرہ کارروائیوں میں فرق کرنا مشکل ہوجائے گا۔ کیونکہ موخرالذکر کارروائیاں محض قانون اور مقررہ طرز عمل پر منحصر ہوتی ہیں اور اس لئے اُن میں انصاف و اخلاق کا زیادہ لحاظ نہیں کیا جاتا۔ برایں ہمہ جج صاحبان اپنے فیصلوں میں اس امر کے اقرار کرنے سے کہ ان پر اخلاق کا بھی اثر پڑتا ہے احتراز کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق کسی نے کیا خوب لکھا ہے کہ جن خیالات کا قانون و اصول سے زیادہ ججوں پر اثر پڑتا ہے اور جن کا وہ اپنے فیصلوں میں شاذونادر ہی اظہار کرتے ہیں اور اگر کبھی کوئی جج اپنی تجویز میں اُن کا ذکر بھی کرتا ہے تو اُس کے لئے معذرت کی جاتی ہے وہی اصل میں قانون ملک کی بقا اور ترقی کا راز ہیں[1]۔ نظائر کے متعلق جو فرضی استقراری نظریہ ہے وہی ججوں کی اس خاصیت کا محرک اور سبب اصلی ہے۔ اس نظریہ نے جو روایت قائم کردی ہے اُس کی وجہ سے فیصلے اس طرز سے لکھے جاتے ہیں اور اُن میں اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ اُن سے اس امر کا پتہ نہیں چل سکتا کہ جج نے اپنی

[1] قانون غیر موضوعہ مولفۂ ہومز صفحہ ۳۵۔

تجویز کی بنا اخلاق کو قرار دی ہے - بہر حال جبتک جج صاحبان تصنع سے باز نہ آئیں گے اور اس امر کی کوشش کرتے رہیں گے کہ اُن کے فیصلوں کا منشا محض قانون قدیم و موجودہ کا استقرار و اعلان کرنا ہے اُس وقت تک وہ کسی موزوں اور معقول طریقہ سے اُن اصول کا اظہار نہیں کر سکتے جن سے وہ اپنے جدید اصول بنانے میں فی الواقع مدد لیتے اور جن کو ان دوسرے اصول کے لئے نمونہ قرار دیتے ہیں۔

فصل ۶۹ - فرائض جج و جوری

چونکہ جج و جوری کے فرائض کے فرق سے اُس نظریہ میں جو نظائر کے متعلق ہے ایک قسم کی دشواری پیدا ہوتی ہے اس لئے اس فصل میں اُس دشواری کا حل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان فرائض کے متعلق جو مقولہ ہے وہ یہ ہے - جوری کا کام امور واقعاتی کو اور جج کا فرض امور قانونی کو فیصل کرنا ہے - لیکن ہم نے اس باب کی کسی ایک فصل میں نظائر کی اُس قسم کو بیان کیا ہے جو نظائر بنیادی کہلاتی ہیں اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس طرح کے نظائر اصل میں امور واقعاتی کے فیصلے خیال کئے جاتے ہیں اور آیندہ کے لئے وہی واقعات جو اُن فیصلوں کے ذریعہ سے منفصل ہوتے ہیں امور قانونی بنجاتے ہیں۔ لہذا اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان نظائر کے موجد کون ہیں؟ کیا ججوں کے عوض اُن کا بانی جوریوں کو سمجھنا چاہئے؟ اس میں شک نہیں کہ ان فیصلوں کو نہ جوریوں نے لکھا اور نہ اُن کو وہ لکھ سکتے ہیں۔ اصول کے ذریعہ سے کسی امر واقعی کا فیصلہ کرنا جوری کے فرائض میں داخل نہیں ہے - بلکہ جوری کا کام (واقعات) کا فیصلہ کرنا نہ کہ اُن کے متعلق استدلال کرنا ہے - واقعات کی بابت جوری کا فیصلہ مخصوص منفرد اور اصلی و مادی ہوتا ہے - اس کے برعکس جج کا فیصلہ عام اور مجرد ہوتا ہے - اسی خاص اور اہم فرق کے باعث جج اور جوری کے فرائض میں اختلاف پایا جاتا ہے - جج امور واقعی کو بصورت امکان اصول کے ذریعہ سے فیصل

کرتا ہے۔ یعنے عدالتیں بنائے تجاویز قرار دے کر اُن پر اپنے فیصلوں کو مبنی کرتی ہیں یہ فیصلہ جات عدالت کا اثر عوام پر پڑتا ہے۔ وہ مجرد اور عام نہ کہ مخصوص منفرد ہوتے ہیں۔ یعنے جوری کے فیصلوں کا اثر مخصوص اشخاص اور مخصوص منفرد واقعات تک محدود رہتا ہے اور اُس سے آگے بڑھنے نہیں پاتا۔ یہی سبب ہے کہ جج کا فیصلہ نظیر بنتا ہے اور جوری کی تجویز نظیر نہیں ہو سکتی۔ اچھا تو ایسی مخلوط عدالتوں میں جن میں مقدمات کی تحقیقات اور سماعت جج اور جوری مل کر کرتے ہیں اور جہاں جوری کے فرائض میں واقعات پر فیصلہ کرنا داخل اور جج کا کام امور قانونی کا تصفیہ کرنا خیال کیا جاتا ہے، ججوں کو نظائر کے قائم کرنے اور اُن کے ذریعہ سے جدید قانون بنانے کا کیونکر موقع ملتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن تصفیہ طلب امور کی بابت قانون بہ صراحت ہو سکتا ہے یا جن پر قانون کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اُن کا فیصلہ کرنا جج کا فرض ہے۔ اچھا جن امور پر قانون کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیا انھیں محض ایسے واقعات سمجھنا چاہئے جن کا تصفیہ کرنا جوری کا کام ہے اور اس لئے نہ جج اُن کا فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ اُس فیصلہ کو نظیر بننے کا موقع مل سکتا ہے؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ تمام امور قانونی کو فیصل کرنا جج کا منصب ہے لیکن تمام امور واقعی کا تصفیہ جوری کے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ چنانچہ بعض نہایت اہم واقعات کا جانچنا اور اُن کو فیصل کرنا جج سے متعلق کیا گیا ہے اور اس طرح کے امور واقعاتی کے تصفیوں میں ججوں کو قانون بنانے کا موقع ملتا ہے مثلاً جوری کے ذریعہ سے کبھی کسی قانون موضوعہ یا کسی دستاویز کی تعبیر نہیں کرائی جاتی۔ بلکہ اس قسم کے قانون کی تاویل و تعبیر کرنا ججوں کے خاص فرائض میں داخل ہے۔ بہر حال جبتک کسی قانون موضوعہ یا کسی دستاویز کے متعلق کوئی نظیر موجود نہو یعنے کسی عدالتی فیصلہ کے ذریعہ سے اُس کی تاویل نہ کی گئی ہو اُس وقت تک وہ قانون اور دستاویز بلحاظ مطلب و مفہوم محض امور واقعی خیال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر اُن نظائر کی سب سے زیادہ تعداد ہے جو قانون موضوعہ کی تاویلات پر مبنی ہیں۔ جج اور جوری کے فرائض کے متعلق اس مقام پر ایک

عام قاعدہ بیان کیا جاتا ہے اور اگرچہ یہ دونوں گروہ بغیر کسی مزاحمت اور کاوش باہمی کے اس پر عمل کرتے ہیں لیکن اس کا باضابطہ طور پر اظہار نہیں کیا جاتا۔ ججوں کی عادت ہے کہ جن امور کا بذریعۂ اصول وہ اپنی ذات سے فیصلہ کر سکتے ہیں اُن کو وہ جوری کے تفویض کرنا پسند نہیں کرتے۔ چونکہ جج ایسے امور واقعاتی کو بذریعۂ اصول فیصل کرتا ہے اس لئے وہ نظیر سمجھا جاتا اور اس کے ذریعہ سے نیا قاعدہ اور قانون بنتا ہے۔ ازبسکہ جج کا کام امور قانونی کو فیصل کرنا ہے اور اس طرح کا سوال تصفیہ کے لئے جوری کے حوالہ نہیں کیا جاتا اس لئے وہ امر قانونی قرار پاتا ہے اور جج کے ذریعہ سے اس کا انفصال ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ فیصلۂ عام سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف ایسے امور واقعی جوری کے تفویض کئے جاتے ہیں جن کا بذریعۂ اصول فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے وہ فیصلے جن کو جوری صادر کرتی ہے خاص اور منفرد ہوتے اور نظیر نہیں بن سکتے ہیں[۱]۔

ہم نے فقرۂ بالا میں ایک عام قاعدہ کے تذکرہ کے بعد بیان کیا ہے کہ اگرچہ اس پر عمل تو کیا جاتا ہے لیکن حکام عدالت علانیہ اس کا اعتراف نہیں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظائر کے متعلق جو استقراری نظریہ ہے اس کی بنا پر ججوں کو قاعدۂ مذکور سے انحراف کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جج اور جوری کے فرائض ظاہری کے لحاظ سے ابھی تک اس نظریہ پر یہ دونوں گروہ شد و مد سے عمل کرتے ہیں۔ لیکن جن صورتوں میں جج اور جوری کا مقابلہ آن پڑتا ہے اُن میں واقعات ایک مفروضۂ قانونی کی بنا پر قانون خیال کئے جاتے ہیں اور اس لئے اُن کا تصفیہ جوری نہیں بلکہ جج کرتا ہے۔ امور واقعی کو بطور دفع دخل امور قانونی فرض کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح اُن

---

[۱] امور قانونی کے پردہ میں جج صاحبان جن امور واقعی کو فیصل کرتے ہیں اُس کے متعلق مجھ ناچیز نے چند خیالات کا اپنی کتاب موسوم بہ رسالۂ ابتدائی قانون شہادت صفحات ۲۰۳ و ۲۳۰ و ۲۴۹ میں اظہار کیا ہے اور وہ قابل دید ہیں۔

واقعات کی جو حیثیت بعد فیصلہ قرار پانے والی تھی وہ قبل فیصلہ تسلیم کر لی جاتی ہے یعنے جج واقعات کو قبل انفصال قانون مان کر تصفیہ کرتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک مکمل نظام قانون میں امور واقعاتی، امور قانونی خیال کئے جاتے ہیں اس لئے کہ جن اصول و قواعد پر اُن کا فیصلہ ہو سکتا ہے وہ پہلے سے ہی نظائر کے ذریعہ سے طے شدہ رہتے ہیں۔ لہذا اُن ملکوں میں جن کا قانون مکمل و ترقی یافتہ ہے ججوں کے خیال میں واقعات کی قبل انفصال قانون کی سی شان ہوتی ہے۔ فیصلہ کے بعد امور واقعاتی کی جو حالت ہونی چاہیئے اُس کو وہ لوگ پہلے سے قرار دے رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس طرح کے نظامات قانون میں امور واقعاتی کا فیصلہ جن میں ایسے واقعات شامل نہیں ہوتے جن کا تصفیہ بذریعۂ اصول کیا جاتا ہے جوری سے اور امور قانونی کا انفصال جج سے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ اور جج ان امور کا فیصلہ کرنے سے جو قانون کے ذریعہ سے طے نہیں پائے ہیں جوری کے اختیارات میں دخل نہیں دے سکتا۔

خلاصہ

نظائر { استقراری۔ شہادت قانون قدیم۔
بنیادی۔ ماخذ ہائے قانون جدید۔

نظریۂ نظائر استقراری

نظائر { واجب التعمیل۔
ترغیبی۔

{ فیصلہ جات عدالت ہائے غیر۔
فیصلہ جات دیگر حصص سلطنت برطانیہ۔
فیصلہ جات پریوی کونسل۔
عدالتوں کی رائیں جن کا فیصلوں میں بر سبیل تذکرہ اظہار کیا جاتا ہے۔

نظائر { نظیر واجب التعمیل { فیصلہ جات عدالت بالادست۔
فیصلہ جات دارالامرا۔
فیصلہ جات عدالت مرافعہ۔
نظیر مشروط۔ دیگر تمام نظائر۔
نظیر کو نہ ماننے کے اسباب۔
۱۔ فیصلۂ غلط { خلاف قانون
خلاف عقل۔
۲۔ نظیر کے قبول نہ کرنے سے قانون ملک درہم برہم نہیں ہو سکتا۔
نظائر پر مرور زمانہ کا اثر۔
فرق مابین ابطال و نامنظوری نظیر۔
نظائر کے ذریعہ سے قانون بنایا نہ کہ منسوخ کیا جاتا ہے۔
اس قاعدہ سے مستثنیات۔
نظائر کو واجب التعمیل ماننے کے اسباب۔
تدریجی ترقی کے ساتھ واقعات کا قانون میں تبدیل ہونا۔
بناہائے تجاویز۔
اصول اور نظیر کے ذریعہ سے امور تصفیہ طلب کو فیصل کرنا۔
فرق مابین فیصلہ جات عدالت و آراجن کو عدالتیں بر سبیل تذکرہ اپنے فیصلوں میں لکھا کرتی ہیں۔
ماخذ ہائے اصول انفصال۔
فرائض جج و جوری۔

دسواں باب

حقوق قانونی

فصل ۷۱ افعال ناجائز

ابتک ناظرین کتاب اس امر سے بخوبی آگاہ ہوگئے ہونگے کہ قانون اصلی اُن اصول سے بنتا ہے جن پر سلطنت عدل گستری کرنے میں عمل کرتی ہے اور عدل گستری دو چیزوں پر مبنی ہے ایک سلطنت کا اپنے شخصی جبر سے حقوق کی تعمیل کرانا اور دوسرا یا مالی حقوق کی پاداش میں مرتکبین کو سزا دینا۔ ازبسکہ حق اصول قانون کا ایک اہم موضوع لہ ہے اور اس کے مفہوم سے کماحقہ واقف ہونا ہر ایک شخص کے لئے لازم ہے لہٰذا اس باب میں ہم اس اصطلاح کی تشریح کرکے اس میں اور اس کے مترادف الفاظ کے مفہوم میں جو فرق ہے اُس کو دکھلانا چاہتے ہیں لیکن لفظ حق کی تعریف کرنے کے پہلے دو سری دو اصطلاحوں کی یعنے فعل ناجائز (جُرم) اور فرض کی تعریف کرنا جو اس سے بہت زیادہ مشابہ ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے فعل ناجائز سے مراد محض ناجائز فعل ہے یعنی ایسا فعل جو کسی حق وانصاف کے قاعدہ کے خلاف کیا جائے۔ اس کا مرادف لفظ فعل خلاف قانون (Injury) ہے جو مشتق ہے (Injuria) سے اور انجوریا کے ابتدا میں یہی معنی تھے یعنے ایسا فعل جو خلاف جس (Jus) یعنے خلاف قانون ہو لیکن مرور زمانہ سے انجری کے معنی بدل کر اب عرف میں اُس کا مفہوم ضرر اور نقصان ہوگیا ہے۔ اور اب (انگریزی زبان میں انجری یعنے) ضرر کا اطلاق جائز اور

ناجائز دونوں قسم کے ضرر کے لئے کیا جاتا ہے اور اس امر کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا کہ اُس کا پہنچانے والا انسان ہے کہ غیر انسان۔

بلحاظ حقوق فعل ناجائز یا ضرر کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ ایک ایسا فعل جو از روئے اخلاق اور دوسرا ایسا فعل جو از روئے قانون ناجائز سمجھا جائے۔ اخلاقی اور فطرتی فعل ناجائز سے مراد ایسا فعل ہے جو اخلاقاً اور فطرتاً ناجائز سمجھا جائے یا جو انصاف فطرتی کے کسی قاعدہ کے خلاف سرزد ہو۔ قانونی فعل ناجائز سے مراد ایسا فعل ہے جو خلاف قانون ہو یعنے انصاف قانونی کے خلاف کیا جائے اور اُس کی وجہ سے قانون ملک کی پامالی ہوتی ہو۔ چونکہ ایک نہ ایک قاعدہ کی رو سے اس طرح کا فعل ناجائز قرار دیا جاتا ہے اس لئے اغراض معدلت کی بنا پر سلطنت اُن افعال کو افعال ناجائز خیال کرتی ہے۔ لیکن جو فعل سلطنت کے نزدیک ناجائز سمجھا جاتا ہے اکثر صورتوں میں وہ فی الواقع اور بہ لفسہٖ ناجائز نہیں ہو سکتا اور اس مقولہ کا عکس یعنے اخلاقی ناجائز فعل کا قانوناً جائز اور ناجائز ہونا ممکن ہے۔ جس طرح انصاف فطرت اور انصاف قانون سے دو ائرمتداخلہ بنتے ہیں اسی طرح اخلاقی ناجائز فعل ایک حد تک قانونی ناجائز فعل میں داخل سمجھا جاتا ہے یعنے بعض اخلاقی ناجائز افعال از روئے قانون ناجائز متصور ہوتے اور بعض نہیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض قانونی ناجائز افعال کو سوسائٹی اخلاقاً ناجائز مانتی اور بعض کو نہیں مانتی ہے۔ قانون اور حقیقت میں جو اس طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ بعض قانونی ناجائز افعال کو انسان عمداً ناجائز نہیں سمجھتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جن ملکوں میں قانون کی قدیم زمانہ سے ترقی ہو رہی ہے وہ تکمیل کو نہیں پہنچی ہے۔

بہرحال جو افعال از روئے قانون ناجائز سمجھے جاتے ہیں سلطنت اپنے جبر اور قوت سے ان کا انسداد کرتی ہے اور جہاں مجرمین کو سزا دینے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں وہ اُس آلہ سے کام لیتی ہے اور اسی خاص غرض کے

پورا کرنے کے لئے سلطنت میں عدالتیں قائم کیجاتی ہیں۔ لیکن ہم آیندہ چل کر اس بات کو ثابت کریں گے کہ ہر ایک فعل کو ناجائز قرار دینے کے لئے سلطنت کا جبر و سزا سے کام لینا صحیح معیار نہیں قرار پا سکتا بلکہ افعال ناجائز کو مسدود کرنے کے اور طریقے بھی بتلائے گئے ہیں۔ بہر حال جبتک از روئے قانون کوئی فعل ناجائز نہ قرار دیا جائے ناجائز نہیں ہوسکتا اور یہی اُس کا معیار ہے اگرچہ انسداد اور سزا کے فعل ناجائز کے نتائج میں شمار کیا جاتا ہے لیکن فعل کو ناجائز قرار دینے کے لئے یہ چیزیں معیار نہیں ہوسکتیں۔ فعل جس کے ذریعہ سے انصاف قانونی کا خون ہو ناجائز ہے۔

فصل ۱۲ فرائض

فرض سے مراد فعل واجب ہے یعنے ایسا فعل جس کا بجا لانا لازم کیا گیا ہے اور اس کا مقابل فعل ناجائز ہے جس کا نہ کرنا واجب ہے۔ چنانچہ فرائض اور افعال ناجائز لازم و ملزوم الفاظ ہیں۔ ارتکاب فعل ناجائز سے انسان اپنے فرض کی خلاف ورزی کرتا ہے اور فرض کے بجا لانے سے وہ فعل ناجائز کے ارتکاب سے باز رہتا ہے۔ فرض کا مرادف ذمہ ہے اور وہ بھی جبکہ اُس کے وسیع معنی لئے جائیں حالانکہ اس دوسرے لفظ کا ایک مخصوص اور اصطلاحی مفہوم ہے جو ایک خاص قسم کے فرض پر دلالت کرتا ہے اور جس کے متعلق ہم آیندہ بیان کریں گے۔

فرائض کی بھی مثل افعال ناجائز کے دو قسمیں ہیں اخلاقی اور قانونی اخلاقی یا فطرتی فرض ایسے فعل کو کہتے ہیں جس کا مقابل یا جس کی ضد اخلاقی یا فطرتی فعل ناجائز ہو اور فرض قانونی سے مراد وہ فعل ہے جس کا عکس قانونی فعل ناجائز سمجھا جاتا ہے بہر حال جس فعل کو سلطنت نے باغراض معدلت از روئے قانون فرض قرار دیا ہو وہ فرض ہے۔ ہر چند اخلاقی اور قانونی فرائض میں بظاہر فرق معلوم ہوتا ہے لیکن بعض صورتوں میں ان میں اختلاف کرنا نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو فعل قانوناً فرض سمجھا جاتا ہے وہ اخلاقاً فرض نہیں ہوسکتا اور کبھی اس کا

برعکس صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ یعنے جو بات از روئے اخلاق فرض متصور ہوتی ہے وہی بات قانون میں فرض نہیں خیال کیجاتی اور بعض اشکال ایسے پیش آتے ہیں جن میں ایک ہی قسم کے افعال اخلاقاً اور قانوناً دونوں طرح سے فرض قرار پاتے ہیں۔

جب قانون کسی فعل کو فرض قرار دیتا ہے تو عموماً اُس فعل کی بجبر تعمیل کرائی جاتی ہے ۔ اور جو شخص اُس کی بجا آوری کا لحاظ نہیں کرتا اُس کو سزائے قانونی بھگتنی پڑتی ہے لیکن بعض مخصوص خلاف ورزی اور عدم تعمیل کے اشکال میں سزا کے بیان کرنے سے قانون ساکت رہتا ہے ۔ فرض قانونی اس لئے قانونی فرض سمجھا جاتا ہے کہ اُس کو قانون ملک تسلیم کرتا ہے اور نہ اس وجہ سے اُس کو فرض قانونی ماننا چاہیئے کہ از روئے قانون اُس کی تعمیل کرائی جاتی ہے یا بصورت عدم تعمیل قاصر اور خاطی کو سزائے قانونی دی جاتی ہے ۔ ان کے علاوہ بعض ایسے قانونی فرائض ہیں جن کو ناتکمل وجوب یا ذمہ داریاں کہتے ہیں اور جن کا بیان اس کے بعد آئے گا ۔

فصل ۱۲ ۔ حقوق

حق ایسے مفاد یا نفع کو کہتے ہیں جو کسی قانون حق کی رو سے تسلیم کیا جائے اور جس کی اُس قاعدہ و قانون کے ذریعہ سے حمایت کی جاتی ہے ۔ یہ ایسے مفاد و مقصد جس کا لحاظ کرنا فرض کیا گیا ہے اور جس سے بے پروائی کرنا ممنوع یا فعل ناجائز سمجھا جاتا ہے ۔

ایک انسان کے افعال سے دوسرا انسان متاثر ہوتا ہے اور افعال کو حق و ناحق، منصفانہ اور غیر منصفانہ کہنے کا سبب یہی ہے کہ اُن کا اثر آدمی کی صلاح و فلاح پر پڑتا ہے یعنے افعال کے ذریعہ سے انسان کی حیات، آزادی، صحت، نیکنامی اور اُس کے مال و متاع کو نفع و نقصان پہنچتا ہے ۔ اگر ایک شخص کے فعل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے تو وہ کام جائز، برحق اور منصفانہ کہلاتا ہے ۔ اسی طرح جن افعال سے انسان کے فوائد کو ضرر پہنچتا ہے

وہ افعال ناجائز اور نامنصفانہ کہلاتے ہیں۔ لیکن جس شخص کے رویہ اور چال چلن سے دوسروں کے فوائد اور اغراض پر اچھا یا بُرا کسی قسم کا اثر نہیں پڑ سکتا اُس کی رفتار و کردار کے لئے قانون اور اخلاق میں کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا ہے۔

لہذا ہر ایک فعل ناجائز کے ارتکاب سے ایک نہ ایک قسم کے انسانی فائدہ یا غرض کو نقصان پہنچتا ہے اور اسی طرح ہر ایک انسانی فائدہ کی حمایت اور حفاظت ایک ایسے فرض کے ذریعہ سے کی جاتی ہے جس کا اُس فائدہ سے تعلق ہوتا ہے۔ بہر حال اس مقولہ کا عکس صحیح نہیں ہے کیونکہ ہر ایک قسم کا نقصان جو انسانی اغراض و فوائد کو پہنچتا ہے وہ قانون اور حقیقت میں فعل ناجائز نہیں ہو سکتا اور ہر ایک فائدہ کی حفاظت قانون اور اخلاق سے فرض نہیں کی گئی ہے چنانچہ اکثر فوائد (و اغراض انسانی) حقیقت میں تو موجود رہتے ہیں لیکن قانون میں اُن کا وجود تسلیم نہیں کیا جاتا اور بہت سے ایسے اغراض ہیں جن کی ہستی قانون میں تسلیم کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں وہ معدوم سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے جن اغراض کی ہستی قانون میں تسلیم نہیں کی جاتی عقل و انصاف کی جانب سے اُن کی حفاظت و حمایت بھی نہیں ہوتی اور نہ اُن کی پامالی فعل ناجائز متصور ہوتی ہے۔ بلکہ اُن فوائد کے قائم رکھنے کے لئے اُن سے متعلق فرائض تک نہیں قرار دئے جاتے۔ چونکہ آدمیوں کے اغراض و فوائد متضاد ہیں اس لئے قانون میں تمام اغراض انسانی کا جائز سمجھا جانا ممکن نہیں اور اس بنا پر انصاف کی نظر میں بعض اغراض انسانی قابل حمایت اور بعض ناقابل التفات سمجھے جاتے ہیں۔

عقل اور انصاف کی رو سے جن مفاد انسانی کو تسلیم کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور جن کی حفاظت کی حمایت لازم خیال کی جاتی ہے وہ حقوق کہلاتے ہیں۔ یہ عام اصول ہے۔ کہ انسان جس شئے پر حق رکھتا ہے اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ لیکن بعض حالتوں میں شئے پر حق رکھنے کے بغیر

آدمی اُس سے متمتع اور مستفید ہو سکتا ہے لہذا اس بیان سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ انسان کی غرض اور نفع صرف اُسی صورت میں حق متصور ہو گا جبکہ اُس فائدہ کی حفاظت و حمایت کی غرض سے دوسرے شخص پر ایک فرض عائد کیا گیا ہو یعنے حق اُس نفع اور تمتع کو کہتے ہیں جس کو پامال کرنا فعل ناجائز سمجھا جاتا ہے۔

چونکہ ہر ایک حق کی بنا ایک قاعدے اور قول برحق پر رکھی گئی ہے اس لئے ماخذ کے نام کی مشابہت اور مناسبت سے اُس کا لقب حق قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً اس جملہ کا مطلب کہ فلاں شئے پر میرا حق ہے یہ ہے کہ میرے لئے اُس چیز کو رکھنا برحق یعنے جائز ہے۔ ہر ایک شخص اپنے حق سے کامل طور پر مستفید ہونے کا مستحق ہے، اُس حق کے کسی جزو کو دوسرا شخص مٹانے کا مجاز نہیں ہے بلکہ سارے کا سارا حق اُس محق یا حقدار کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہے اسی طرح اُس ناجائز فعل یا ضرر کا پورا اثر جس کے پہنچنے سے کسی شخص کے مقاصد و فوائد کو نقصان ہوتا ہو ضرر رسیدہ پر پڑتا ہے اور وہ تمام فعل متضرر کے مقابلہ میں فعل ناجائز یا ضرر خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ونڈشیڈ نے کیا خوب کہا ہے کہ "جو شخص حق پر ہو اُسی کو حق (قانونی) ملتا ہے" یعنے حق بحقدار رسد۔

افعال ناجائز اور فرائض کے مانند حقوق کی بھی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں حقوق قانونی اور حقوق اخلاقی انصاف فطرت کی رو سے جس مفاد کو حق سمجھا جائے اور جس کی حفاظت کی گئی ہو وہ اخلاقی یا فطرتی حق ہے یعنے ایسا فائدہ ہے جس کا برباد کرنا اخلاقی فعل ناجائز سمجھا جاتا ہے اور جس کی حفاظت اخلاقی فرض کے ذریعہ سے کیجاتی ہے۔ اس کے برعکس حق قانونی اُس مفاد کو کہتے ہیں جس کو انصاف قانونی نے تسلیم کیا ہو، جس کی حفاظت کے لئے اُس کی جانب سے کوئی قاعدہ وضع کیا گیا ہو کہ جس کا مٹانا یا پامال کرنا فعل ناجائز سمجھا جاتا ہو، اور اُس کے قائم اور محفوظ رکھنے کے لئے فرض قانونی قرار دیا گیا ہو۔ بقول اہرنگ حقوق اُن مفاد اور منافع کا نام ہے جن کی

حمایت کے لئے قانون نے ایک سپر تیار کی ہو"[1]

بینتھم پہلا شخص ہے جس نے قانونی حقوق کے سوائے دوسرے کسی اور قسم کے حق کے ماننے سے انکار کیا ہے اور اُس کی تقلید میں دوسرے علمائے قانون کو بھی جن کا شمار متاخرین میں کیا جاتا ہے حق اخلاقی اور حق فطرتی کے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ اس گروہ کے خیال میں حقوق کا ماخذ صرف قانون ہو سکتا ہے[2] اس کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے حق کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہے چنانچہ بینتھم لکھتا ہے کہ "قانون فطرت اور حقوق فطرتی دو بے بنیاد اور فرضی چیزوں کا نام ہے اور ان کو ایک قسم کا افسانہ یا استعارہ سمجھنا چاہیئے گو ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے لیکن متقدمین نے ان کی نسبت وضع قوانین کی کتابوں میں صفحوں کے صفحے سیاہ کر دئے ہیں اور اس لئے اگر ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ امتحان کیا جائے اور اُس پر جداگانہ بحث کیجائے تو مناسب ہوگا۔ ۔ صحیح طور پر جن حقوق کو حقوق کہہ سکتے ہیں وہ اصل میں اُس قانون سے پیدا ہوتے ہیں جس کو قانون کہنا صحیح اور جائز ہے یعنے قوانین حقیقی سے حقوق حقیقی پیدا ہوتے ہیں اور ان کے برعکس حقوق فطرتی کا ماخذ قانون فطرت ہے۔ اس دوسری قسم کے حق کو استعارتاً حق کہا جاتا ہے۔ اور اس استعارہ کی بنا ایک دوسرا استعارہ ہے" مگر بینتھم کی رائے اب متروک ہوگئی ہے اور جو اعتراضات کہ اس نظریہ پر کئے گئے ہیں اُن میں سے اس مقام پر صرف اسپنسر کا قول نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے[3] کہ "اکثر مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں کے مقننین نے نہایت حقارت سے حقوق فطرتی کی نسبت انکار کیا ہے اور اُن کا یہ یقین کامل ہے کہ

---

[1] (Geist. D. R. III.) صفحہ ۳۳۹ طبع چہارم۔

[2] نظریۂ وضع قانون مولفۂ بینتھم مترجمۂ (Dumont. Hildreth) طبع ہشتم از صفحہ ۸۲ تا صفحہ ۸۴۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو تصنیفات بینتھم جلد سوم صفحہ ۲۲۱۔

[3] اصول اخلاق جلد ۲ صفحہ ۶۳۔

حقوق قانونی کے سوا دوسرے کسی قسم کے حق کا ہونا ممکن نہیں - قانون محض ایک ایسی شئے ہے جس کے ذریعہ سے حقوق عطا کئے جاتے ہیں - باتباع بینتھم ان لوگوں کا بھی بیان ہے کہ سلطنت کے سوائے کوئی اور شئے حقوق کی موجد اور بانی نہیں ہوسکتی"

اگر ہم اس مقام پر اس نظریہ کے متعلق تفصیل سے بحث کریں تو نہ صرف مضمون کو طول ہوگا بلکہ ہم کو بہت سی باتیں اخلاق کے متعلق بیان کرنی ہوں گی جو ہمارے مبحث سے غیر متعلق اور غیر ضروری ہیں لہذا ہم صرف دو دلیلیں اس خیال کی تردید میں پیش کرتے ہیں - اولاً یہ کہ جو شخص حقوق فطرتی کا منکر ہو اُس کو فرائض فطرتی یا فرائض اخلاقی سے بھی انکار کرنا چاہئے کیونکہ حقوق اور فرائض نسبتی الفاظ ہیں اور ان میں اس درجہ کی نسبت ہے کہ ایک لفظ دوسرے لفظ کے بغیر ذہن میں نہیں آسکتا یعنے جہاں کسی کے منھ سے ان میں کا ایک لفظ نکلا سامع کا ذہن فوراً اُس کے دوسرے نسبتی یا ملزوم لفظ کی طرف منتقل ہوتا ہے چنانچہ اسی بنا پر اُس داین کے مقابلہ میں جس کو قرضہ وصول پانے کا اخلاقی حق حاصل نہیں رہتا مقروض پر بھی ادائی دین اخلاقاً فرض نہیں ہے - دوسرا اعتراض جو اس قیاس پر وارد کیا جاتا ہے یہ ہے کہ منکرین حقوق فطرتی پر اُن افعال سے انکار کرنا لازم ہے جو از روئے اخلاق ناجائز سمجھے جاتے ہیں بلکہ حقوق فطرتی سے انحراف کرنے والوں کا شمار اُس گروہ میں کیا جانا چاہئے جن کو یونانیوں نے متشککین یا دہریوں کا لقب دیا تھا - جو فرق کہ فطرتاً حق و باطل میں ہے اُس کا یہ فرقہ قائل نہیں ہے، ان کے نزدیک کوئی فعل حق و ناحق یا جائز و ناجائز بذات خود نہیں ہوسکتا، انسان نے اپنی طبیعت سے افعال کو جائز اور ناجائز قرار دے رکھا ہے - لیکن اگر ان لوگوں کے قول کے مطابق حقوق سے مراد صرف ایسے حقوق ہیں جن کو سلطنت نے قرار دیا ہو تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی فعل بذات خود جائز یا ناجائز نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ سلطنت نے اُس کو جائز یا ناجائز ٹھیرایا ہو - مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر

انصاف فطرت کی حقیقت میں کچھ اصل ہے اور دنیا اُس کو سراب نہیں خیال کرتی ہے تو حقوق فطرتی سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔[1]

یہ امر قابل غور ہے کہ ہر ایک مفاد کے لئے محض حمایت قانون کافی نہیں ہے بلکہ قانون کی جانب سے اُس کا تسلیم کیا جانا بھی ضرور ہے۔ چنانچہ جانوروں کے سود و بہبود کا بھی قانون میں لحاظ کیا گیا ہے اور اُن پر ظلم کرنا جرم قرار دیا گیا ہے لیکن محض حمایت قانونی کی بنا پر جانوروں کو حقوق قانونی نہیں عطا ہو سکتے اور جانوروں کے ساتھ ترحم سے پیش آنے کے لئے قانون نے جو شرط لگائی ہے وہ محض ایسا فرض ہے جو جانوروں کے مقابلے میں انسانوں پر عائد نہیں کیا گیا ہے بلکہ یکطرفہ فرض ہے، انسانوں کو جانوروں کے ساتھ فرض قانونی کی زنجیر سے نہیں جکڑا گیا ہے۔ ایسی صورت میں قانون ملک جس نفع اور حق کو تسلیم کرتا ہے وہ اصل میں سوسائٹی کا نفع اور اُس کا حق ہے، سوسائٹی کے علاوہ جانوروں کی بھلائی اصل میں سوسائٹی کی بھلائی ہے اور سوسائٹی کے حق کی حفاظت کی غرض سے قانون جانوروں کی بھلائی کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص سے کسی طفل کو مضرت پہنچے تو مرتکب مضرت نہ صرف اپنے اُس فرض کو ترک کرتا ہے جو اُس طفل کے مقابلہ میں اس پر عائد کیا گیا ہے بلکہ اُس حق کو بھی پامال کرتا ہے جو اُس طفل کو حاصل ہو چکا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی

---

[1] منکرین حقوق فطرتی کی تردید میں ایک نہایت موثر اور بیّن دلیل پیش کیجاتی ہے اور اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اُن حقوق کے سوائے جو محض اور ٹھیک معنوں میں حقوق قانونی کہلاتے ہیں اور جن کی بانی سلطنت ہے بعض ایسے بھی حقوق مثبتہ ہیں جن کو دنیا تسلیم کرتی ہے مثلاً ایسے حقوق جو قانون بین الاقوام کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں یا وہ حقوق جن کو رائے عامہ نے مقرر کیا ہو۔

کتے کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے یعنی زد و کوب کرے تو اس کے فعل سے وہ ارتباط قانونی جو اس میں اور کتے کے درمیان قائم کیا گیا ہے نہیں ٹوٹ سکتا حالانکہ مرتکب فعل اس ترحمانہ فرض کو ترک کرتا ہے جو سوسائٹی یا سلطنت نے اس پر عائد کیا ہے اور جس کے مقابلہ میں اس فرض کا بجا لانا اس کو لازم ہے۔ اسی طرح بعض وقت قانون کی جانب سے انسان کے ذاتی نفع کے لئے اور اسی کے مقابلہ میں اس پر فرض عائد کیا جاتا ہے چنانچہ اسی خیال سے خودکشی اور کثرت نشہ جرائم قرار دئے گئے ہیں لیکن اس وجہ سے انسان کو اپنے مقابلہ میں کوئی حق قانونی نہیں پیدا ہو سکتا۔ کثرت نشہ سے بچنے کے متعلق آدمیوں پر قانون ملک نے جو فرض عائد کیا ہے اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے مقابلے میں آپ کسی فرض کی تعمیل کرے بلکہ ملک و ملت کے مقابلہ میں ہر ایک انسان پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے۔ اس فرض کے متعلق قانون کے پیش نظر جو اہل ملک کی بھلائی ہے وہ اُن کا اپنے ہوش و حواس کو بجا رکھنا ہے۔

ہرچند حق قانونی کی تعمیل ارجاع نالش کے ذریعہ سے عموماً کرائی جاتی ہے لیکن ہمیشہ اس طرح کی قانونی کارروائی یا مقدمہ کے توسط سے حق مذکور کا تعمیل کرانا ضرور نہیں ہے اور نہ اس کارروائی کا اس حق کے خصوصیات سے شمار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حقوق قانونی کے بعض ایسے اشکال بھی ہیں جن کی تعمیل کسی کارروائی کے ذریعہ سے نہیں کرائی جا سکتی ہے اور جن کا ذکر آئندہ ہم تفصیل سے کریں گے یہاں بطور تمثیل اس طرح کے حقوق کی صرف ایک قسم بیان کیجاتی ہے اور وہ ایسے قرضہ جات ہیں جو میعاد عارض ہونے کے سبب سے وصول نہیں کئے جا سکتے ہوں۔ جس طرح بعض فرائض قانونی ناممکل اور ناقابل تعمیل ہیں اسی طرح بعض حقوق ناممکل اور ناقابل تعمیل سمجھے جاتے ہیں۔

حقوق و فرائض کا الفاظ نسبتی یا لازم و ملزوم ہونا ضرور ہے۔ کسی حق کا اپنے مقابل کے فرض کے بغیر ہونا ممکن نہیں ہے اور اسی طرح کوئی فرض بغیر اپنے مقابل و مساوی حق کے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح شوہر کے بغیر زوجہ کا اور باپ کے بغیر فرزند کا وجود نہیں ہو سکتا اُسی طرح حق کے بغیر فرض اور فرض کے بغیر حق نہیں قائم ہو سکتا۔ ہر ایک فرض اُس شخص یا اشخاص کی تائید میں جس کو یا جن کو ایک مماثل و مشابہ حق حاصل ہوتا ہے کسی دوسرے شخص یا اشخاص پر عائد کیا جاتا ہے اور اس کے برعکس ہر ایک حق اُس شخص یا اُن اشخاص کے مقابلہ میں حق سمجھا جاتا ہے جس پر یا جن پر ایک مشابہ یا نسبتی فرض عائد کیا جاتا ہے۔ ہر ایک حق اور فرض گویا قانون کی زنجیر یا سلسلہ ہے جس سے دو یا دو سے زیادہ اشخاص آپس میں جکڑ دئے جاتے ہیں۔ فرض بغیر اُس شخص کے جس کے حق کی حفاظت کے لئے وہ بنایا گیا ہے نہیں قرار پا سکتا اور حق بغیر اُس شخص کے جو اُس کا مدعی ہو قائم نہیں ہو سکتا اور جبتک کوئی ضرر رسیدہ نہ ہو یعنے کسی کے حق کی پامالی نہ ہوئی ہو ضرر یا فعل ناجائز واقع نہیں ہو سکتا۔

لہذا ہم کو اُن اساتذہ کی رائے سے اختلاف ہے جنھوں نے فرائض کی دو قسمیں نسبتی اور مطلق قرار دی ہیں۔ فرائض نسبتی سے اُن کا منشا ایسے فرائض ہیں جن کے مساوی اور جن کے مقابلہ میں حقوق قرار دئے گئے ہوں۔ فرائض مطلق سے مراد ایسے فرائض ہیں جن کے مساوی اور مشابہ حقوق نہ قرار دئے گئے ہوں[1]۔ یہ اُن لوگوں کی رائے ہے جو حق کے لئے کسی معین شخص حقدار کا ہونا لازم خیال کرتے ہیں اور جن کے نزدیک کسی ضابطہ کی کارروائی یعنے نالش وغیرہ کے ذریعہ سے اُس کی تعمیل ہونا ضرور ہے۔ اس رائے کے مطابق تمام باشندگان ملک یا اُن کے بعض درمیانی حصوں کے متعلق جو فرائض قرار دئے گئے ہیں اُن کے

[1] دیکھو اصول قانون مصنفہ آسٹن لکچر نمبر ۱۷۔

مقابلے میں نسبتی حقوق نہیں ہوا کرتے ہیں مثلاً ملک کی کل جمہور کے فائدہ کے لئے یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ ہر ایک شخص کو اس باعث تکلیف عام سے احتراز کرنا چاہیئے۔ لیکن ہماری رائے میں حق کی اس طرح تعریف کرنی کہ اُس سے فرض کا مفہوم خارج ہو جائے صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام فرائض جن کو عوام کے فائدہ کی غرض سے قانون قرار دیتا ہے اُن کے مقابلہ میں حقوق عوام ہی کو حاصل رہتے ہیں اور جس فعل سے عوام کو ضرر پہنچتا ہے اُس سے عوام کا ہی حق پامال ہوتا ہے یعنے عوام کے مقابلہ میں جو فعل ناجائز سمجھا جاتا ہے اس سے کسی دوسرے شخص کے حق کو نہیں بلکہ عوام کے حق کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک فرض کے مقابلہ میں ایک حق ہے لیکن اُن شخصی حقوق کے مقابلہ میں جو افراد معینہ کو حاصل ہوتے ہیں فرائض نہیں ہوا کرتے۔

فصل ۱۲۔ حق قانونی کے تصور کے اجزائے ترکیبی

ہر ایک قانونی حق پانچ تصورات پر مشتمل ہے۔

(۱) ایسا شخص جسکو حق حاصل ہو اور جسکو مالک حق یا محق کہتے ہوں یعنے حقدار۔

(۲) ایسا شخص جس کے مقابلہ میں حق کا استعمال کیا جائے اور جس پر ایک نسبتی فرض عائد کیا گیا ہو۔ ایسے شخص کو مستوجب الفرض کہنا مناسب ہے۔

(۳) مستوجب الفرض کا فعل یا ترک فعل جو حقدار کے فائدہ کی غرض سے اس پر لازم کیا گیا ہو۔ اور جس کو مضمون یا مطلب حق کہا جا سکتا ہے۔

(۴) کوئی ایسی شئے جس کے متعلق فعل یا ترک فعل قرار دیا گیا ہو اور اسکے لئے موضوع حق کی اصطلاح تجویز کیجاتی ہے۔

(۵) حقیت یعنے چند ایسے واقعات یا حادثات جنکی بنا پر حقدار کو حق حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً اگر (الف) ایک قطعہ زمین (ب) سے خریدے تو الف اس حق محصلہ کا مالک اور محق کہلاتا ہے۔ اشخاص جن پر اس حق کے مقابلہ میں فرض عائد کیا جاتا ہے وہ کل بنی نوع انسان ہیں۔ کیونکہ یہ اس قسم کا حق ہے جو تمام دنیا کے مقابلہ میں قائم کیا جاتا ہے۔ اس حق کا مضمون یا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مشتری کے کامل تمتع اور تصرف زمین میں مداخلت نکرے۔ اور اس کا موضوع لہ زمین مبیعہ ہے۔ اور حق کا ماخذ یا اس کی حقیت وہ

انتقال ہے جس کے ذریعہ سے مالک سابق سے زمین حاصل کیجاتی ہے[۱]۔

لہذا ہر ایک حق بلحاظ حقدار سہ گونہ تعلقات پر مشتمل ہے۔

(۱) حق کسی ایک شخص یا اشخاص کے مقابلہ میں حاصل ہوتا ہے۔

(۲) حقدار اپنے حق کی بنا پر ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص کو کسی فعل کے کرنے یا اس کے ترک پر مجبور کر سکتا ہے۔

(۳) فعل یا ترک فعل جس شئے سے متعلق ہو اس شئے پر حقدار کا حق رہتا ہے۔

حقدار کے بغیر حق کا ہونا ممکن نہیں ہے جس طرح کسی ذاتی شئے کے بغیر وزن کا ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح مالک ورصاحب کے بغیر حق وجود پذیر نہیں ہو سکتا کیونکہ حق محض شخص کا جوہر ہے۔ کوئی عرض اپنے جوہر کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ بر اینہم ملکیت حق محض مبنی بر واقعات غیر معین ہو سکتی ہے۔ یعنے صاحب حق کوئی غیر معین شخص یا ایسا شخص جس کا وجود حالت احتمال میں ہو ہو سکتا ہے۔ مثلاً جو شخص پیدا نہ ہوا ہو اور مالک حق بنا دیا جائے تو اس کے پیدا ہونے یا نہ ہونے کے متعلق احتمال ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسے حق کے مالک غیر معین حقدار اور اس حق کو حق امکانی

---

[۱] حقدار مستوجب الفرض کی اصطلاحوں کو مختلف مصنفین نے مختلف ناموں سے استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے طلبہ کو مضمون کے سمجھنے میں پریشانی ہوتی ہے۔ بہر حال ذیل کے لقبیہ تین جداگانہ مفہوم میں ان کا استعمال کیا گیا ہے۔

(الف) حقدار سے مراد مالک حق ہے۔ اور موضوع حق کا مطلب وہ شئے ہے جس کے متعلق حق وجود پذیر ہوتا ہے۔ ہم نے بھی انہی معنوں میں حقدار اور موضوع حق کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ونڈشیڈ جلد ا فصل ۳۹۔

(ب) حقدار سے مراد موضوع حق ہے (یعنے فقرۂ الف میں موضوع حق کا جو مطلب ہے) موضوع حق کا مفہوم وہ فعل یا اجتناب ہے جو حقدار کے مقابلہ میں دوسروں پر فرض کیا جاتا ہے (یعنے فقرۂ الف میں جس کے لئے ہم نے موضوع حق تجویز کیا ہے)۔ آسٹن صفحات ۴۷ و ۴۱۲۔

(ج) بعض مصنفین نے حقدار کی دو قسمیں معروف اور مجہول قرار دی ہیں۔ حقدار معروف سے وہ لوگ حقدار سے مراد لیتے ہیں۔ اور حقدار مجہول سے ان کا منشا شخص مستوجب الفرض ہے۔ بیڈری۔ لیکن ٹی نیر ولیس بینیز فصل ۴ (Baudry-Lacantierie. Des Diens Sect 4

(یا حق احتمالی) کہنا چاہئے ۔ اگرچہ ہر حق کا مالک ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ حق اس کو حاصل شدہ ہو یا اس کا مالک معین ہو۔ چنانچہ موصی اپنی وفات سے پہلے ایک ایسے شخص کے حق میں جو ابھی پیدا نہ ہوا ہو اپنی زمینداری بذریعہ وصیت چھوڑ سکتا ہے ۔ اچھا تو موصی کی وفات کے بعد اور موصی لہٗ کے پیدا ہونے تک جو زمانہ گزرتا ہے اس زمانہ میں اس حق کا مالک کون ہے؟ ان وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر سابق میں کیا گیا ہے اس سوال کے جواب میں یہ کہنا کہ حق مذکور کا کوئی مالک نہیں ہے صحیح نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ ہم کو مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس عرصۂ زیر بحث میں حق مذکور کا مالک وہ شخص ہے جو پیدا نہیں ہوا ہے ۔ اور اس کی ملکیت اس کے پیدا ہونے پر مشروط و منحصر ہے ۔

اگر کوئی داین بلا وصیت فوت ہو جائے تو قبل اس کے کہ اس کی جائداد کی ملکیت کسی مہتمم ترکہ کو حاصل ہو اس کے قرضہ و صول طلب کا کون مالک و حقدار سمجھا جائے گا؟ ایسی صورت میں قانون روما میں خود ترکہ کو شخصیت دی جاتی تھی ۔ اور اس ترکہ کی فرضی شخصیت ان حقوق کی مالک متصور ہوتی تھی جو اتفاقی اور احتمالی طور پر اصل وارث کو پہنچنے والے ہوتے تھے ۔ لیکن قانون انگلستان کی رو سے قانون تنظیم محکمہ جات عدالت مجریہ ۱۸۷۳ء کے قبل عدم وصیت کی صورت میں متوفی کی منقولہ جائداد کی حقیت اس عرصہ کے لئے جو اس کی وفات اور صداقت نامہ اہتمام وراثت کے عطا ہونے کے درمیان گزرے ناظم عدالت وصایا (جج آف دی کورٹ آف پروبیٹ) کو حاصل ہوتی تھی اور اب ۱۸۷۳ء کے قانون مذکور کے نفاذ سے انگلستان کی ہائی کورٹ کے اس صیغہ کے میر مجلس کو جس سے وصیت طلاق اور محکمۂ بحری کے مقدمات کا تعلق ہے ۔ یا ہائی کورٹ کے کل ججوں کو مالک جائداد متوفی سمجھنا چاہئے ۔ مگر نہ تو وہ امر مفروضہ امکانی لازمی ہے جو قانون روما میں استعمال کیا گیا اور نہ وہ جو قانون انگلستان میں استعمال کیا جا رہا ہے ۔ اور اس کے عوض اس زمانہ کے لئے جو مہتمم کے مقرر ہونے کے پہلے گزرتا ہے ایک شخص غیر معین کا مالک جائداد متوفی سمجھا جانا کوئی قباحت نہیں ہے ۔ یعنے مہتمم ترکہ جس کا تقرر عدالت سے کیا جاتا ہے وہی شخص غیر معین ہے اور

اس غیر معین شخص کو اس طرح کے حقوق اتفاقی کا مالک سمجھنا قرین عقل ہے ۔ مگر حقوق اور ملکیت محصلہ کا مالک کے بغیر رہنا خواہ کتنی ہی قلیل مدت کے لئے کیوں نہ ہو نظام قانونی میں مذموم خیال کیا گیا ہے ۔ اس لئے ان حقوق وغیرہ کا کوئی ایک معین شخص مالک تصور کیا جاتا ہے اور جب اتفاقی دحادثہ کے انتظار میں ایک شخص اصلی یا قانونی مالک تصور کیا جاتا ہے اسکے واقع ہونے پر شخص معین سے حقوق متذکرہ زائل ہوکر مالک اتفاقی واحتمالی کو حاصل ہوجاتے ہیں[1]۔

بعض مصنفین نے موضوع حق کی (یعنے شئے جس سے فعل یا ترک فعل متعلق کیا گیا ہو) ایسے تنگ لفظوں میں تعریف کی ہے کہ ان کو مجبوراً یہ نتیجہ استنباط کرنا پڑتا ہے کہ بعض ایسے بھی حقوق ہیں جن کے موضوعات نہیں ہوسکتے۔ ان کے خیال میں موضوع حق سے مراد ایسی مادی شئے ہے جس سے حق متعلق کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ان معنوں کے لحاظ سے حق کا ایک ضروری جزو اسکا موضوع نہیں ہوسکتا لیکن بعض مصنفین کے نزدیک حق کا موضوع شئے مادی اور حق دونوں ہوسکتے ہیں۔ مثلاً حق زوجیت اور حق پدری یعنے جو حق شوہر کو اپنی زوجہ پر اور باپ کو اپنی اولاد پر حاصل ہوتا ہے ۔ مگر ان لوگوں کی نظر اس سے زیادہ وسیع نہیں ہے ۔ اور اسی بنا پر یہ فرقہ اساتذہ اس طرح کے حقوق کی نسبت جیسا کہ حق ایجاد و اختراع حق آزادی و حق تصنیف وغیرہ ہیں کہتا ہے کہ ان حقوق کا موضوع نہیں ہوسکتا ۔ لیکن ہماری رائے میں تصور حق کا ایک لازمی عنصر حق کا موضوع ہے ۔ اور ہم اسی کو قول فیصل سمجھتے ہیں ۔ جس طرح کوئی حق بغیر حقدار کے نہیں ہوسکتا ۔ اسی طرح کوئی حق اپنے موضوع کے بغیر یعنے اس شئے کے بغیر جس سے کہ وہ متعلق کیا گیا ہو نہیں پیدا ہوسکتا ۔ ناظرین اس بات سے واقف ہوچکے ہیں کہ ہر ایک حق ایک ایسا فائدہ یا غرض ہے جس کی حفاظت قانون کی جانب سے کی گئی ہو ۔ اور موضوع حق وہ شئے ہے جس سے صاحب حق کا یہ فائدہ اور غرض وابستہ ہو ۔ یہ وہی شئے ہے خواہ مادی ہو کہ

[1] حقوق بلا مالک کے متعلق دیکھو ونڈشیڈ جلد ۱ فصل ۴۹ نوٹ ۳ پنڈکٹن مصنفہ ڈرنبرگ جلد ۱ فصل ۴۹

غیر مادی جس کو حاصل کرنا اور رکھنا صاحب حق کی خواہش ہو اور قانون ملک دوسرے اشخاص پر اس حق کے متعلق فرض عائد کر کے پہلے شخص کو اس قابل بنا دیا ہو کہ وہ اس شئے کو اپنے پاس رکھے۔ یا اس کو حاصل کرے۔ ایک مثال کے ذریعہ سے جس میں حقوق کے خاص اقسام اور ان کے موضوعات کا ذکر ہے اس مطلب کی توضیح کر دی جاتی ہے۔

(۱) حقوق جن کے موضوعات اشیائے مادی ہیں بلحاظ تعداد و اقسام اور اور کثرت قواعد جو قانون نے ان کے متعلق وضع کئے ہیں اس قسم کے حقوق دوسرے تمام حقوق قانونی سے بہت زیادہ اہم ہیں۔ اور کون شخص ہے جو ان سے واقف نہ ہوگا۔ لہذا ان حقوق کے متعلق کسی تمثیل کا بیان کرنا غیر مفید معلوم ہوتا ہے۔

(۲) حقوق جن کا موضوع ذات شخص ہے۔ مجھے زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اور کوئی شخص مجھکو ہلاک کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ پس ایسی صورت میں اس حق کا موضوع میری حیات ہے۔ مجھے حق حاصل ہے کہ مجھکو کسی قسم کی جسمانی مضرت نہ پہنچائی جائے یا کوئی شخص مجھپر حملہ نہ کرے۔ لہذا اس حق کا موضوع میری صحت جسمانی اور میرا صحیح الاعضا رہنا ہے۔ مجھے حق ہے کہ کوئی شخص مجھکو کسی قانونی حکم نامہ بغیر قید میں نہ رکھے۔ ظاہر ہے کہ اس حق کا موضوع میری شخصی اور جسمانی آزادی ہے۔ یعنے مجھے اختیار ہے کہ میں جہاں چاہوں جا سکوں۔ اور میری آمد و رفت اور حرکت جسمانی میں کوئی دوسرا شخص مزاحم و مخل نہو۔ مجھے حق ہے کہ میں اپنے اغراض اور خواہشات کے خلاف کسی فعل کے کرنے پر مجبور نہ کیا جاؤں۔ اور اس کے متعلق کوئی شخص مجھکو فریب نہ دے۔ اس لئے اس حق کا موضوع میری وہ قابلیت ہے جس کے ذریعہ سے میں اپنی خواہشوں کی تکمیل کرتا ہوں۔ اور میرے وہ افعال و اعمال ہیں جن کی وساطت سے میں اپنے اغراض کی حفاظت کرتا اور حصول مدعا میں سہولت پیدا کرتا ہوں۔

(۳) حق نیک نامی۔ ہر ایک شخص کو اپنی عزت اور نیکنامی کی خواہش ہوتی ہے۔ یعنے ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کی جانب سے نیک گمان رہیں۔ اور اس کے افعال و کردار کے متعلق لوگوں کا خیال بگڑنے

نہ پائے۔ جس طرح ایک شخص کو اپنی قلیل سے قلیل رقم تک کی حفاظت منظور ہوتی ہے اسی طرح ہر ایک انسان کی خواہش رہتی ہے کہ اس کی عزت میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہونے پائے۔ ان دونوں صورتوں میں انسان کی جس خواہش اور نفع کا ذکر کیا گیا ہے قانون ملک نے ان کو تسلیم کرکے ان کی حفاظت کی ہے۔ اور ان دونوں مثالوں میں حق اپنے اس موضوع پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے وہ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) حقوق جن کا موضوع تعلقات خانگی ہے۔ ہر ایک شخص کو اپنی بی بی اور بچوں کی موانست، محبت اور ان کے محفوظ و مامون رہنے سے ایک قسم کا حظ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اور ان امور کے متعلق اس کو حق بھی حاصل ہے۔ اس لئے اگر کوئی دوسرا شخص بغیر کسی معقول وجہ کے اس کے ان مفاد میں مداخلت کرے تو اس کے حق اور نفع کو گزند پہنچتا ہے۔ مثلاً اگر اس کی زوجہ یا دختر کو کوئی شخص پھسلا لے جائے تو وہ اس کے حقوق کو پامال کرنے کا مجرم سمجھا جاتا ہے۔ روپیہ کے چوری جانے سے جس طرح اس کا مالک اپنے مال سے محروم ہوتا ہے۔ اسی طرح متعلقین میں سے کسی ایک کو پھسلا یا بھگا لے جانے سے صاحب خانہ اپنے حق متذکرۂ صدر سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۵) حقوق متعلق بہ حقوق دیگر۔ اکثر صورتوں میں ایک حق کا موضوع دوسرا حق ہوا کرتا ہے۔ مثلاً مجھکو الف کے مقابلہ میں یہ حق ہو سکتا ہے کہ میں اس کو مجبور کروں کہ وہ مجھے اپنا حق محصلہ منتقل کر دے۔ اگر میرے اور اس کے درمیان ایک قطعۂ اراضی بیع کرنے کے متعلق قرارداد ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے مجھے اس کے مقابلہ میں صرف ایک ایسا حق حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے میں اسکو اس امر پر مجبور کر سکتا ہوں کہ بعض حقوق جو اس کو حاصل ہیں ان کا مجھے مالک بنا دے۔ معاہدۂ بیع کے ذریعہ سے مجھے محض ایک حق ابتدائی حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ دوسرا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یعنے اس معاہدہ سے مجھے وہ حق حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے مجھے حق ملکیت مل سکتا ہے۔ یعنے

میرا حق متعلق بہ حق ملکیت ہے۔ اور جب بیع نامہ تکمیل ہو جائے تو مجھکو حق ملکیت حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح شادی کے متعلق جو وعدہ کیا جاتا ہے اس سے اس عورت کو جس سے وعدہ کیا گیا ہے محض حق متعلق بہ حقوق زوجہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ازدواج کے بعد یہ تمام حقوق زوجہ خود بخود منکوحہ کو حاصل ہوجاتے ہیں[1]

اس مقام پر اس بات کو سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ معاہدہ یا کسی اور معاملہ کے ذریعہ سے جو حق پیدا ہوتا ہے آیا وہ حق متعلق بہ حق ہے یعنے ایک حق کا موضوع دوسرا حق ہے یا پہلے حق کا موضوع حق کے سوائے کوئی دوسری شئے ہے۔ ایسی صورت میں حق یا شئے کا موضوع حق قرار پانا ہر ایک معاملہ اور معاہدے کے حالات پر منحصر ہے۔ مثلاً اگر میں ریل کا کوئلہ ایک ٹن یا بکریوں کا ایک منڈا خرید کروں تو جو حق کہ مجھے حاصل ہوگا اس کا موضوع بشرط حالات یا تو حق ہوگا یا شئے۔ اور خریداری کے ساتھ ہی یا تو میں کوئلے اور بکریوں کا مالک بن جاؤں گا یعنے میرے حق کا موضوع کسی واسطے کے بغیر یہ مادی اشیا قرار پائیں گی یا نہیں تو مجھے ان کے بائع کے مقابلہ میں محض ایک حق پیدا ہوگا جسکی بنا پر میں اس کو مجبور کرسکوں گا کہ وہ ان چیزوں کو میرے مکان تک لا کر میرے حوالہ کردے۔ اور بعد تحویل میں ان کا مالک قرار پاؤں گا۔ دوسری شکل میں معاملۂ خریداری سے مجھے ایک ایسا حق حاصل ہوتا ہے جس کا بلا واسطہ موضوع ایک دوسرا حق ہے۔ حالانکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ میرے پہلے حق کی بالواسطہ موضوع وہ اشیاء ہیں جن کو میں نے خریدا ہے۔

(۲) حقوق متعلق بہ جائداد غیر مادی۔ حق ایجاد و اختراع حق تصنیف نشانات تجارت اور تجارتی حسن ظن اس قسم کے حقوق کی تمثیلات ہیں۔ حق اختراع کا موضوع ایک ایجاد ہے۔ یعنے صنعت اور دستکاری آلات اور طریقۂ ساخت کے متعلق کسی جدید خیال کا پیدا کرنا اور اس بنا پر موجد اور مخترع کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اس جدید خیال یعنے ایجاد سے متمتع ہو۔ اور کوئی

---

[1] حقوق متعلق بہ حقوق کی نسبت دیکھو ونڈ شیڈ جلد ۱ فصل ۴۸ (الف)

دوسرا اس سے فائدہ نہ اُٹھائے۔ اسی طرح حق تصنیف کا موضوع وہ ادب اور خیالات ہیں جن کو کوئی مصنف اپنی کتاب میں ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ لوگ مصنف کی تصنیفات کو خریدتے ہیں اس لئے اس کو اپنے ادب اور خیالات سے ایک قسم کا مالی فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ اس نفع کی اہمیت مسلم ہے۔ اور قانون حق تصنیف کی رو سے یہ فائدہ اب حق کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔

(۷) حقوق متعلق بہ خدمات۔ سب سے آخر میں ان حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے جو ایک شخص کی خدمتوں کے متعلق دوسرے کو حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً ایسے حقوق جو معاہدہ کے ذریعہ سے آقا کو اپنے ملازم پر۔ مریض کو اپنے طبیب پر اور آجر کو اجیر پر پیدا ہوتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں حق کا موضوع معاہد کا علم و دانش، قوت جسمانی اور دقت وغیرہ سمجھے جاتے ہیں جس طرح کرایہ کے گھوڑے کی قوت اور رفتار سے کرایہ دار فائدہ اُٹھانے کا مجاز ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو کسی طبیب سے فیس دے کر علاج کراتا ہے اس طبیب کی عقل اور علم سے متمتع اور مستفید ہونے کا استحقاق رکھتا ہے۔

یا یوں کہئے کہ حق خدمت شخصی کا موضوع اس شخص کی ذات ہے جس نے اس خدمت کی ادائی کے لئے اقرار کیا ہو۔ جس طرح انسان حق کا مالک یعنے صاحب حق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ موضوع حق بھی ہو سکتا ہے۔ انسان کے دماغ اور جسم کو ایک قسم کا آلہ سمجھنا چاہئے۔ جس سے بعض کام لئے جا سکتے ہیں۔ جس طرح گھوڑے اور اسٹیم انجن سے انسان کام لیتا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی دوسرے آدمی کے جسم و دماغ سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ ان نظامات قانونی میں جن میں غلامی تسلیم کی جاتی ہے انسان کی خرید و فروخت اسی طرح سے ہو سکتی ہے جس طرح سے گھوڑوں اور کلوں کی بیع و شریٰ ہوتی ہے۔ لیکن انگریزی نظام قانونی میں بردہ فروشی ناجائز قرار دی گئی ہے۔ اور اس لئے ایک آدمی کو جو دوسرے آدمی کی خدمت کے متعلق حق حاصل ہوتا ہے وہ عارضی سمجھا جاتا ہے۔ اور صرف خادم تک محدود رہتا ہے۔ اور یہ حق بھی خادم کے معاہدہ اور اس کی مرضی سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ مخدوم کی خواہش اور جبر سے۔

اسی وجہ سے یہ حق دائمی نہیں ہو سکتا اور نہ مخدوم کو خادم پر حق ملکیت پیدا ہوتا ہے۔

فصل ۴۳ حقوق قانونی کا مفہوم وسیع

فصول سابقہ میں جن حقوق کا ذکر کیا گیا ہے ان میں لفظ حق اپنے مخصوص اور سب سے صحیح معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس ہی مفہوم کے لحاظ سے ہم نے حقوق کو فرائض کا ضد اور مقابل بتلایا ہے۔ اور اسی لئے حقوق کی تعریف میں ان کے ایسے فوائد و منافع کا بیان کیا گیا ہے جن کی قانون ملک نے ان کے متعلق دوسرے اشخاص پر فرائض عائد کر کے حفاظت و حمایت کی ہو۔ لیکن اس مقام پر ہم اس امر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ اس مفہوم کے سوائے لفظ حق کا ایک دوسرا زیادہ وسیع و جامع مفہوم بھی ہے۔ جس کی وجہ سے اس اصطلاح کا ہر ایک ایسے فائدہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کو قانون نے تسلیم کیا ہو۔ اور خواہ اس فائدہ کے مقابلہ میں قانون ملک نے کسی فرض کو قائم کیا ہو کہ نہ ہو۔ ان تعمیمی معنوں کے لحاظ سے حق قانونی کی تعریف اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ ایک ایسا فائدہ یا نفع ہے جو کسی قاعدۂ قانون کے ذریعہ سے کسی ایک شکل میں ایک شخص کو عطا کیا جاتا ہے۔ بہر حال ان عام اور وسیع معنوں کے لحاظ سے حقوق کی تین ایسی قسمیں قرار پاتی ہیں جن پر جداگانہ تفصیل سے بحث کرنا اہم اور ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ انواع حقوق یہ ہیں۔ (۱) حقوق (بلحاظ مفہوم مخصوص و اصح) (۲) آزادیاں اور (۳) اختیارات چونکہ ان میں سے پہلے قسم کے متعلق مفصل بحث ہو چکی ہے۔ لہذا باقی دو قسموں کی نسبت بالاجمال ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل ۴۴ آزادیاں

جس طرح وہ فوائد میرے حقوق قانونی کہلاتے ہیں۔ جن کے متعلق دوسرے اشخاص پر فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ اور میں ان سے مستفید ہوتا ہوں۔ اسی طرح میری قانونی آزادیاں میرے وہ فوائد ہیں جن سے کہ میرا قانونی فرائض کی عدم موجودگی

کی وجہ سے یعنے ان کے جمہور عائد ہونے کی وجہ سے متمتع ہوتا ہے - ہر ایک شخص کو اپنی مرضی کے موافق عمل کرنے کی قابلیت سے ایک قسم کا نفع پہنچتا ہے - اور اس نفع کی مختلف قسمیں ہیں یعنے یہ وہ اعمال و افعال ہیں جن کے عامل اور فاعل کے فعل کے متعلق قانون ملک کی جانب سے ممانعت نہیں کی گئی ہے - اس لئے ہر ایک شخص کی قانونی آزادی سے مراد اس کا وہ دائرۂ عمل ہے جس کے حدود کے اندر وہ قانون ملک کی ممانعت کے بغیر اپنے افعال انجام دے سکتا ہے - پس آزادی کی اس تعریف سے ظاہر ہے کہ اکثر اوقات اصطلاح حق اس کے وسیع اور جامع مفہوم کے لحاظ سے استعمال کی جاتی ہے - جس کی وجہ سے لفظ حق میں آزادی کا مفہوم بھی شامل رہتا ہے - مثلاً اگر میں کہوں کہ مجھے اپنی چیز کو اپنی مرضی کے موافق استعمال کرنے کا حق حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ حق سے میری مراد آزادی ہے - یعنے میں جس طرح چاہوں اپنی چیز کے ساتھ مسلوک ہونے کے لئے آزاد و مختار ہوں - لیکن اس قول سے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے کی شئے میں دخل دینے یا مزاحمت کرنے کا حق حاصل ہے - لیکن مجھکو کسی مزیل حیثیت عرفی یا بغاوت انگیز توہین تحریری شائع کرنے کا حق نہیں ہے - اپنے کو دوسرے شخص کی اذیت اور زد و کوب وغیرہ سے بچانے کا مجھکو حق حاصل ہے - لیکن جو شخص مجھکو مضرت پہنچائے اس سے انتقام لینے کا مجھکو حق حاصل نہیں ہے -

جن فوائد کو قانون ملک نے تسلیم کیا ہے - اور ان کے متعلق افعال و اعمال کی کسی قید کے بغیر اجازت دی ہے وہ ایک مخصوص قسم کے حقوق قانونی ہیں - اور ان میں اور ان حقوق قانونی میں جن کی بابت تفصیل سے بحث ہو چکی اور غور کیا گیا ہے بین فرق پایا جاتا ہے - پہلے قسم کے حقوق کا ان امور سے تعلق ہے جو دوسروں کو میرے لئے کرنا چاہئے - اور دوسرے قسم کے حقوق ایسے امور و افعال ہیں جن کو میں اپنے لئے کر سکتا ہوں مقدم الذکر کا فرض اور جبر ہے اور موخر الذکر کا آزادی اور خواہش نفس سے تعلق ہے - بہر حال دونوں قسم کے حقوق ایسے فوائد ہیں جو از روئے قوانین مسلمہ ہیں - یعنے وہ منافع

اور فوائد ہیں جن سے رعایائے سلطنت باجازت قانون متمتع و مستفید ہوتی ہے۔
لیکن یہ دونوں ایک جنس کی دو مختلف نوعیں ہیں۔

اکثر مصنفین کا قول ہے کہ حق کی ضد فرض ہے۔ اور کوئی حق اپنی ضد اور مقابل یعنے فرض کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس بناپر اس قسم کے حقوق کے متعلق جن کی بابت ابھی بحث کی گئی ہے ان اساتذہ کا ایک جداگانہ خیال ہے۔ اور وہ ایک دوسرے طرز پر ان کو بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قانونی آزادی اصل میں ایک حق قانونی ہے۔ جس کے مالک کے دائرۂ عمل میں دوسرے اشخاص کو دخل دینے سے ممانعت کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ اس قضیہ کا کہ مجھے قانونی حق حاصل ہے کہ میں اپنی مرضی کے موافق اپنی رائے کا اظہار کروں۔ صحیح مفہوم یہ ہے کہ دوسرے اشخاص پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ میرے اظہار رائے میں مخل نہوں۔ اس لئے اس صورت میں بھی اس حق کا ضد ایک فرض ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اکثر صورتوں میں شخص کو قانونی آزادی عمل کے ساتھ یہ حق بھی حاصل رہتا ہے کہ دوسرے اشخاص اس کے فعل میں مداخلت نہ کریں۔ کیونکہ قانون ملک جب کسی شخص کو کسی جائز کام کرنے کی اجازت دیتا ہے تو دوسروں کو اس کے دائرہ عمل میں مداخلت کرنے سے باز رکھتا ہے۔ لیکن ایسی صورتوں میں فی الواقع حقدار کو ایک نہیں بلکہ دو حق عطا کئے جاتے ہیں۔ اور اس طرح کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ جہاں انسان کو آزادی عمل تو حاصل رہتی ہے۔ لیکن اس کو ایسے حقوق نہیں عطا کئے جاتے جن سے اس کی آزادی کی حفاظت ہو یعنے ایک شخص کو قانونی آزادی عمل حاصل رہتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کو کوئی ایسا حق عطا نہیں کیا جاتا جس کی بناپر وہ دوسروں کو اپنے کام میں دخل دینے سے روک سکے۔ مثلاً اگر مجھکو کوئی مالک اپنی زمین پر سے گزرنے کی اجازت دے تو مجھکو اس زمین پر سے چلنے کا حق پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس حق سے مراد آزادی ہے نہ کہ ایسا حق جو مجھے حاصل ہے۔ اور جس کے مقابلہ میں ایک فرض مالک زمین پر عائد کیا گیا ہے۔ اس لئے اگرچہ مجھکو اس کی زمین پر سے

آمد و رفت کرنے کی آزادی مل جاتی ہے۔ لیکن میرے اس فعل کے روکنے کے لئے مالک زمین کو بھی آزادی حاصل ہے۔ اجازت کا صرف اس قدر اثر ہوسکتا ہے کہ اس کے سبب سے جو فعل ناجائز قرار پاسکتا تھا وہ جائز ہو جاتا ہے۔ اور جو حق مجھکو اس طرح حاصل ہوتا ہے وہ میرے عمل جائز کے لئے ایک قسم کا اضافہ ہے۔ اور میں زیادہ آزادی سے وہ کام کرسکتا ہوں۔ اسی طرح امین کو جائداد امانت کے انتظام و اہتمام کے متعلق مامون لہم سے معاوضہ پانے کا حق ہے۔ مگر اس حق کا مفہوم بھی آزادی ہے۔ امین کا اپنی خدمت کے لئے معاوضہ طلب کرنا نہ ممنوع ہے۔ اور نہ مامون لہم پر اس کی ادائی فرض ہے۔ ایسا ہی ہر ایک رعیت سلطنت غیر کو قلمرو برطانیہ کے حدود میں داخل ہونے کا حق ہے۔ اور اس مقولہ میں بھی حق کا مفہوم آزادی ہے لیکن سلطنت کو کے انتظامی عہدہ داروں کو شخص مذکور کے اندرون حدود داخل ہونے کی نسبت منع کرنے کا بھی حق حاصل ہے[1]۔ اگر میں کہوں کہ مجھکو اپنے ملک کے برباد اور ضائع کرنے کا حق ہے تو اس کے محض یہ معنی نہیں کہ میرے فعل میں دوسروں کو دخل دینے سے منع کیا گیا ہے۔ یا اگر دوسرے اشخاص مجھکو میرے ملک کے برباد کرنے سے روکیں تو ان کے لئے ناجائز ہے۔ بلکہ اس قول کا صحیح مطلب یہ ہے کہ میں اپنی شئے سے جس طرح چاہوں سلوک ہوسکتا ہوں۔ اور میرا فعل سلوک ناجائز نہیں ہے۔ ایسا ہی اگر میں کہوں کہ مجھکو ارتکاب سرقہ کا حق نہیں ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر دوسرے لوگ ارتکاب سرقہ سے مجھکو روکیں تو ان کے واسطے جائز ہے۔ بلکہ اس قول کا منشا یہ ہوگا کہ اگر میں اس مال کو لے لوں جو میرا نہیں ہے تو میرا فعل خلاف قانون اور ناجائز سمجھا جائے گا[2]۔

---

[1] مس گرد بنام کائے (۱۸۹۱ء) اپیل کیسیز (مقدمات مرافعہ) صفحہ ۲۷۲۔

[2] حق اور آزادی میں جو فرق ہے اس کے متعلق دیکھو تصانیف بنتھم جلد ۳ صفحہ ۲۱۷ اسٹاردی بنام گراہیم (۱۸۹۹ء) کوئینز بنچ جلد ا صفحہ ۲۱۳۔ اس مقدمہ میں چیف جسٹس صاحب ...

فصل ۱۶ اختیارات

اب ہم حقوق قانونی کی تیسری قسم کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو اختیارات کہلاتی ہے۔ اس کے متعلق تمثیلات ذیل پیش کیئے جاتے ہیں۔ اختیار وصیت (وصیت کرنے کا اختیار) اختیار انتقال جائداد۔ مرتہن کا اختیار بیع بابت جائداد مرہونہ، مالک زمین کا حق دخل مکرر شرط مندرجہ پٹہ کی خلاف ورزی کی صورت میں پٹہ دہندہ اپنی زمین پر قبضہ کرلیکر پٹہ گیرندہ کو بیدخل کرسکتا ہے) ہر ایک شخص کا اپنی زوجہ متوفیہ کی ہمشیر سے نکاح کرنے کا حق، اپنی تائید میں فیصلہ عدالت حاصل کرنے کا ہر ایک شخص کا حق جو حق دعوی کہلاتا ہے، بوجہ فریب معاہدہ کو فسخ کرنے کا حق اختیار موصی بنسبت تقرر۔ (امناد و صیاء) تعمیل فیصلہ کی بابت اجرائے حکمنامہ کا اختیار اور وہ تمام اختیارات جو ججوں اور دوسرے عہدہ داروں کے فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے عطا کئے جاتے ہیں۔ یہ تمام اختیارات جن کا ذکر تمثیلات میں کیا گیا ہے اصل میں حقوق قانونی ہیں۔ یعنے ایسے فوائد ہیں جن کو قانون ملک نے تسلیم کیا ہے یا بالفاظ دیگر یہ ایسے فوائد ہیں جو اس قانون کے ذریعہ سے عطا کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ حقوق ان دو قسموں کے حقوق سے جن کے متعلق فصول سابقہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے بالکل مختلف ہیں۔ اگرچہ ان حقوق میں اور آزادیوں میں یک گونہ مشابہت ہے لیکن یہ ان حقوق سے جو مخصوص اور صحیح معنوں میں حقوق کہلاتے ہیں بالکل جداگانہ ہیں۔ کیونکہ ان حقوق کے مقابلہ میں جیسا کہ پہلی قسم کے حقوق کی ضد فرائض سمجھے جاتے ہیں فرائض نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً اگرچہ مجھکو وصیت کرنے کا حق ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں دوسروں پر کوئی فرض عائد نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- خیالات قابل مطالعہ ہیں۔ اٹکن بنام ٹلٹڈ (۱۸۹۶ء) اپیل کیسیز صفحہ ۲۹ جس میں صاحب جسٹس اور صفحہ ۹۰ پر پیٹرری صاحب جسٹس کے اقوال قابل غور ہیں۔ انکے علاوہ ہسٹن کا نظریہ قانون موئلفہ بروَن دیکھنا چاہیئے۔

کیا گیا ہے ۔ یعنے میرے اس حق کی ضد کوئی فرض نہیں ہو سکتا ۔ مرتہن کو اختیار بیع تو ہے مگر اس کے مقابلہ میں راہن پر کسی قسم کا فرض نہیں عائد کیا گیا ۔ حالانکہ زر رہن کے پانے کے متعلق جو اس کو حق دیا گیا ہے اس کی یہ کیفیت نہیں ہے ۔ یہ دوسرا حق فی الواقع حق ہے اختیار نہیں ہے ۔ قرضہ میں اور حق دعوئے وصولیابی قرضہ میں فرق ہے ۔ قرضہ تو حقیقت میں ایسا حق ہے جس کو حق کے مخصوص اور صحیح مفہوم کے لحاظ سے حق کہا جا سکتا ہے ۔ اور اس کے مقابلہ میں مدیون پر ادائی کا فرض لگایا گیا ہے ۔ مگر وصول قرضہ کے دعویٰ کا حق اصل میں ایک اختیار قانونی ہے ۔ اور اس کے مشابہ یعنے اسکے مقابلہ میں مدیون پر ادائی دین کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے ۔ بہرحال جو فرق ان دونوں حقوق میں ہے وہ اس امر سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ میعاد کے عارض ہونے سے دائن کا بذریعۂ دعویٰ عدالت وصول دین کا حق زائل اور ساقط ہو جاتا ہے لیکن قرضہ اسی طرح باقی رہتا ہے ۔

بہرکیف ان مثالوں سے جو فرق ہم دکھلانا چاہتے ہیں وہ بخوبی ثابت ہے ۔ اور اختیار ان حقوق سے ایک بالکل جداگانہ شئے ہے ۔ جن کا تعلق پہلی قسم کے حقوق سے ہے ایسا ہی اس میں اور دوسری قسم کے حقوق میں جو آزادیاں کہلاتی ہیں اختلاف عظیم ہے ۔ مثلاً میرے اس قول کا مفہوم کہ مجھکو وصیت کرنے کا حق ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ میرا فعل وصیت ناجائز ہے ۔ یا میرا وصیت نہ کرنا جائز ہے ۔ بلکہ اس مقولہ کا اصل میں یہ مطلب ہے کہ میں وصیت کر سکتا ہوں اور میرا وصیت کرنا موثر ہو سکتا ہے ۔ یعنے مجھے وصیت کرنے کا اختیار حاصل ہے ۔ اسی طرح اگر میں کہوں کہ مجھے اپنی چچا زاد یا ماموں زاد بہن سے نکاح کرنے کا حق ہے تو اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس طرح کے نکاح کرنے سے میں ازروئے قانون بے قصور سمجھا جاتا ہوں ۔ بلکہ اس جملہ کا مطلب ہے کہ میرا اپنی چچا یا ماموں زاد بہن سے شادی کرنا قانوناً جائز ہے ۔ یعنے میرا یہ حق آزادی نہیں بلکہ اختیار ہے ۔ علیٰ ہذالقیاس مالک زمین کا اپنے آسامی کی زمین پر دخل مکرر کرنے کے حق کا منشا یہ نہیں

ہو سکتا کہ اس زمین پر اس کا قبضہ ہونے سے اس سے کوئی قصور یا جرم صادر نہیں ہوتا - بلکہ اسامی کے قبضہ کے ہٹ جانے اور مالک کا دخل ہونے سے پٹہ موثر طور پر خود بخود ختم ہو جاتا ہے[1]-

اختیار کی تعریف اس طرح کیجا سکتی ہے کہ اختیار ایک قسم کی قابلیت ہے جو قانون ملک کی جانب سے ایک شخص کو بدیں غرض عطا ہوتی ہے کہ وہ اپنے یا دوسرے اشخاص کے حقوق، فرائض، ذمہ داریوں یا دوسرے تعلقات قانونی کو اپنی مرضی اور ارادہ سے ختم اور منقطع کر سکے[1]۔ اختیارات کی دو قسمیں ہیں - ایک وہ جن کا تعلق عہدہ داران سلطنت سے ہے - اور دوسرے وہ اختیارات ہیں جو رعایا کو فرداً فرداً حاصل رہتے ہیں - پہلی قسم کے

---

[1] عموماً اختیار کے ساتھ مختار کو اپنے اختیار پر عمل کرنے کی آزادی بھی حاصل رہتی ہے یعنے صاحب اختیار کا فعل محض موثر نہیں بلکہ جائز سمجھا جاتا ہے - لیکن ہر ایک شکل میں اختیار کے ساتھ آزادی کا رہنا لازم نہیں ہے - کیونکہ اکثر صورتوں میں صاحب اختیار کا فعل موثر ہونے کے باوجود ناجائز خیال کیا جاتا ہے - مثلاً اگر میں اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے اس اجازت نامہ کو جو میں نے ایک شخص کو میری زمین پر قابض ہونے کے متعلق دیا ہے فسخ کر دوں تو میرا اس اجازت کو فسخ کرنا ممکن اور موثر ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میرا یہ فعل ناجائز سمجھا جائیگا - اور اس بنا پر مجھے شخص مجاز کو ہرجہ ادا کرنا پڑے گا - اگرچہ مجھکو اپنی اجازت منسوخ کرنیکا حق (بمعنی اختیار) ہے - لیکن مجھکو اس طرح کا حق تنسیخ (بمعنی آزادی) حاصل نہیں ہے - ووڈ بنام لیڈ بیٹر میسن اور ولزبی جلد ۱۳ صفحہ ۸۳۸ کیری سن بنام اسمتھ (۱۸۹۷ء) کوئینز بنچ جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ ہرچند قانون اور نصفت کے الحاق و انضمام سے ووڈ بنام لیڈ بیٹر کی نظیر اب کالت پیشہ لوگوں کے لئے اس قدر مفید نہیں رہی - چنانچہ اس کے متعلق تفصیل سے ججوں نے ہرسٹ بنام پکچر تھیٹرز (القصویر کے تماشے دکھلانے والی کمپنیاں) (۱۹۱۵ء) کنگز بنچ جلد ۱ صفحہ ۱ میں بصراحت تحریر فرما دیا ہے - لیکن اختیارات اور آزادیوں کے فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اب بھی اس نظیر کا حوالہ دیا جاتا ہے - اور اس اختلاف و فرق کی جس خوبی سے اس فیصلہ کے ذریعہ سے مثال دیجا سکتی ہے اس کے لئے کوئی دوسری نظیر اس قدر موزوں نہیں معلوم ہوتی -

اختیارات ان اشخاص سے متعلق ہیں جن کے ہاتھ میں زمام حکومت رہتی ہے۔ اور جو سلطنت کے وضع قوانین عدالت اور انتظامی فرائض کو انجام دیتے ہیں۔ لہذا نوع اول کے لئے اختیارات سرکاری۔ اور نوع دوم کے واسطے اختیارات شخصی (خانگی) کی اصطلاحات تجویز کی جاتی ہیں۔ اس تقسیم سے ظاہر ہے کہ شخصی یا خانگی اختیارات سے مراد وہ اختیارات ہیں جو کسی سلطنت کی رعایا کو ان کے ذاتی نفع اور مفاد کی غرض سے عطا کئے جاتے ہیں۔ اور ان اختیارات پر عمل کرنے میں ان کی حیثیت نائبین یا قائم مقامان سلطنت کی نہیں ہوتی اختیار اصل میں ایک ایسی اہلیت یا قدرت ہے جس کے ذریعے سے ایک شخص دوسرے اشخاص کے یا اپنے تعلقات قانونی کو ختم و منقطع کرتا ہے۔ ان میں سے پہلی قسم کے اختیار کو یعنے وہ اختیار جو شخص کو دوسروں پر حاصل رہتا ہے عرف میں اقتدار (اور حکومت) کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا اختیار جو ایک شخص کو اس کی ذات پر حاصل ہوتا ہے اہلیت یا قدرت کہلاتا ہے[1]۔

قانون ملک کی جانب سے جو فوائد امتیازات (مراعات) یا حقوق اہل ملک کو عطا ہوتے ہیں ان کی تین مخصوص قسمیں ہیں جن کا مفصل بیان اس میں اور اس کے پہلے کی فصلوں میں کیا گیا ہے اور جن کا بغرض تفہیم بالاجمال اس فقرہ میں مع تمثیلات اعادہ کیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی مرضی کے موافق کسی فعل کو کر سکتا ہو۔ اور قانون ملک نے اس کے عمل کو مقید نہ کیا ہو بلکہ اجازت دی ہو تو اس اجازت کو اس شخص کے لئے آزادی عمل یا محض آزادی سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر ملک کا قانون اس شخص کی مرضی اور ارادہ کے موثر ہونے میں اس کی عملاً مدد کرتا ہے تو اس شخص کا فعل اختیار کہلاتا ہے۔ لیکن جب قانون ملک ایک شخص کی تائید میں دوسرے اشخاص کی آزادی کو محدود کر دیتا ہے تو اس کو حق کے مخصوص اور تنگ مفہوم کے لحاظ سے حق کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر میرے

---

[1] اختیارات اور دیگر اقسام حقوق میں جو فرق ہے اس کے متعلق دیکھو ونڈشیڈ جلد ا فصل ۳۷ سری صفحہ (۱۰۰)

فعل سے کسی کو مضرت نہ پہنچے اور میرا فعل جائز سمجھا جائے تو وہ آزادی ہے۔ اور جو کام کہ میں موثر طور سے کر سکتا ہوں (یعنے میرا فعل با مداد قانون اثر پذیر ہوتا ہے) وہ میرا اختیار ہے۔ اسی طرح تنگ معنوں کے لحاظ سے میرا حق وہ فعل ہے جس کا دوسرے اشخاص کو میرے فائدہ کی غرض سے بجا لانا لازم ہے۔ چنانچہ میں باجازت قانون ملک اپنی آزادیوں پر عمل کرتا ہوں۔ اور اسی قانون کی عملی امداد سے جب میں اپنی مرضی اور ارادہ کی تکمیل کرتا ہوں تو میں اپنے اختیار سے کام لیتا ہوں۔ دوسرے اشخاص کے افعال پر میرے فائدہ کی غرض سے قانون ملک کی جانب سے جو نگرانی قائم ہوتی ہے میں اس کی بدولت اپنے حقوق سے مستفید اور متمتع ہوتا ہوں۔[1][2]

---

[1] ہم نے حقوق کی جو حقوق (بلحاظ مفہوم مخصوص و تنگ) آزادیوں اور اختیارات میں تقسیم کی ہے وہ مکمل نہیں ہے۔ اور نہ ہمارا منشا اس کو مکمل بنانے کا ہے۔ قانون ملک نے اہل ملک کو جو منافع اور فوائد عطا کئے ہیں ان میں یہ تین اقسام فوائد سب سے زیادہ اہم ہیں۔ لیکن ان تین قسموں پر ان کل فوائد کا حصر نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بعض ایسے فائدے بھی قانون مذکور سے لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں جن کی اس قدر اہمیت نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً کبھی لفظ حق معافی یا استثنا کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنے اگر ایک شخص کے اختیار قانونی کے اثر سے دوسرا شخص مستثنیٰ یا معاف کیا جائے تو وہ رعایت اس شخص کا حق سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً ہر ایک امیر انگلستان کا حق کہ اس کے جرائم کی تحقیقات کسی عدالت مجاز میں ہونے کے عوض اس کے ہم مرتبہ اُمرا کے ذریعہ سے کیجاتی ہے۔ غور کرنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ لفظ حق کا مفہوم اس مقولہ میں بلحاظ معنائے مخصوص نہ حق ہے۔ اور نہ آزادی و اختیار۔ بلکہ اصل میں ان امرا کو تحقیقات بذریعہ جوری سے معافی دی گئی ہے۔ یعنے ان لوگوں کو معمولی فوجداری عدالتوں کے اختیارات سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

[2] مسٹر ہیری نے اپنی کتاب موسومہ اصول انگلو امریکن قانون (چھاپہ فلاڈلفیا ۱۸۸۲ء) میں حق قانونی کے تصور کے متعلق نہایت محنت سے تحقیق کی ہے۔ اور اکثر دقیق و نازک

فصل ۱۲ فرض، عدم قابلیت اور مستوجبیت

ہر چند حق کا ضد فرض ہے۔ لیکن جس طرح حق اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے ان کل جائدادوں پر حاوی ہے جو قانون ملک کی جانب سے اہل ملک کو عطا کی جاتی ہیں۔ اور جس طرح اس لفظ کو اس کے مختلف انواع کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اصطلاح فرض بطور جنس اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ نکات بیان کئے ہیں۔ اگرچہ تصنیف کا نظری اصول قانون سے تعلق ہے لیکن انگلستان میں لوگ اس سے بہت ہی کم واقف ہیں۔ اس کتاب میں حقوق کی چار قسمیں قرار دی گئی ہیں (دیکھو باب ششم صفحات از ۱۰۴ تا ۱۳۸) اور مصنف نے ان کے حسب ذیل نام تجویز کئے ہیں۔ (۱) اجازتی حقوق (جن کو ہم نے آزادیوں سے تعبیر کیا ہے) (۲) اقتداری حقوق (جن کے لئے اختیارات تجویز کیا ہے۔) (۳) حقوق التزامی (فرائض کے التزام کے لحاظ سے مصنف مذکور نے اس اصطلاح کو مقرر کیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں اس قسم کے حق کے لئے لفظ حق اس کے مخصوص اور تنگ معنوں میں استعمال کیا گیا ہے) (۴) حقوق زیر حمایت۔ لیکن میرے نزدیک حقوق کی اس چوتھی قسم کی ضرورت نہیں۔ اور نہ میں حقیقت میں اسکو تسلیم کر سکتا ہوں۔ اگر مسٹر ٹیری کے مطلب کو سمجھنے میں مجھ سے غلطی نہ ہوئی تو میں خیال کرتا ہوں کہ حقوق زیر حمایت سے ان کی مراد حقوق نہیں ہے۔ بلکہ موضوعات حقوق یعنی وہ اشیا ہیں جن پر لوگوں کو حقوق قانونی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً جان و مال، نیکنامی، آزادی، متعلقین خانہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایسی اشیا ہیں کہ جن سے ان کے مالکوں یا اشخاص متعلق کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور اس لئے جب قانون ملک اس قسم کے فائدہ کی نسبت دوسرے اشخاص پر فرائض عائد کر کے ان کی حمایت اور حفاظت کرتا ہے تو وہ فوائد اشخاص متعلق کے لئے حقوق بنجاتے ہیں۔ بہر حال قانون کی امداد اور حمایت کے بغیر اس طرح کا فائدہ کسی شخص کے واسطے حق متصور نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حق نیکنامی بغیر اپنے التزامی فرض کے کہ ایک شخص کو کسی ایسے بیان کی اشاعت کی اجازت نہیں ہے جو دوسرے کے حق میں مزیل حیثیت عرفی ہو بذات خود حق نہیں ہے۔

متعدد انواع پر حاوی نہیں ہے۔ اور نہ اس کا اس طرح استعمال ہو سکتا ہے۔
بہرحال قانون کی جانب سے جو بار انسان پر ڈالا گیا ہے اس کے تین انواع ہیں۔
فرض، عدم قابلیت، مستوجبیت (ذمہ داری) فرض سے مراد عدم آزادی ہے۔
اور عدم اختیار کو عدم قابلیت کہتے ہیں۔ لیکن صاحب اختیار یا صاحب آزادی
کے مقابلہ میں قانون جس شخص پر کوئی قید لگاتا ہے وہ مستوجب (ذمہ دار) کہلاتا ہے
اور جو بار کہ اس پر ڈالا جاتا ہے وہ مستوجبیت کہلاتی ہے۔ ذیل کی تمثیلات سے
اس قسم کی مستوجبیت کی نوعیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ جو آزادیوں کے
مقابلہ میں عائد کیجاتی ہے۔ مداخلت بیجا کرنے والے کا مقام مداخلت سے
بجبر نکالدیے جانے کے لئے مستوجب ہونا۔ بقایائے زر مالگزاری کے لئے
اسامی کے سامان اور اسباب کا قابل قرقی ہونا۔ اور اسی طرح پڑوسی کے
مکان کی دیوار بلند ہونے سے یا اس کی تعمیر یا اس کی زمین کے کھودنے سے
اس کے متصل مکان کی روشنی یا بنیاد کو جو صدمہ پہنچتا ہے اس کے لئے
اس مکان کے مالک کا متحمل ہونا یعنے ان مثالوں میں ایک شخص کی آزادی
اور دوسرے کی مجبوری کی حالت دکھلائی گئی ہے۔ پس ایسی صورتوں میں
جس شخص کو قانون نقصان مال و آبرو برداشت کرنے کا مستوجب قرار
دیتا ہے اسی پر ان امور کا بار عائد ہوتا ہے۔ اختیارات کے مقابلہ میں جو
مستوجبیت عائد کیجاتی ہے۔ اس کی ذیل کی مثالوں سے تصریح کردیجاتی ہے
مالک کے دخل کر دینے سے اسامی کے پٹہ کا ختم ہونا، مرتہن کا راہن کی جائداد کو
بیع کرنے کا اختیار اور اس کے مقابلہ میں جائداد مرہونہ کا عذرداری بیع متصور
ہونا، مدیون ڈگری کا اپنے خلاف حکم تعمیل کے جاری کئے جانے کے لئے
مستوجب ہونا۔ اور حسب قانون انگلستان۔ زوجہ کا بے عصمتی کی وجہ سے
طلاق پانے کے لئے مستوجب ہونا۔ افعال ناجائز کے ارتکاب سے مرتکب
کے خلاف جو مستوجبیت پیدا ہوتی ہے وہ دوسری قسم کی ذمہ داریوں میں
سب سے زیادہ اہم ہے۔ فعل ناجائز کا ارتکاب یا جرم سمجھا جاتا ہے
یا پامالی حق۔ پہلی شکل میں مرتکب کے مقابلہ میں فوجداری کارروائی اور دوسری

شکل میں ہرجہ کی نالش کی جاتی ہے - بہرحال اس قسم کی مستوجبیت کے مقابلہ میں اس شخص کو جس کے خلاف فعل ناجائز کا ارتکاب کیا جاتا ہے دو قسم کا اختیار حاصل ہے - ایک نالش ہرجہ - اور دوسرا نالش فوجداری کا اختیار - ظاہر ہے کہ لفظ مستوجبیت اس محل پر اس کے تنگ اور مخصوص معنوں میں استعمال کیا گیا ہے - مستوجبیت ایک التزامی لفظ ہے - اور چارۂ کار قانونی کی ضد ہے - چنانچہ اس مفہوم کے لحاظ سے مستوجبیت ذمہ داری کی مرادف ہے - لہٰذا ذمہ داری بھی دو قسم کی ہے - ذمہ داری ازروئے قانون دیوانی - اور ذمہ داری ازروئے قانون فوجداری - یعنے جب ایک شخص کو نالش دیوانی کا حق پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں دوسرے شخص پر ذمہ داری دیوانی طرز کی ذمہ داری اور جب پہلے شخص کو حق استغاثہ یا حق نالش فوجداری حاصل ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ میں دوسرے شخص پر فوجداری طرز کی ذمہ داری عائد کیجاتی ہے - [۱و۲]

---

[۱] اگرچہ انگریزی زبان کے محاورے کے لحاظ سے جس فرق کو ہم نے فرض اور مستوجبیت (ذمہ داری) کے متعلق بیان کیا ہے وہ بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا - مگر حقیقت حال اس کے برعکس ہے - ہرچند یہ کہنا کہ ہر ایک شخص پر اپنے دین کی ادائی واجب ہے محاورۂ زبان کے لحاظ سے صحیح ہے - تاہم اس مقولہ کا حقیقی مفہوم اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ اگر ادائی قرضہ کا دعوی کیا جائے تو مقروض دعویٰ کئے جانے کا مستوجب ہے - انگریزی زبان میں لفظ مستوجبیت کو اس طرح استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بطور جنس اپنے دوسرے تمام انواع فرائض کے لئے مستعمل نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ مقولہ کہ کوئی شخص قتل عمد کے ارتکاب کا مستوجب یا ایک شخص دوسرے کو قرضہ دینے کا مستوجب نہیں ہے - خلاف محاورہ ہے -

[۲] ہم نے حقوق یا فوائد قانونی کی تین قسمیں بیان کی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم وہ نوع حقوق ہے جو فرائض کا مقابل سمجھی جاتی ہے - اور چونکہ اس قسم کے حقوق اس قدر مفید و ضروری ہیں کہ ان کو قانون ملک کا لب لباب یا موضوع خاص سمجھنا چاہئے -

خلاصہ

فعل ناجائز کی ماہیت۔
افعال جو قانوناً اور افعال جو اخلاقاً ناجائز سمجھے جاتے ہیں۔
ماہیت فرض۔
فرائض جن کا تعلق اخلاق سے اور فرائض جن کا تعلق قانون سے ہے۔
ماہیت حق۔
فوائد یا مرافق۔
ایسے قاعدۂ قانون کے ذریعہ سے ان کی حفاظت اور حمایت کیجانا جس کا حق سے تعلق ہو۔
حقوق و مرافق۔
اخلاقی اور قانونی حقوق۔
حقوق اخلاق سے انکار۔
التزام حقوق و فرائض۔
حقوق کا فرائض کے بغیر ہونا ممکن نہیں۔
فرائض کا حقوق کے بغیر ہونا ممکن نہیں۔
تصور حق قانونی کے اجزائے ترکیبی۔
(۱) محق یا حقدار۔
(۲) شخص مستوجب الفرض۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور ان کے مقابلہ میں دیگر اقسام حقوق ضمنی متصور ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کتاب میں آیندہ جہاں کہیں لفظ حق نظر آئے اس سے ہماری مراد وہ حق ہوگی جو مخصوص اور تنگ مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بجز اس صورت کے جہاں سیاق عبارت اس کے خلاف ہو۔ اور جہاں کہیں ہمارا منشا حقوق کی دوسری قسم سے ہوگا تو ہم ان کے لئے اُن کے مخصوص نام استعمال کرینگے۔

(۳) مضمون یا مطلب حق۔

(۴) موضوع حق (شئے جس پر حقدار کا حق ہو)

(۵) ماخذ حق۔

موضوعات حقوق

(۱) اشیائے مادی۔
(۲) ذات شخص۔
(۳) نیک نامی (شہرت)
(۴) متعلقین خانہ (زن وشوہر اور اولاد)
(۵) حقوق دیگر۔
(۶) جائداد غیر مادی۔
(۷) خدمات۔

حقوق جن کو وسیع یا جنسی معنوں کے لحاظ سے حقوق کہا جاتا ہے۔
ہر ایک قسم کا فائدہ جس کو قانون ملک نے عطا کیا ہو۔

(۱) حقوق (بلحاظ مفہوم مخصوص وتنگ) جن کا ملزوم فرائض ہے۔
(۲) آزادیاں۔ ملزوم ذمہ داریاں۔
(۳) اختیارات۔ ملزوم ذمہ داریاں۔

(۱) حقوق (بلحاظ مفہوم مخصوص وتنگ) وہ امور جن کو دوسروں کو میرے لئے کرنا چاہیئے۔
(۲) آزادیاں۔ میں اپنے لئے جن امور کو اگر چاہوں تو کر سکتا ہوں
(۳) اختیارات۔ امور جن کو میں دوسرے اشخاص کے خلاف اور اُن کے مقابلہ میں کر سکتا ہوں۔

گیارھواں باب

انواع حقوق قانونی

فصل ۴۸ حقوق کامل و ناقص

ہر چند عدل گستری کرنے میں قانون ملک کا اہل ملک کے تمام حقوق و فرائض کو تسلیم کرنا ایک معمولی بات ہے۔ لیکن اس تسلیم کرنے کے اغراض و اثرات مختلف صورتوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ قانون ان حقوق و فرائض کے وجود کو مانتا ہے۔ اس کی ایک ہی غرض نہیں ہے۔ اس لئے حقوق و فرائض کی دو قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔ کامل و ناقص۔ حق کامل سے مراد وہ حق ہے جس کی ضد ایک فرض کامل قرار دی گئی ہو۔ اور فرض کامل اس فرض کو کہتے ہیں جس کو قانون ملک نہ محض تسلیم کرتا ہو۔ بلکہ اس کے ذریعے سے اس فرض کی جبراً تعمیل بھی کرائی جاتی ہو۔ جب کسی فرض کی خلاف ورزی کے متعلق دعویٰ یا کوئی دیوانی یا فوجداری کارروائی کی جا سکتی ہو اور جو فیصلہ کہ اس ضمن میں مدعی علیہ کے خلاف صادر کیا جائے۔ اور بوقت ضرورت اسکے خلاف سلطنت جبراً اس کی تعمیل کرا سکتی ہو تو وہ فرض قابل تعمیل کہلاتا ہے[1]۔

---

[1] ہم نے الفاظ تعمیل جبری کو ان کے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے جسکی وجہ سے اس اصطلاح کے مفہوم میں دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کی جبری قانونی کارروائیاں شامل ہیں لیکن اس کا ایک دوسرا مخصوص اور تنگ مفہوم ہے۔ اور اس بنا پر اس اصطلاح کا استعمال دیوانی طرز کی کارروائیوں سے مختص ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی

بہرحال فرض کے کامل ہونے کی عام شناخت اس کی تعمیل جبری ہے۔ اگر قانون ملک کسی حق کو تسلیم کرے تو اسے معمولی صورتوں میں شخص مستوجب الفرض کے خلاف بحالت ضرورت آخری چارۂ کار یعنے تعمیل جبری سے کام لینے میں کبھی تامل نہیں ہوتا۔ قانون میں لازم ہے (Ought) کے معنی واجب اور فرض عین (Must) کے لئے جاتے ہیں۔ اخلاقاً جس بات کا کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ قانون اس امر کو شخص مستوجب الفرض سے بجبر انجام دلاتا ہے۔ اگرچہ تمام ترقی یافتہ نظامات قانونی میں اس طرح کے حقوق و فرائض ہیں جن کو قانون ملک تسلیم کرتا ہے۔ لیکن وہ تمام حقوق و فرائض اس مخصوص قسم کے نہیں ہیں جن کی تعمیل بجبر منجانب قانون کرائی جا سکتی ہو۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:- دیوانی طرز کی عدل گستری کی تعریف کرنے میں تعمیل جبری کو انہی مخصوص معنوں میں استعمال کیا ہے یعنے یہ بیان کیا گیا ہے کہ عدالتہائے دیوانی کی غرض تعمیل حقوق ہے۔ اور فوجداری طرز کی عدل گستری کا منشا یا فوجداری عدالتوں کے قیام سے سلطنت کی غرض افعال ناجائز کے مرتکبین اور مجرمین کو سزا دینا ہے۔ بہرحال تعمیل جبری سے مراد کسی حق یا فرض کو برقرار و بحال رکھنا ہے۔ وسیع مفہوم کے لحاظ سے اس اصطلاح کا استعمال دیوانی اور فوجداری دونوں نوع کی چارہ جوئی کے لئے اور تنگ و مخصوص معنوں کے لحاظ سے اس کا استعمال محض دیوانی طرز کی چارہ جوئی کے واسطے کیا جاتا ہے۔ تعمیل حق اور تسلیم حق میں جو فرق دکھلایا گیا ہے اس کے متعلق تصادم قوانین مولفۂ مسٹر ڈائسی صفحۂ ۳۱ طبع دوم دیکھنا چاہیئے۔

[1] ہم نے اس مقام پر جو لفظ ناقص (یا نامکمل) تجویز کیا ہے اس کا تعلق محض حقوق و فرائض قانونی سے ہے اور ہم نے حق ناقص یا فرض ناقص جو لکھا ہے اس سے ہمارا مراد اخلاقی حق یا فرض کا ناقص ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح کے حق اور فرض سے ہمارا منشا حق و فرض قانونی ہے۔ لیکن اکثر مصنفین نے ایسے ناقص یا نامکمل فرائض کا ذکر کیا ہے جن کا اصول قانون سے نہیں بلکہ اخلاق سے تعلق پایا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے خیال کے موافق فرض ناقص ایک ایسا فرض ہے جسکی تعمیل عدالتوں کو نہ کرانی چاہیئے۔

حقوق ناقص اور غیر مکمل کے متعلق تمثیلات ذیل درج کی جاتی ہیں۔

دعاوی جن پر تمادی عارض ہوگئی ہو۔ بعض ایسے دعوے جن کے متعلق قانون نے کسی مخصوص قسم کے ثبوت کی ضرورت قرار دی ہو۔ مثلاً کسی دستاویز کا ازروئے قانون نالش کے ساتھ پیش کیا جانا لازمی ہو۔ اور اس قسم کی دستاویز نہ مہیا ہوسکتی ہو۔ سود پانے کے دعوے جو تمسکات کی بنا پر فرمانرواؤں یا غیر سلطنتوں کے مقابلہ میں کئے جاتے ہیں۔ ایسے دعاوی جن میں شئے مدعوہ کسی عدالت کے حدود ارضی سے خارج ہو۔ مثلاً جس شخص کی زمین ملک غیر میں واقع ہے وہ اپنے ملک کی عدالت مجاز میں اس کے متعلق نالش نہیں دائر کرسکتا۔ اور دیون وصی وصول طلب اس جائداد سے جس کا اہتمام اس کے سپرد کیا گیا ہو ان تمام صورتوں میں حقوق اور ان کی ضد جو فرائض ہیں وہ کل کے کل ناقص ہیں۔ اگرچہ حقداران حقوق کے

(تعلیقہ صفحہ گذشتہ) ۔۔۔ بلکہ اس کو شخص مستوجب الفرض کی مرضی پر چھوڑ دینا لازم ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو اس کی پابندی کرے۔ اس کے برعکس ان کے نزدیک فرض کامل ایسا فرض ہے کہ نہ صرف اخلاقاً ایک شخص پر اسکی تعمیل لازم ہے۔ بلکہ اس کی تعمیل کے لئے وہ انصافاً اور قانوناً مجبور کیا جاسکتا ہو۔ مثلاً محتاجوں کو جو خیرات دینے کا فرض ہے وہ فرض ناقص ہے۔ مگر ادائی دین کا فرض فرض کامل ہے۔ فرائض کامل کا عدل وانصاف سے اور نوائض کا خیر وخیرات سے تعلق ہے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ جو فرق بتلایا گیا ہے وہ اس فرق کے مساوی نہیں ہے جو فرائض اخلاقی اور فرائض قانونی میں پایا جاتا ہے کیونکہ بعض ایسے فرائض کامل بھی ہیں جن کو قانون ملک تسلیم نہیں کرتا ہے۔ اس کے برعکس ان فرائض کو جو خیر وخیرات سے متعلق ہیں نامنصفانہ طور پر قانون جبر کا ذریعہ یعنے فرائض کامل قرار دے سکتا ہے۔ بہر حال فرائض کی اس طرح مستقل اور بین طریقہ سے تقسیم کرنا بعید از عقل معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ اور ان سب تعقیبات پر مسٹر اسپنسر نے اپنی کتاب اصول اخلاق میں فرائض کی اس طرح تقسیم کرنے کی نسبت نہایت قابل تعریف کوشش کی ہے۔

حصول کے متعلق دعویٰ نہیں کرسکتا لیکن اس پر بھی یہ قانونی حقوق و فرائض ہیں۔ کیونکہ قانون ملک ان کو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ انگلستان میں جو قانون میعاد سماعت نافذ ہے اس میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ کچھ مدت کے بعد کسی شخص کا دین ساقط یا کالعدم ہوجاتا ہے۔ بلکہ اس میں یہ حکم ہے کہ ایک معینہ مدت کے بعد دین کے حصول پانے کا دعویٰ ساقط ہوجاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس طرح کے دعوے کی سماعت کے واسطے مدت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا ان دلائل سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ عروض تمادی کی بنا پر کوئی حق ساقط اور زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی وجہ سے ایک اعلیٰ درجہ کے حق کی شان میں کمی ہونے سے وہ ادنیٰ درجہ کا حق بن جاتا ہے۔ یعنے حق کامل کا حق ناقص میں شمار ہوتا ہے۔ دوسرے اغراض کے نظر کرنے سے وہ حق جس پر تمادی عارض ہوگئی ہو صحیح اور جائز مانا جاتا ہے۔ لیکن اس کی تعمیل اور نفاذ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اس شخص کا حق دعویٰ جس کا مال ناجائز طور پر اس سے روک لیا گیا ہو۔ اور وہ چھ سال تک واپس پانے سے متعلق عدالت میں نہ رجوع ہوا ہو زائل ہوجاتا ہے۔ برایں ہم وہ اس مال کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی ملکیت برائے نام نہیں ہوتی۔ کیونکہ ارجاع نالش کے سوائے اور بھی تدابیر ہیں جن کے ذریعہ سے وہ بامداد قانون ملک اپنی مملوکہ شئے پر قبضہ اور تصرف حاصل کرسکتا ہے۔ بہرحال حقوق ناقص کو اس مقولۂ قانونی کے کہ جہاں حق ہے وہاں چارۂ کار ہے سے مستثنیات سمجھنا چاہئے۔ حق ناقص بذات خود حق کامل سے ایک جداگانہ شئے نہیں ہے۔ بلکہ دونوں ایک قسم کے حق ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حق ناقص کی صورت میں جو تعلق اور ربط حق اور اس کے دعوے میں ہوتا ہے وہ کسی خاص وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر حق باقی رہتا اور زائل نہیں ہوتا ہے۔

ہر ایک ملک کی مخصوص اور مختلف ضرورتوں کی بنا پر وہاں کا نظام قانونی بنتا ہے۔ اور ہر ایک نظام قانونی میں ملکی مصالح اور ضرورتوں کے

لحاظ سے بعض حقوق ناقص تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے جن حقوق ناقص کو ایک ملک کا قانون تسلیم کرتا ہے انھی کو دوسرے ملک کا قانون نہیں مانتا۔ بہرحال اس مقام پر ان ضرورتوں اور اغراض کے متعلق تفصیل سے بحث کرنا غیر مفید ہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں چند ایسے اسباب بیان کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اہم اور عام اصول پر مبنی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اکثر ملکوں کے قوانین میں حقوق ناقص مانے جاتے ہیں۔

(۱) اگرچہ کسی حق ناقص کا بنائے دعویٰ قرار پانا ممکن نہیں۔ لیکن وہ بخوبی بنائے جواب دہی ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر میں کسی بے ضابطہ معاہدہ کی بنا پر دعویٰ نہ کرسکوں۔ اور اگر اس قرارداد کے سلسلہ میں مجھے روپے یا قیمت وصول ہوجائے یا کوئی مال میرے حوالہ کیا جائے اور اس کی واپسی کے لئے مجھ پر دعویٰ کیا جائے تو میں اپنے حق ناقص کو جواب دہی میں پیش کرکے مقدمہ میں کامیاب ہوسکتا ہوں۔

(۲) حق ناقص کے ذریعہ سے کفالت متعلقہ قائم رہتی ہے۔ مثلاً رہن یا گرو کے ذریعہ سے جو روپیہ قرض لیا جاتا ہے۔ اور اگر اس پر میعاد عارض ہوجائے تو وہ بذریعۂ دعویٰ نہیں وصول کیا جاسکتا[1]۔ لیکن جو کفالت بشکل رہن یا گرو اس کے متعلق دی گئی تھی وہ باقی رہتی ہے۔ یعنے شئے مکفولہ رہن اور گرو کے اثر سے خارج نہیں ہوسکتی۔ اور اگر عرض تمادی کے بعد مدیون زر قرضہ ادا کردے تو رہن یا گرو خود بخود زائل ہوجاتا ہے۔

(۳) بعض حقوق ناقص میں حقوق کامل بننے کی قابلیت ہوتی ہے۔ ان کے متعلق جو دعویٰ کرنے کا حق ہے وہ ساقط نہیں ہوتا۔ بلکہ ساکت و صامت رہتا ہے۔ مثلاً تحریری ثبوت کے ہم دست ہونے سے اس بے ضابطہ معاہدہ کی بابت دعویٰ ہوسکتا ہے جو بانتظار شہادت مذکور

---

[1] فیصلۂ یکطرفہ مقدمۂ شیل چانسری ڈیویژن صفحہ ۷۸۹۔ لندن اور مڈلینڈ بنک بنام رمچل (دسمبر ۱۸۹۹ء) چانسری جلد ۲ صفحہ ۱۶۱۔

نہ کیا گیا ہو۔ اسی طرح اگر مدیون کی جانب سے اس قرض کی ادائی میں جس پر میعاد عارض ہوی ہو کچھ روپیہ دائن کو وصول ہوجائے یا مدیون بعد عروض تمادی دوبارہ اس قرضہ کو تسلیم کرے (یعنے اس کے متعلق رسید لکھدے) تو قرضہ کی دوبارہ حق کامل کی سی شان ہوجاتی ہے۔

فصل ۹۱ حقوق بمقابلۂ سرکار کی نوعیت قانونی

جس طرح رعایا ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنے حقوق کا دعوی کرتی ہے اسی طرح ہر ایک رعیت بمقابلۂ سرکار اپنے حق کا ادعا کر سکتی ہے۔ جو طریقہ کہ قانون میں حصول و طلب حقوق کا بتلایا گیا ہے اس کے مطابق رعیت سلطنت پر دعوی کرکے اپنے حقوق کو قانون سے منوا سکتی۔ اور ان کا تصفیہ اپنے حق میں کرا سکتی ہے۔ اور اگر سرکار کی جانب سے رعیت کے حقوق کی پامالی یا خلاف ورزی ہو تو رعیت کو ہرجہ دلانے کا فیصلہ صادر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس فیصلہ کی جبراً تعمیل نہیں کرائی جا سکتی۔ سلطنت بالکل اپنی مرضی اور بغیر کسی جبر اور دباؤ کے جن امور کو بمقابلۂ رعایا اپنے لئے فرض قرار دیا جانا مناسب خیال کرتی ہے وہی امور سلطنت کے لئے بمقابلۂ رعایا فرائض متصور ہوتے ہیں۔ اور ان فرائض کی وہ اپنی خوشی اور رغبت سے اپنے پر تعمیل کرتی ہے۔ جو قوت قانون کی ہے وہی قوت سلطنت کی ہے۔ لہذا سلطنت اپنی قوت کو اپنے خلاف بغرض تعمیل حقوق رعایا استعمال نہیں کر سکتی۔ اور اس لئے حقوق رعایا بمقابلۂ سرکار ناقص اور غیر مکمل سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ قانوناً تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لیکن بامداد قانون ان کی تعمیل نہیں ہوسکتی۔

چونکہ حقوق بمقابلۂ سرکار کی بامداد قانون جبراً تعمیل نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو حقوق غیر قانونی سمجھنے میں اکثر مصنفین نے مغالطہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کے قبل بذریعۂ بحث اس بات کو سمجھا دیا ہے کہ

حق قانونی کی اصطلاح کی اس طرح تنگ لفظوں میں تعریف نہ کرنی چاہیئے۔ کہ اس کا صرف ایسے حق پر اطلاق ہو سکے جس کی تعمیل بجبر کرائی جاتی ہو۔ اور اس کے مفہوم میں دوسرے انواع حقوق نہ شامل ہو سکتے ہوں۔ بلکہ اس اصطلاح میں بلحاظ تعریف ان کل امور کو شامل کر لینا چاہیئے جن کو ازروئے قانون عدالتیں تسلیم کرتی ہیں۔ اور یہ بنظر سہولت وازروئے منطق جائز ہے۔ جس طرح ایک رعیت کے تمام حقوق دوسری رعیت کے مقابلہ میں قانونی نہیں ہو سکتے اسی طرح رعایا کے تمام حقوق سرکار کے مقابلہ میں قانونی نہیں ہیں۔ یعنے بعض حقوق قانونی اور بعض غیر قانونی ہیں۔ حقوق قانونی سے مراد ایسے حقوق ہیں جن کا تصفیہ عدالتیں بپابندی اصول وضابطہ کرتی ہیں۔ اور جن کی پامالی یا خلاف ورزی کی صورت میں حقدار کو کوئی مناسب دادرسی یا معاوضہ دلاتی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کی رائے اس خیال کے خلاف ہے۔ اور جو لوگ اس حق یا فرض کو جس میں سرکار مدعی علیہ قرار پاتی ہے حق قانونی یا فرض قانونی نہیں مانتے۔ وہ ہمارے نزدیک نہ صرف غلطی پر ہیں بلکہ قانون اور عرف میں جو چیزیں حقوق و فرائض کہلاتی ہیں۔ اور جو قیاس و تصور ان کے متعلق تمام دنیا کا ہے اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ جس طرح ایک قانون داں شخص اس معاہدہ کو جو سرکار اور رعیت کے درمیان طے ہوتا ہے قانونی حقوق و فرائض کا ماخذ سمجھتا ہے۔ اسی طرح ایک غیر قانون داں شخص اس معاہدہ کو ان حقوق و فرائض کا مصدر خیال کرتا ہے۔ اور پہلے شخص کے نزدیک اس معاہدہ کی جو حیثیت ہے اور جو نتائج اس سے مستخرج ہوتے ہیں اس کے خیال میں وہی حیثیت اس معاہدہ کی ہے۔ اور وہی اثرات اس سے پیدا ہوتے ہیں جو معمولی یا غیر سرکاری دو شخصوں کے درمیان قرار پاتا ہے۔ اس دوسری قسم کے معاہدہ کی نسبت ایک شخص غیر قانون داں کے بھی وہی خیالات ہو سکتے ہیں جو ایک قانون داں کے ہیں۔ یعنے دونوں قسموں کے معاہدوں کو خواہ وہ رعیت اور سرکار کے مابین یا رعیت اور رعیت کے

درمیان قرار دیے گئے ہوں قانون داں اور غیر قانون داں اشخاص ایک نظر سے دیکھتے۔ اور دونوں کو ایک ہی قسم کے حقوق و فرائض کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ کانسلز (Consols) کے قابض کا حق جس طرح حق قانونی ہے اسی طرح کسی پبلک کمپنی کے ڈبنچر کے قابض کا حق قانونی حق ہے۔ اساتذۂ متذکرہ کا قول کہ حقوق خلاف سرکار کا وجود سرکار کی مرضی اور خوشنودی پر منحصر ہے۔ اور اس لئے وہ حقوق قانونی نہیں ہوسکتے کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ان حقوق کے سوائے جس قدر دوسرے حقوق قانونی ہیں ان سب کی یہی کیفیت ہے۔ اور ان کو اس لئے حقوق قانونی کہا جاتا ہے کہ سلطنت اپنی مرضی اور رغبت سے نہ کسی دوسرے کے جبر سے انھیں تسلیم کرتی ہے۔

حقوق خلاف سرکار کو حقوق قانونی ماننے کے لئے ذیل کی دلیل سے کوئی دوسری بہتر دلیل نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر عدل گستری سلطنت کی اصطلاح میں ان عدالتی کارروائیوں (یعنے دعاوی) کا شامل کرنا صحیح جائز ہے جس میں سلطنت فریق ثانی یا مدعی علیہ قرار پاتی ہے تو حقوق خلاف سرکار کو حقوق قانونی کہنا صحیح ہے۔ ہم نے سابق کے کسی ایک باب میں اُن امور کو بالتفصیل بیان کیا ہے جن پر عدل گستری شامل ہے۔ اور اس طرح عدل گستری کے حدود قائم کر دیے گئے ہیں۔ لہذا اگر عدالتی کارروائیاں عدل گستری کے مفہوم میں صحیح طور پر داخل ہوسکتی ہیں تو وہ اصول جن کا اطلاق ان کارروائیوں پر کیا جاتا ہے حقیقت میں قانون اور ضابطہ کے صحیح اصول ہیں۔ اور جو تعریف کہ قانون کی کی گئی ہے اس سے ان اصول کی مطابقت ہوتی ہے۔ اور اس لئے وہ حقوق جن کی تعریف ان قانونی اصول کے ذریعہ سے کی جاتی ہے حقیقت میں حقوق قانونی ہیں۔ ہم نے جس باب میں عدل گستری کے متعلق بحث کی ہے۔ اس میں بہ دلائل اس امر کو ثابت کیا ہے کہ عدل گستری کے مفہوم میں صرف انصاف اور اس کی تعمیل جبری داخل ہیں۔ بلکہ حکام عدالت کے تمام فرائض عدالتی

شامل ہیں - بہرحال انگریزی زبان میں اصطلاح عدل گستری ان معنوں میں
عموماً استعمال کی جاتی ہے - اور اس سے انحراف کرنے کی کوئی وجہ نہیں
معلوم ہوتی - اور نہ اس پر کوئی منطقی اعتراض وارد ہو سکتا ہے -

فصل ۸ حقوق مثبت و منفی

بلحاظ مضامین و مطالب یا موضوعات حقوق کی دو قسمیں ہیں
مثبت و منفی - فرض مثبت کے مشابہ اور مماثل حق مثبت ہے - اور اس سے
مراد ایسا حق ہے جس کی وجہ سے شخص متوجب الفرض پر اس کے حقدار کے
فائدہ کے لئے کسی فعل کا انجام دینا واجب و لازم ہے - حق منفی مماثل
اور مشابہ فرض منفی کا اور اس سے مراد ایسا حق ہے جس کے باعث
اس شخص کو جس پر اس حق کا فرض عائد کیا گیا ہے اس فعل کے ارتکاب
سے احتراز کرنا واجب ہے جس سے حقدار کو نقصان اور ضرر پہنچتا ہے
افعال ناجائز میں بھی اسی طرح امتیاز کیا جاتا ہے - فعل ناجائز مثبت
یا فعل ناجائز متعلق بہ ارتکاب اس فعل کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کسی فرض منفی
کی خلاف ورزی ہو اور کسی حق منفی کی پامالی ہوتی ہو - حق منفی کی بنا پر اس
حقدار کا حالات موجودہ کو برقرار رکھنا اور ان کے تغیر کو روکنا اپنے
حق و جواز سمجھا جاتا ہے - اور اس کے برعکس جس شخص کو حق مثبت حاصل ہو
وہ حالات موجودہ کو اپنے فائدہ کی غرض سے بدلنے کا
خیال کیا جاتا ہے - پہلی قسم کا حق ایسا حق ہے جس سے [illegible] دو
سروں سے محفوظ رہنا ہے - ہر ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کی جان و مال
اور [illegible] کی جائے [illegible] قسم کا [illegible] اسی طرح سے
حق [illegible] منفی [illegible] ہیں - اور دوسری قسم کا [illegible] حق [illegible]
دوسرے اشخاص [illegible] حق [illegible]
[illegible] حق کی بنا [illegible] حق [illegible] قسم کی [illegible]
[illegible] منفی ہے - اور دوسرے حق کی وجہ سے [illegible]

دوسرا یہ ہے کہ اس شئے میں جو فی الحال اس کی ملک ہے اضافہ کرانے کا جواز مستحق ہوتا ہے۔

ہر ایک حق کی بنیاد ایک نہ ایک حقیقی اور اصلی فائدہ ہے۔ اور فی الاصل حقوق کی بنیاد جو اصلی اور حقیقی نفع ہے وہ اس قسم کا ہے جس کے قائم اور محفوظ رکھنے کے لئے حقدار کو دوسرے اشخاص کی ہمدردی اور اعانت کی ضرورت ہے۔ ایسے حقدار کو صرف اس کی ضرورت رہتی ہے کہ دوسرے اشخاص اس کو اپنے حق سے متمتع اور مستفید ہونے دیں۔ اور اس کے تصرف وغیرہ میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں اس کے برخلاف حق شخصی کی ایک جداگانہ کیفیت ہے۔ چونکہ اس حق کی بنیاد جس فائدہ اور نفع پر رکھی گئی ہے وہ بذات خود اس قابل نہیں ہے کہ دوسروں کی عملی اور موثر امداد کے بغیر حقدار اپنے اس نفع سے بخوبی متمتع ہو سکے۔ اس لئے پہلی صورت میں حقدار اور اس کے حق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یعنی حقدار کو اس کے موضوع حق سے براہ راست تعلق ہے۔ اور اس وجہ سے اس کو اپنے حق سے متمتع ہونے میں صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ دوسرے اشخاص اس میں مخل نہ ہوں۔ اور ان دونوں کے تعلق بلاواسطہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کریں۔ لیکن اس صورت میں حقدار کو اپنے موضوع حق سے بالواسطہ تعلق ہوتا ہے۔ اور اس لئے وہ دوسروں کی اصلی اور عملی امداد کے بغیر اپنے حق تک نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً میرا حق ان روپوں پر جو میری جیب میں ہیں پہلی قسم کے حق کی مثال ہے۔ اور میرا حق ان روپوں پر جو میرے مدیون کی جیب میں ہیں دوسری قسم کے حق کی مثال ہے۔

اس فصل میں حقوق کی جو دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اور اس بنا پر ان میں جو امتیاز کیا جاتا ہے اس کو محض قیاس سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ عملی نقطۂ نظر سے بھی حقوق میں اس طرح فرق کرنا نہایت مفید اور ضروری ہے۔ سلطنت کے لئے قانون کے ذریعہ سے انسداد جرائم میں زیادہ آسانی

اور ضرورت ہے بہ نسبت اس کے کہ سلطنت قانون بنا کر ایک شخص کو صریح نفع پہنچانے کی غرض سے دوسروں کو مجبور کرے۔ اور اس لئے افعال مضرت رساں متعلق بہ ارتکاب کے واسطے ذمہ داری کا عام قاعدہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنے انھی افعال ناجائز کے مرتکبین مستوجب سزا اور جوابدہی کے ذمہ دار خیال کئے جاتے ہیں جن سے دوسروں کے حقوق کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس کے برعکس ان افعال کے واسطے جن کا ترک کرنا ناجائز سمجھا جاتا ہے شاذ و نادر ہی تارک فعل پر ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے۔ اس مقام پر ایک عام کلیہ بیان کر دینا مناسب ہے۔ دوسروں کو ضرر پہنچانے سے احتراز کرنا ہر ایک شخص کا فرض ہے۔ لیکن دوسروں کو نفع پہنچانے میں پابندی کرنا مخصوص چند اشخاص کے سوائے سب پر فرض نہیں ہے۔ ایک شخص دوسرے کو ضرر پہنچانے کا (از روئے قانون) مجاز و مستحق نہیں ہے۔ بجز ان صورتوں کے جن میں قانون نے ضرر پہنچانے کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن ایک شخص دوسرے کو فائدہ پہنچانے کے واسطے بھی مجبور نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ بعض مخصوص اشخاص پر دوسروں کو نفع پہنچانے کا فرض عائد کیا گیا ہو۔ ہر ایک شخص کو اس امر کا حق ہے کہ دوسرے اشخاص حالات موجودہ کو اس طرح نہ بدلیں جس سے اس کو ضرر پہنچتا ہو۔ ایک شخص کے حقوق میں دوسروں کو دخل دینے کا اختیار نہیں ہے۔ لیکن مخصوص حالات اور مخصوص وجوہ کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے شخص کے خلاف حق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرا شخص پہلے شخص کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اشیاء کی حالت موجودہ میں تبدیل پیدا کرے۔ مثلاً مجھے یہ حق حاصل ہے کہ کوئی شخص مجھکو کنوئیں میں نہ گرائے۔ یا پانی میں گرا کے ہلاک نہ کرے۔ لیکن پانی میں سے نکالے جانے کے متعلق اگر کوئی حق مجھکو ہوسکتا ہے تو صرف ان چند معین اشخاص کے مقابلہ میں جن پر کہ اس طرح سے میری مدد کرنا مخصوص وجوہ سے فرض گردانا گیا ہے۔

فصل ۱۸ حقوق متعلق اشیاء اور حقوق بمقابلہ اشخاص
(حقوق بالتعمیم و حقوق بالتخصیص)

جو فرق کہ حقوق متعلق اشیاء اور حقوق بمقابلۂ اشخاص میں ہے وہ اگرچہ ہو بہو وہی فرق نہیں ہے جو حقوق مثبت و منفی میں ہے لیکن اس فرق سے جدا بھی نہیں ہے۔ اس فرق کی وجہ ان حقوق کے فرائض ملزوم کے محل وقوع کا مختلف ہونا ہے۔ حق متعلق شئے اس فرض کا مقابل اور ضد ہے جو کافۂ انام پر عائد کیا جاتا ہے۔ اور حق بمقابلۂ شخص اس فرض کا ضد ہے جو معین اور منفرد اشخاص پر عائد کیا جاتا ہے۔ حق متعلق شئے اس کے حقدار کو تمام دنیا کے مقابلہ میں حاصل رہتا ہے۔ اور حق بمقابلۂ شخص محض مخصوص اشخاص کے مقابلہ میں حاصل رہتا ہے۔ ان دونوں قسم کے حقوق میں جو اختلاف ہے وہ قانون میں نہایت اہم اور مفید خیال کیا جاتا ہے۔ اور تمثیلات ذیل سے بخوبی اس فرض کی توضیح ہو سکتی ہے۔ مجھکو اپنے کھیت پر بلا مداخلت غیرے جو قبضہ رکھنے کا حق حاصل ہے وہ حق متعلق شئے ہے کیونکہ اس میرے حق میں مداخلت نہ کرنے کے متعلق ایک یا چند مخصوص اشخاص پر نہیں بلکہ تمام دنیا پر فرض عائد کیا گیا ہے۔ اور میں اپنے اس حق کی بنا پر کافۂ انام کے مقابلہ میں دادخواہی کر سکتا ہوں۔ لیکن اس کے برخلاف اگر میں اپنے کھیت کا پٹہ کسی اسامی کو دیدوں تو مجھے صرف پٹہ گیرندہ کے مقابلہ میں زر مالگزاری (یا زر لگان) وصول پانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور میں اپنے اس دوسرے حق سے صرف پٹہ دار کے مقابلہ میں فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ ایسا ہی اور انھی دلائل کی بنا پر مجھے جو حق قبضہ اور تصرف اپنے کھیت کے روپیوں پر ہے وہ حق بھی متعلق شئے ہے لیکن مجھکو اپنے مدیون سے رقم قرضہ وصول پانے کا جو حق ہے وہ حق بمقابلۂ شخص ہے

مجھے اپنی آزادی (عمل و حرکت جسمانی) اور نیکنامی برقرار رکھنے کا حق ہر ایک شخص کے مقابلہ میں ہے۔ اور کوئی شخص مجھکو ان حقوق سے محروم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ چونکہ یہ دونوں حقوق مجھکو تمام دنیا کے مقابلہ میں حاصل ہیں اس لئے وہ حقوق متعلق بہ اشیاء یا حقوق عام ہیں لیکن ان کے برعکس اگر میں حبس بیجا میں رکھا جاؤں یا میری ازالہ حیثیت عرفی کی جائے تو میں اپنے حقوق آزادی اور نیکنامی کی پامالی کے متعلق صرف ان اشخاص کے مقابلہ میں دعوے کر سکتا ہوں جنھوں نے ان افعال ناجائز کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اس لئے میرے یہ حقوق حقوق بمقابلہ اشخاص (یا حقوق بالتخصیص) ہیں۔ مجھے اپنے مکان کے قبضہ اور استعمال کا جو حق حاصل ہے وہ حق متعلق شئے ہے۔ لیکن سرا میں ٹھیرنے اور جگہ پانے یعنے منزل گزیں ہونے کا جو حق مجھے حاصل ہے وہ حق بمقابلہ شخص ہے۔

پس حق متعلق شئے ایک ایسا مفاد ہے جسکی تمام دنیا کے مقابلہ میں حفاظت اور حمایت کی گئی ہے۔ اور حق بمقابلہ شخص ایک ایسا نفع ہے جس کی معین اشخاص کے مقابلہ میں حمایت کی جاتی ہے۔ اور یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہے کہ جو فرق ان دونوں قسم کے حقوق میں قرار دیا گیا ہے وہ نہایت مفید اور ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قانون ملک ایک شخص کے نفع کی تمام دنیا کے مقابلہ میں حفاظت و حمایت کرے تو اس کو اس حمایت سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ بہ نسبت اسکے کہ اس کے نفع کی بمقابلہ چند اشخاص معینہ حمایت کی جائے۔ چنانچہ موجد اور مخترع کا حق جو اپنے اختراع کی بدولت تمام دنیا کے مقابلہ میں اجارہ لے لیتا ہے۔ زیادہ قابل قدر ہے اور اس سے اس کے مالک کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ بہ نسبت اس مشتری کے حق کے جو کسی تجارتی حسن ظن کو خرید لیتا ہے جس حق کی صرف بائع کے مقابلہ میں حمایت کی جاتی ہے۔ اور محض بائع اس تجارت میں مشتری سے مقابلہ کرنے سے روک دیا جاتا ہے مثلاً اگر میں کوئی جانور یا مال یعنے جائداد منقولہ خرید کروں تو میرے ذہن میں

قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میرا حق ملکیت جو اس شئے کے خریدنے سے مجھے حاصل ہوتا ہے کس قسم کا ہے کیا قانون میرے اس مفاد کی ہر ایک شخص کے مقابلہ میں یا صرف اس شخص کے مقابلہ میں جس نے اس کو میرے ہاتھ فروخت کیا ہے حمایت کرتا ہے۔ چنانچہ رہن اور کفالت جائداد غیر منقولہ کی جتنی اشکال ہیں ان سب کی اصلی غرض یہی ہے کہ حق بمقابلہ شخص میں جو متعلق شئے کا اضافہ ہو جانے سے پہلی قسم کے حق کی جو بذات خود نامکمل ہوتا ہے تکمیل ہو جاتی ہے۔ اور حقدار کو ان چیزوں سے جو حق ثانی میں مضمر ہیں مستفید ہونے کا موقع ملے۔ اس کے علاوہ جس طریقہ سے ان دونوں قسم کے حقوق پیدا اور زائل ہوتے ہیں اس میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ چونکہ حق بغرض متعلق شئے کا منشا یہ ہے وہ کافۂ انام پر عائد کیا جاتا ہے۔ یا نامحدود اور غیر معین اشخاص اس کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق مختلف طریقوں سے بحث کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور نہ اس کی ایک سے زیادہ قسمیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن حق بمقابلہ شخص پر مختلف نقطۂ خیال سے بحث ہو سکتی ہے۔ اور اس کی مختلف اقسام بھی ہیں۔

جس فرق کے متعلق ہم بحث کر رہے ہیں۔ وہ اس فرق کے بہت مشابہ ہے جو حقوق مثبت اور منفی میں پایا جاتا ہے۔ تمام حقوق متعلق اشیا منفی ہیں۔ لیکن چند مخصوص حقوق خلاف اشخاص کے سوائے جو منفی ہیں باقی تمام ایسے حقوق مثبت ہیں۔ حقوق متعلق اشیا اور حقوق منفی میں جو اس طرح کی مشابہت ہے اور حقوق خلاف اشخاص اور حقوق مثبت میں جو مطابقت قائم ہے اس کا سبب دریافت کرنا بالکل آسان ہے۔ حق متعلق شئے جو تمام دنیا کے مقابلہ میں حاصل ہوتا ہے اس کا منشا صرف اس قدر ہے کہ حقدار کے استفادہ حق میں کوئی دوسرا شخص مداخلت نہ کرنے پائے۔ تمام دنیا اس کے حق میں خلل نہ ڈالنے کے لئے رضامند ہو جائے لیکن کسی شخص کو اپنے حق کے قیام کے لئے تمام دنیا سے عملی اور موثر امداد لینے کا قانونی حق

حق نہیں ہے۔ اس لئے ایسے فرائض جن کے حامل کافۂ انام ہیں وہ صرف فرائض منفی ہیں۔ ہمارے اس بیان پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ اگرچہ رعایا کے لئے حق مثبت کا حاصل کرنا ممکن ہے لیکن سلطنت کو اسکی رعایا کے خلاف اس قسم کا حق حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً سلطنت اگر کسی قسم کا محصول جاری کرتی ہے تو رعایا میں سے ہر ایک شخص پر اس کی ادائی فرض ہے۔ اور اسی طرح مردم شماری کے متعلق جو احکام منجانب سلطنت جاری ہوتے ہیں اُن کی تعمیل میں ملک کے ہر ایک باشندے کو اپنے متعلقین کی اور ملازمین کی تعداد کا بتلانا لازم ہے۔ کیا ان فرائض کے حامل عوام نہیں ہیں۔ اور اس پر بھی کیا یہ فرائض مثبت نہیں سمجھے جاتے ہیں؟ اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس شکل میں سلطنت کا حق متعلق شئے نہیں بلکہ خلاف شخص ہے۔ محصول وصول کرنے کا حق دراصل ایک حق نہیں ہے بلکہ جس سلطنت میں جس قدر محصول ادا کرنے والے ہوتے ہیں اسی قدر حقوق اس سلطنت کو محصول ادا کرنے والوں کے خلاف حاصل رہتے ہیں۔ مثلاً اگر میرے ذمہ کے محصول آمدنی کے مبلغ دس پونڈ سلطنت کو وصول طلب ہوں تو سلطنت کو میرے خلاف وہی حق حاصل ہو سکتا ہے جو میرے کسی ایک دائن کو اس کے قرضہ کی بابت میرے مقابلہ میں حاصل ہے۔ بہر حال اس تمثیل میں جن دو حقوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت ایک ہی نوعیت کے حقوق ہیں یعنے حق خلاف شخص اور مجھ ہی پر کیا منحصر ہے میرے ساتھی دوسرے جس قدر باشندے ہیں اگر ان سب کے ذمہ بھی یہ محصول واجب الادا ہو تو سلطنت کے اس حق کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جس رقم کی ادائی میرے ذمہ ہے اسکی ادائی کے میرے ساتھی دوسرے باشندے ذمہ دار نہیں قرار دیئے جاسکتے اور جس رقم کی ادائی کے وہ ذمہ دار ہیں اس کی ادائی کے لئے میں ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ اس محصول وصول یابی کے متعلق سلطنت کو جو حق حاصل ہے وہ حق متعلق شئے نہیں ہے۔ یعنے اُس حق کا موضوع شئے

نہیں ہے جس کی وجہ سے سلطنت تمام دنیا کے مقابلہ میں اپنا حق نہیں منوا سکتی ہے۔ بلکہ فی الحقیقت اس کو ایسے معین محصول کے ادا کرنے والوں کے مقابلہ میں جن کی تعداد نہایت کثیر ہے وہ بشمار حقوق حاصل ہیں جو حقوق خلاف اشخاص کہلاتے ہیں۔ اس کے برعکس سلطنت کو جو یہ حق حاصل ہے کہ کسی شخص کو وہ کسی سرکاری زمین پر اخلت بیجا نہ کرنے دے۔ اصل میں ایک ایسا مفاد ہے جس کی حمایت تمام دنیا کے مقابلہ میں کی گئی ہے۔ اور اس لئے وہ ایک منفرد حق متعلق شئے ہے۔

حق متعلق شئے بذات خود واحد اور منفرد حق ہے، ایک چیز کے متعلق انسان کو دو حق نہیں بلکہ ایک ہی حق حاصل ہوتا ہے۔ اور اس لئے حق متعلق شئے کی وحدت اپنے موضوع لہ کے واحد ہونے پر منحصر ہے۔ چنانچہ حق نیکنامی ایک حق ہے۔ اور اس کا ضد یعنے فرائض جو اس کے مقابلہ میں قرار دیے گئے ہیں وہ لاتعداد ولاتحصا ہیں۔ کیونکہ اس حق کا موضوع تو ایک شئے ہے جس کا ایک ہی حقدار ہوتا ہے۔ اور تمام دنیا کے مقابلہ میں اُس حق کی حمایت کی جاتی ہے۔

ہر چند تمام حقوق متعلق شئے منفی ہیں۔ لیکن بہ تمام حقوق خلاف اشخاص مثبت نہیں قرار دیے جاسکتے۔ گو دوسری قسم کے حقوق کی زیادہ تعداد مثبت ہے۔ لیکن اس قسم کے کل حقوق اس طرح کے نہیں ہیں۔ حقوق میں دست اندازی کرنے کی جو ممانعت کی گئی ہے۔ یعنے فرض منفی کا اثر جو تمام دنیا پر ڈالا گیا ہے اس کا سبب اس کے سوائے کچھ اور نہیں ہے کہ ایک شخص کے حق منفی کو قائم رکھنے کے لئے دوسرے تمام اشخاص کو اس فرض کی پابندی کرنے کی ضرورت ہے۔ بر ایں ہمہ بعض ایسی مخصوص صورتیں پیش آتی ہیں جن کی وجہ سے جو حقوق کہ کسی معاملۂ قانونی کے فریقین کو حاصل ہوتے ہیں وہ تمام کے تمام نہ تو حقوق متعلق شئے اور نہ حقوق خلاف اشخاص قرار پاتے ہیں۔ بلکہ وہ منفی اور حقوق خلاف اشخاص سے مخلوط ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مشکل اکثر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک شخص

بذریعہ معاہدہ دوسرے شخص کے مقابلہ میں اپنے کو اپنی آزادی عمل وغیرہ
سے محروم کرتا ہے۔ قصدًا جبکہ اس قسم کی آزادی اس کے ابنائے جنس کو
حاصل رہتی ہے۔ مثلاً ایک تاجر اپنے تجارتی حسن ظن کو دوسرے تاجر کے
ہاتھ فروخت کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بائع مشتری کے ساتھ اس
تجارت میں جس کے حسن ظن کے متعلق بیعنامہ ہو چکا ہے مقابلہ کرنے
سے محروم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے ہم پیشہ دوسرے تاجر مشتری مذکور
سے تجارت مذکور میں مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح سے از روئے قانون
آزاد سمجھے جاتے ہیں۔ اور مقابلہ تجارتی سے خواہ کمزور تاجر کا کتنا ہی
نقصان کیوں نہ ہوتا ہو لیکن دوسرے مقتدر اور کامیاب تاجروں کے
خلاف جو اس کا مقابلہ کرتے ہیں قانون کمزور کی ہرگز مدد نہیں کرتا۔
ظاہر ہے کہ اس مقابلہ کے لئے اس مثال کے بائع کو قانوناً جو آزادی
حاصل تھی وہ اس کو اپنے قرارداد کی بنا پر کھو بیٹھتا ہے اور جو حق بائع کو
حاصل ہوتا ہے وہ دونوں قسم کا منفی اور حق خلاف شخص ہے۔ اصل میں
یہ ایک اجارہ ہے جس کی تمام دنیا کے مقابلہ میں نہیں بلکہ ایک معین منفرد
شخص کے خلاف حفاظت کی جاتی ہے۔ ہم نے اس فصل میں حقوق کی
جو تقسیم کی ہے اس میں یہ حق شامل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک درمیانی قسم ہے
یعنی ایک قسم کے حقوق تو منفی اور متعلق بہ اشیا ہیں۔ اور دوسری قسم کے
حقوق خلاف اشخاص اور مثبت ہیں۔ لیکن حق مذکور منفی اور خلاف اشخاص
ہے۔ اس لئے اس کو ان دونوں اقسام کی ایک نوع درمیانی سمجھنا چاہئے۔

حقوق متعلق اشیاء (یا حقوق بالتعمیم) کی تعریف میں بطور صفت جو
بیان کیا گیا ہے کہ اس طرح کا حق تمام دنیا کے مقابلہ میں حاصل ہو سکتا ہے۔
اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس حق کے ہم پلہ فرض کا محل وقوع کافۂ انام
ہیں اور حقدار کے حق کا تحفظ کرنا کل انسانوں پر لازم ہے۔ بلکہ اس فرض کا
بار جن لوگوں پر نہیں ڈالا جاتا ہے۔ اور جو اشخاص اس کی پابندی کے لئے
مجبور نہیں ہیں ان کو اس حق کے فرض سے مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح

حق خلاف شخص سے مراد ایسا حق نہیں ہے جو محض کسی ایک شخص کے مقابلہ میں حقدار کو حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کا اصلی مفہوم اسی قدر ہے کہ جس شخص کو اس طرح کا حق حاصل ہوتا ہے وہ کسی ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص کے مقابلہ میں اپنے حق سے فائدہ اٹھا سکتا ہے چنانچہ اگر دوکان (یا فرم) کسی شخص کی مدیون ہو تو اس کا دائن صرف وہی ایک شخص ہے جس نے اس کو قرض دیا ہے۔ حالانکہ اس دوکان یا تجارت کے جس قدر حصہ دار ہیں وہ سب کے سب اس دائن کے مدیون متصور ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ تقسیم حقوق نامکمل اور غیر جامع ہے۔ اور اس بنا پر حق کی جو دو قسمیں (حق متعلق شئے اور حق خلاف شخص) قرار دی گئی ہیں۔ یا فرائض میں جو فرق رکھا گیا ہے کہ ایک فرض وہ ہے جس کا محل وقوع عام اشخاص۔ اور دوسرا فرض وہ ہے جس کا محل وقوع ایک یا چند معین اشخاص ہیں۔ وہ از روئے منطق ناقص ہے۔ کیونکہ اس تقسیم میں ایک درمیانی قسم کے حقوق نہیں داخل ہو سکتے ہیں حالانکہ حقوق کے دو کے بجائے تین اقسام قرار دیے جا سکتے ہیں۔ کیا ان حقوق کا وجود ممکن نہیں ہے جو بجائے تمام افراد سلطنت و قوم یا بجائے معین منفرد اشخاص کے ایسے لوگوں کے خلاف حاصل ہو سکتے ہیں جن کی مخصوص جماعتیں ہیں۔ مثلاً حقوق جو محض اجانب (رعایائے غیر) کے خلاف حاصل ہو سکتے ہیں؟ بہر حال اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے نظام قانونی کے ابواب اور مضامین کی جانچ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تمثیل میں جن فرائض کا ذکر کیا گیا ہے ان فرائض کو قانون نے نہیں قائم کیا ہے۔ اور بالفرض کسی نظام قانونی میں اس طرح کے فرائض کا وجود پایا جائے بھی تو ان کی مقدار اس قدر قلیل ہوتی ہے کہ ان پر "النادر کالمعدوم" کی مثال صادق آتی ہے۔ اور اس تقسیم حقوق میں اس قسم کے حقوق اور ان کے فرائض ملزوم کو عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ بہر حال جن حقوق کو قانون تسلیم کرتا ہے ان کی تقسیم کے لحاظ سے حقوق کی جو دو قسمیں حق متعلق شئے

اور حق خلاف شخص قرار دی گئی ہیں۔ اور جو امتیاز کہ ان حقوق میں قائم کیا گیا ہے وہ صحیح اور جائز ہے۔

حق متعلق شئے اور حق خلاف شخص کے متعلق ان متقدمین نے جنھوں نے قانون روما اور قانون کلیسا کی شرح و تفسیر کی ہے (Jus in rem) اور (Jusin personam) اصطلاحات سب سے پہلے ایجاد کیں۔ جن کے لفظی معنے حق در شئے اور حق در شخص ہیں۔ یعنے پہلی اصطلاح کا مفہوم حق متعلق اور بابت شئے اور دوسری اصطلاح کا مفہوم حق خلاف بالمقابلہ یا شخص ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک حق کسی شئے کے متعلق حاصل ہوتا ہے یعنے حق کے لئے ایک موضوع لہ کا ہونا ضرور ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہی حق کسی ایک شخص کے خلاف یا مقابلہ میں حقدار کو حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی شخص جس پر اس حق کی تعمیل لازم ہے شخص مستوجب الفرض ہے۔ بالفاظ دیگر حصول حق کے سبب سے نہ صرف حقدار اور ایک شئے کے درمیان نسبت پیدا ہوتی ہے بلکہ صاحب حق اور ایک دوسرے شخص میں بھی تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں نسبتیں بظاہر ایک قسم کی ہیں لیکن نوعیت حق کی بنا پر کبھی ایک نسبت کو اور کبھی دوسری نسبت کو فضیلت اور اہمیت دیجاتی ہے۔ چنانچہ حقوق متعلق اشیاء کی بابت تصور قانونی میں حق کو جو شئے سے نسبت ہے وہ زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے۔ اور اس لئے اس قسم کے حقوق محض حقوق در اشیاء (in rem) خیال کئے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف حقوق خلاف شخص کی بابت نسبت جو حق اور شخص کے درمیان ہے وہ اہل نظر کے نزدیک زیادہ قابل لحاظ سمجھی جاتی ہے اور اسلئے ان کو حقوق در اشخاص (Inpersonam) کہتے ہیں۔ حقوق میں چند اسباب کی بنا پر اس طرح فرق کرنا ضرور ہے۔ اولاً یہ کہ حق متعلق شئے ایک ایسی نسبت ہے جو اس حق کے مالک اور ایک غیر معین جماعت اشخاص کے درمیان قائم ہوتی ہے جماعت غیر معین سے ہماری مراد آدمیوں کا ایسا گروہ ہے جن کے افراد میں تمیز کرنا مشکل ہو۔ لیکن حق خلاف شخص ایسی نسبت ہے جو

معین اور مخصوص افراد کے درمیان پیدا ہوتی ہے - اور اس معینہ اور مقررہ تعلق کی وجہ سے شخصی نسبت کو اس قسم کے حقوق میں اہمیت دی جاتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ حق متعلق شئے کا ماخذ عموماً وہ نسبت ہے جو شخص اور شئے کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور اس کے برخلاف حق خلاف شخص کی بنا نسبت یا تعلق شخصی ہے۔ مثلاً اگر قانون ملک مجھے کوئی حق متعلق شئے عطا کرتا ہے تو اس کا سبب وہ مخصوص تعلق اور نسبت ہے جو مجھے اس شئے یعنے میرے حق کے موضوع سے حاصل ہے۔ اس کے برعکس اگر وہی قانون مجھکو ایک حق خلاف شخص عطا کرتا ہے تو اس کی وجہ وہ مخصوص نسبت ہے جو مجھے شخص مستوجب الفرض سے حاصل ہے۔ اس حق کی بنا میرا اور اس شخص کا تعلق ہے جس پر میرے حق کا فرض عائد کیا گیا ہے۔ اگر میں کسی مادی شئے کو بناؤں یا اس کو پڑا ہوا پاؤں یا سب سے پہلے اس پر قابض ہو جاؤں یا کسی دوسرے شخص سے جس کو اس شئے کے ساتھ متذکرہ صدر نسبتوں میں سے کوئی نسبت رہی ہو وہ شئے مجھکو منتقل ہوئی ہو تو مجھکو جو حق اس شئے پر حاصل ہوتا ہے وہ حق متعلق شئے ہے۔ مگر برخلاف اس کے اگر مجھے کسی شخص سے روپیہ وصول پانے کا حق حاصل ہو تو اس کی عام وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میں نے اس سے کوئی معاہدہ کیا ہو گا۔ یا کسی اور طریقہ سے مجھے اس شخص کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہوا ہو گا۔ بہرحال ان اسباب کی بنا پر حقوق متعلق اشیاء میں نسبت جو حقدار اور شئے کے درمیان واقع ہوتی ہے اس پر اور حقوق خلاف اشخاص میں اس نسبت پر جو حقدار اور شخص مستوجب الفرض کے درمیان پیدا ہوتی ہے زور دیا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے پہلی قسم کے حقوق در اشیا (متعلق اشیا) اور دوسری قسم کے حقوق در اشخاص (خلاف اشخاص) ہیں۔

مفسرین قانون روما اور واضعان قانون کلیسا نے سب سے زیادہ عام اور اہم قسم جو حق خلاف شخص کی بتلائی ہے وہ وہی اصطلاح ہے جس کو وہ لوگ حق بطرف شئے (Jus ad rem) کہتے تھے۔ الدحق بطرف شئے

سے ان کی مراد حق ضمنی حق تھی۔ مثلاً اگر مجھکو ایک حق کی بنا پر کوئی دوسرا حق منتقل یا حاصل ہوتا ہو تو وہ میرا حق بطرف شئے کہلاتا تھا۔ ایک حق جب دوسرے حق کا ماخذ ہو تو حق بطرف شئے ہے۔ چنانچہ باب ماسبق میں اس امر کا بصراحت ذکر آ گیا ہے کہ ایک حق دوسرے حق کا موضوع ہو سکتا ہے۔ اور حق بطرف شئے سے متقدمین کی یہی مراد تھی۔ قرضہ معاہدہ بابت انتقال جائداد اور وعدہ کتخدائی اس حق کی مثالات ہیں۔ بہرحال ان مثالوں سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ حق بذریعہ حق سوائے حق خلاف شخص ہونے کے کوئی دوسری شکل نہیں اختیار کر سکتا۔ لیکن اس حق کے ذریعہ سے جو دوسرا حق کہ منتقل ہوتا ہے یعنے حق بطرف شئے کا موضوع لہ حق متعلق شئے یا حق خلاف شخص ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اکثر اوقات وہ حق متعلق شئے ہوا کرتا ہے۔ مثلاً جس طرح میں اپنے قرضہ یا اس نفع کی بابت جو بذریعہ معاہدہ مجھے حاصل ہوا ہے منتقل یا رہن کرنے کا اقرار کر سکتا ہوں۔ اسی طرح مجھے اپنی اراضی یا مال (جائداد منقولہ) کو بذریعہ اقرار منتقل اور رہن کرنے کا اختیار ہے۔

مال یا جائداد منقولہ کے منتقل کرنے کے متعلق جو اقرار کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے حق بطرف حق متعلق شئے (Jus ad Jus in rem) پیدا ہوتا ہے۔ اور جو اقرار انتقال قرضہ یا معاہدہ کی بابت کیا جاتا ہے اس کے ذریعہ سے حق برائے حق خلاف شخص (Jus ad jus in personam) پیدا ہوتا ہے۔ لہ

لہ بعض مصنفین نے حق خلاف شخص کو حق بطرف شئے کا مرادف بتلایا ہے۔ لیکن ہماری رائے میں دوسری اصطلاح کو مفہوم تنگ کے لئے مخصوص کر دینا مناسب ہے۔ تاکہ اس کا استعمال حق خلاف شخص کے طرف ایک نوع کے لئے ہو سکے۔ حالانکہ حقوق خلاف اشخاص کی انواع میں سب سے زیادہ اہم نوع یہی ہے۔ دیکھو نظام قانون مرتبہ سیونی فصل ۵۵ نوٹ (ب)

ظاہر ہے کہ حق متعلق شئے اور حق خلاف شخص کی اصطلاحات مفسرین قانون روما کی ایجاد ہیں اور ان اصطلاحوں کا اس قانون کے اصلی ماخذوں اور واضعوں کی تحریرات میں پتا نہیں چلتا ہے - لیکن جو لوگ زمانۂ مابعد میں قانون روما کے جاننے والے سمجھے جاتے تھے ان لوگوں نے اس فرق و امتیاز کا بخوبی لحاظ رکھا - اور اس بنا پر انھوں نے ملک (Dominum) اور ذمہ (Obligatia) میں بین امتیاز پیدا کر دیا جس کی وجہ سے پہلی اصطلاح (یعنے ملک) جملہ حقوق متعلق شئے اور دوسری اصطلاح (یعنے ذمہ) تمام حقوق خلاف اشخاص پر حاوی ہوگئی - جو نسبت کہ حق متعلق شئے کے مالک (Dominus) اور اس کے حق محصلہ میں واقع ہوتی ہے اس کو ملک کہتے ہیں اور جو نسبت کہ حق خلاف شخص کے مالک یعنے دائن (Creditor) اور شخص مستوجب لفرض میں ہوتی وہ اسکو وجوب یا ذمہ کہتے ہیں - لفظ وجوب یا ذمہ وہ زنجیر قانون ہے جس کے ذریعہ سے دو یا دو سے زیادہ معین اشخاص آپس میں جکڑ دیئے جاتے ہیں لیکن اسکے برعکس زبان انگریزی میں اصطلاح وجوب حقوق خلاف اشخاص کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال (پیرایک ایسے) فرض کے لئے بھی کیا جاتا ہے جو حق متعلق شئے کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رومیوں کے نزدیک ملک اور وجوب کا استعمال محدود تھا - اور وہ لوگ ان اصطلاحات کو محض ان حقوق کے لئے استعمال کرتے تھے جن کا ہم نے اس باب کے پہلے حصہ میں بعنوان حقوق الملکانہ (یا حقوق ملکیت) ذکر کیا ہے - چنانچہ حق آزادی شخصی اور حق نیکنامی ایسے حقوق ہیں جو ان دونوں میں سے کسی ایک اصطلاح کے ضمن میں نہیں آسکتے ہیں - لہذا حق کی جو دو قسمیں حق متعلق شئے اور حق خلاف شخص قرار دی گئی ہیں - ان کا استعمال اس طرح محدود و مخصوص نہیں ہے -

اصطلاحات حق متعلق شئے اور حق خلاف شخص رومی قانون کی اصطلاحات دعوی متعلق شئے اور دعوی خلاف شخص سے مشتق ہوئی ہیں -

دعویٰ متعلق شئے کے ذریعہ سے کسی شئے کی ملکیت حاصل کی جاتی تھی یعنے مدعی بیان کرتا تھا کہ فلاں شئے میری ملک ہے لہذا وہ مجھکو دلا دیجائے یا اس پر سے مدعیٰ علیہ کا قبضہ ہٹا دیا جائے دعویٰ خلاف شخص کے ذریعہ سے وجوب کی تعمیل کرائی جاتی تھی۔ اور ایسے دعوے میں مدعی مدعی علیہ سے روپیہ پانے کا یا کسی معاہدہ یا اپنے کسی اور حق کی تعمیل کا جو مدعی علیہ کے مقابلہ میں اس کو ملتا طالب ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس حق کی بذریعۂ دعویٰ متعلق شئے (منجانب حکومت) حمایت کی جاتی تھی اس کو حق متعلق شئے اور جس حق کی دعویٰ خلاف شخص کے ذریعہ سے حفاظت ہوتی تھی اس کو لوگوں نے حق خلاف شخص کہنا شروع کر دیا۔

فصل ۸۲ حقوق مالکانہ و حقوق شخصی

اب تک حقوق کی جن تقسیموں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں کی ایک مہتم بالشان تقسیم حقوق مالکانہ و حقوق شخصی ہے۔ ادب قانون انگریزی کی بدقسمتی سمجھنی چاہئے کہ اس میں جائداد کے لئے اسٹیٹ (State) اسیٹس (Assets) اور پراپرٹی (Property) تین اصطلاحات استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں کی ایک اصطلاح کے بھی مستقل اور منفرد معنی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تینوں مشترک اور مبہم الفاظ ہیں۔ جائداد سے مراد کسی شخص کے جملہ حقوق مالکانہ ہیں۔ لیکن مناسبت لفظی کے لحاظ سے اس امر میں جرمنوں کے ادب قانون کو انگریزی ادب قانون پر تفوق حاصل ہے۔ چنانچہ پہلے نظام قانون میں مجموعۂ حقوق مالکانہ کے لئے ایک مخصوص اصطلاح ور مدجین (Vermagen) بمعنی جائداد موجود ہے۔ اور حقوق ملکیت کو جرمن زبان میں ورمو جینس رشختے (Vermagens rechte) کہتے ہیں۔ اسی طرح فرانسیسیوں کے یہاں بھی جائداد کے لئے ایک مخصوص اصطلاح پیتری مان

لہ دیکھو گائس انسٹی ٹیوٹس ۴ - ۲

(Patrimaine) ہے بہر حال انسان کے تمام حقوق ملکیت و مالکانہ کو ادب قانون میں جائداد کہتے ہیں۔ اور اس کے برخلاف اسی شخص کے جملہ حقوق شخصی کا نام حیثیت یعنے حالت شخص ہے۔ لہذا ہر ایک شخص کی حیثیت اور اس کی جائداد میں فرق ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اراضی مویشی یا حقوق ایجاد یا کسی تجارتی حسن ظن کا مالک ہو یا کسی کمپنی میں اس کے حصص ہوں یا دوسرے لوگوں کے ذمہ اس کا دین ہو تو ان سب حقوق و اشیاء کا اس کی جائداد سے تعلق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہی شخص آزاد (یعنے کسی دوسرے کا غلام نہ ہو) اور شہری (رعیت حکومت جمہوری) ہے۔ اور اگر کتخدائی اور اولاد ہونے کے سبب سے وہ شوہر اور پدر بن گیا ہے تو اس کے ان جملہ حقوق کا حیثیت یا شان قانونی سے تعلق ہوگا۔

جائداد اور حیثیت کی تعریف پر غور کرنے سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں دراصل کیا فرق ہے؟ ہماری رائے میں اس اختلاف اور فرق کا سبب حقوق مالکانہ کی مالیت ہے۔ اور برعکس اس کے حقوق شخصی کی مالیت نہیں قرار دی جا سکتی۔ پہلی قسم کے حقوق کی رو پیوں میں قیمت قرار پاتی ہے۔ اور دوسری قسم کے حقوق کی روپیوں میں قیمت قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ یعنے حقوق اول کا کسی شخص کی دولت کے اجزا میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور حقوق ثانی پر انسان کی صلاح و فلاح مبنی ہے۔ پہلی قسم کے حقوق نہ صرف از روئے قانون بلکہ معیشتی حیثیت سے بھی قابل قدر ہیں۔ لیکن دوسری قسم کے حقوق کو محض قانونی تفوق حاصل ہے۔

لیکن حقوق کی اس تقسیم کا حقوق متعلق اشیا اور حقوق خلاف اشخاص پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس دوسری قسم کے حقوق کا بشرطیکہ ان کی مالیت قرار پا سکتی ہو آدمی کی جائداد سے تعلق ہے۔ مثلاً جو حق کہ مجھے اپنی جیب کے روپوں پر ہے وہ حق مالکانہ ہے۔ اور اسی طرح میرا وہ حق جو مجھکو اپنے بنک میں جمع کئے ہوئے روپے پر ہے حق مالکانہ ہے۔ اگر کسی شخص کا سرمایہ (اسٹاک) قرضہ جات سرکاری میں لگایا جائے تو وہ اس کی جائداد متصور

ہوتا ہے۔ اور اس میں اور اس کی دوسری جائداد میں جیسا کہ اس کی زمین اور مکانات ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی معاہدہ اور جانور اور شئے جس کی مالیت قرار پا سکتی ہو اس کی جائداد ہو سکتے ہیں۔ برعکس اسکے انسان کی آزادی ذات اور نیکنامی حقوق شخصی ہیں۔ اور اس کا اذیت جسمانی سے محفوظ رہنے کا حق بھی حق مالکانہ نہیں بلکہ اس کا شخصی حق ہے چونکہ ان حقوق کا تعلق انسان کی صلاح و فلاح نہ کہ اس کی دولت سے ہے اس لئے یہ حقوق محض قانونی ہیں۔ اور انسان کے اقتصادیات سے انھیں کوئی تعلق نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس شوہر اور باپ کو زوجہ اور اولاد کے مقابلہ میں جو حقوق حاصل ہیں ان کا شوہر اور پدر کی حیثیت قانونی سے تعلق ہے اور ان حقوق کا شمار ان اشخاص کی جائداد یا ملک قانونی میں نہیں ہو سکتا۔ قانون شخصی پر کیا منحصر ہے۔ اگر آپ قانون عام پر غور کریں تو آپ کو بیشمار حقوق شخصی کا پتا ملے گا۔ چنانچہ مدنیت اور حکومت کیجانب سے افراد ملک کو جو اعزازات و اکرامات اور مناصب و مراتب جلیلہ عطا ہوتے ہیں۔ اور عہدہ دار سرکاری ہونے کی وجہ سے انسان کو جو رتبہ حاصل ہوتا ہے ان کا اور ان مراتب و مدارج کی تمام ذیلی شاخوں کا قانونی حیثیت سے تعلق ہے۔ اور نہ ان کا جائداد (ملک) میں شمار کیا جاتا ہے۔

حقوق مالکانہ اور حقوق شخصی یعنے جائداد اور حیثیت میں جو فرق دکھلایا گیا ہے اس کے متعلق ذیل میں بعض مزید قابل لحاظ امور کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

لہ ہر چند الفاظ حیثیت (Status) اور جائداد (Estate) واحد الاصل ہیں۔ لیکن ادب قانون میں ان کے معنوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔ اور اس فرق و اختلاف کے متعلق تاریخ قانون انگلستان جلد دوم صفحات ۱۰ و ۱۱ (طبع اول) مولفہ پالک اور میٹ لینڈ دیکھنا چاہیئے۔ اصطلاح جائداد (Property) کے دیگر مفاہیم کی نسبت بیسویں باب میں بحث کیجائے گی۔ ۱۲۔

۱۔ صحیح طور پر جن حقوق کو حقوق کہنا چاہیئے صرف ان حقوق کے لئے یہ فرق مخصوص نہیں ہے بلکہ اس طرح سے حقوق کی دوسری قسموں میں بھی اختلاف و امتیاز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک شخص کی جائداد صرف ان قیمتی اور مالیتی دعاوی پر مبنی نہیں ہوتی جن کا وہ دیگر اشخاص کے مقابلہ میں ادعا کر سکتا ہے۔ بلکہ اس کی ملک و جائداد ایسے اختیارات اور آزادیوں پر مشتمل سمجھی جاتی ہے جن کی بذات خود مالیت اور قیمت قرار پا سکتی ہے۔ یا جو اس کے دوسرے قیمتی حقوق میں شامل و داخل سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً مالک زمین (سرکار و جاگیردار و زمیندار) کا اسامی یا پٹہ دار کو بے دخل کر کے دخل یاب ہونے کا حق یا حق دخل مکرر ایک قسم کا حق مالکانہ ہے۔ اور اس میں اور اس کی ملکیت زمین میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح مرتہن کا حق بیع حق مالکانہ ہے۔ اسی طرح اس کی رقم قرضہ جس کے لئے راہن اپنی جائداد غیر منقولہ مکفول کرتا ہے حق مالکانہ ہے۔ اگرچہ عام اختیار تقرر امین حق مالکانہ ہے۔ لیکن وصیت اور معاہدہ کرنے کا اختیار حق شخصی ہے۔

۲۔ جو فرق حقوق مالکانہ اور حقوق شخصی میں ہے اسی قسم کا فرق یا اس کا مثنیٰ شخصی اور ملکی فرائض اور ذمہ داریوں میں نظر آتا ہے۔ مالکانہ کے متعلق جو فرائض اور ذمہ داریاں ہیں ان کا تعلق جائداد سے ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس جائداد کی قیمت اور مالیت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ جس طرح حقوق مالکانہ یا حقوق متعلق بہ ملک سے انسان کو روپیہ ملتا اور اس کا مالی نفع ہے اسی طرح ان فرائض اور ذمہ داریوں سے جو مالکانہ سے متعلق ہیں انسان کی دولت میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ بہرحال اس قسم کے فرائض و ذمہ داریوں کے سوائے باقی جس قدر فرائض اور ذمہ داریاں ہیں وہ شخصی ہیں اور انکا تعلق شخص کی ذات سے ہے۔ چنانچہ ادائی دین کے لئے جو مدیون کی ذمہ داری ہے اس کا تعلق اس کی جائداد اور املاک سے ہے۔ لیکن ملزم کے مقابلہ میں استغاثہ پیش کرنے کا حق جو مستغیث کو حاصل ہے اور ملزم بپاداش ارتکاب جرم اپنے خلاف استغاثہ پیش کئے جانے کا

مستوجب و سزاوار ہے۔ اس کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔ معاہدہ خریدی مال کی تکمیل کا فرض شخص کی جائداد سے متعلق ہے لیکن عقدہ کتخدائی کی تکمیل (حسب قانون انگلستان) کی ذمہ داری کا تعلق شخص کی ذات سے ہے۔

۳۔ حق کے مفہوم عام کے لحاظ سے جائداد صرف حقوق پر مشتمل سمجھی جاتی ہے۔ اور اصطلاح جائداد سے محض حقوق مراد لئے جاتے ہیں۔ لیکن حیثیت ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں نہ صرف حقوق شامل ہیں بلکہ اس میں فرائض ذمہ داریاں اور نا قابلیتیں بھی داخل ہیں۔ مثلاً معاہدہ کرنے کے متعلق جو نابالغ کی عدم قابلیت ہے وہ اس کی حیثیت کا ایک جزو سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ کسی شخص کے قرضہ جات اس کی جائداد کا جزو نہیں خیال کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک شخص کی حیثیت اسکے تمام فرائض ذمہ داریوں ناقابلیتوں اور اس کے جملہ شخصی حقوق پر مبنی اور مشتمل ہوتی ہے۔

۴۔ ہر ایک شخص کی حیثیت اس کے شخصی حقوق فرائض ذمہ داریوں اور ناقابلیتوں کے چھوٹے چھوٹے مجموعوں پر شامل ہوتی ہے۔ اور ان میں کا ہر ایک مجموعہ بذات خود حیثیت کہلاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مرد آزاد شہری شوہر اور پدر کی حیثیت قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح جب ہم زوجہ کی حیثیت کہتے ہیں تو اس سے مراد وہ تمام شخصی منافع اور ذمہ داریاں ہیں جو زوجہ کو حاصل ہوتی اور اس پر عائد کی جاتی ہیں۔ اور جن کا ماخذ قانونی عقد نکاح ہے۔ (اسی طرح زبان (انگریزی) میں حیثیت مجنون اور حیثیت نابالغ کہنے کا رواج پڑ گیا ہے۔

۵۔ بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ حقوق مالکانہ کو حقوق قابل انتقال کہنا چاہئے نہ کہ قیمتی حقوق۔ اور یہی ان حقوق کی صحیح تعریف ہوسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمام قابل انتقال حقوق مالکانہ ہیں۔ کیونکہ جو حق منتقل ہوسکتا ہے اس کا بیع کرنا بھی ممکن ہے۔ اور اس لئے اس حق کی قیمت وابستہ ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ تمام حقوق مالکانہ

حقوق قابل انتقال ہیں۔ ہر ایک قیمتی حق پر۔ حالانکہ وہ ناقابل انتقال ہی کیوں نہو بلحاظ محاورۂ زبان جائداد اور ملک کا لفظ صادق آتا ہے۔ نیز نظریۂ قانون کی رو سے بھی اس طرح کے قیمتی حق کو حق مالکانہ نہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ چنانچہ وظیفۂ ملازمت ایک ناقابل انتقال حق ہے۔ بایں ہم اس کا دولت اور جائداد میں شمار کیا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں لوگ دین کو ناقابل انتقال سمجھتے تھے لیکن ان دنوں بھی اس کا دائن کی جائداد اور املاک میں شمار کیا جاتا تھا۔ اگرچہ اس زمانہ میں بھی کتخدا عورت (ازروئے قانون انگلستان) بعض صورتوں میں اپنی جائداد کو منتقل نہیں کرسکتی ہے۔ لیکن اس پر بھی اس کی جائداد جائداد ہی سمجھی جاتی ہے۔ ان وجوہ کے لحاظ سے ہماری رائے میں حق مالکانہ کی صحیح آزمائش اس کا قابل انتقال ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مالیت اور اس کا روپیہ کے مساوی سمجھا جانا ہے۔ اور جس حق کی مالیت نہیں قرار پاسکتی وہ حق مالکانہ نہیں ہوسکتا۔ اور اگرچہ اس حق کی مالیت قرار پاسکتی ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں بمعاوضۂ قیمت اس کا بیع ہونا ناممکن ہے۔ روپیہ پانے کا حق یا ایسی شئے پانے کا حق جو روپیہ کی شکل میں منتقل ہوسکتی ہو حق مالکانہ ہے۔ اور اس کا اس کے مالک کی جائداد میں شمار کیا جاتا ہے حالانکہ وہ ناقابل انتقال ہے۔

۴۔ زبان انگریزی میں یہ دشواری ہے کہ اصطلاح حیثیت متعدد اور مختلف معنوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ جن میں سے چند مخصوص مفہوم کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

(الف)۔ حالت قانونی خواہ اس کا تعلق شخص کی ذات سے ہو کہ جائداد سے۔ اس اصطلاح کا سب سے زیادہ جامع مفہوم یہی ہے اور بلحاظ ان معنوں کے لفظ حیثیت سے مراد وہ تمام وکمال شان ہے جو قانون ملک کے ذریعہ سے کسی شخص کے لئے قرار دی جاتی ہے بالفاظ دیگر ہر ایک شخص کی حیثیت اس کے تمام حقوق قانونی و فرائض اور ذمہ داریاں اور یا ان کے علاوہ دیگر تعلقات قانونی یا ان میں سے کسی ایک مجموعہ صفات پر

خواہ اس کا تعلق ذات سے ہو کہ جائداد سے مبنی ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر زمیندار (مالک زمین) موصی سول سٹر امین وغیرہ کی حیثیت زبان میں رائج ہو گئی ہے لیکن ان الفاظ کے سننے سے سامع کا ذہن فوراً اس شخص کی حیثیت کی طرف جو زمیندار یا موصی یا سول سٹر ہے رجوع کرتا ہے۔ لیکن لفظ حیثیت کو اس کے مخصوص معنوں میں استعمال کرنے کا عام رواج پڑ گیا ہے۔ اور اس لئے اس اصطلاح کے ذریعہ سے جن اقسام کی مخصوص قانونی کیفیات کا اظہار کیا جاتا ہے ان کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

(ب) حالت قانونی متعلق ذات۔ ان معنوں میں حیثیت سے مراد وہ تمام حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جن کا تعلق شخص کی ذات سے نہ کہ اس کی جائداد سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے لفظ حیثیت کو اب تک انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً مجنون، کتخدا عورت، پدر، ملازم سرکاری اور مدنی وغیرہ کی حالت اور شان کے متعلق لفظ حیثیت (زبان انگریزی میں) استعمال کیا جاتا ہے۔

(ج) قابلیتیں اور ناقابلیتیں جن کا تعلق ذات سے ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے ہر ایک شخص کے ذاتی حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں اور اس کی ذاتی قابلیت اور عدم قابلیت میں فرق کیا جاتا ہے اور بعض مصنفین نے اس اختلاف کی بنا پر شخص کی قابلیت اور عدم قابلیت (اختیار و عدم اختیار) کو اس کی حیثیت قانونی کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر اس مفہوم کا لحاظ کیا جائے تو قانونی حیثیت میں کتخدا عورتوں کے متعلق صرف ان کے معاہدہ کرنے کی قابلیت اور عدم قابلیت کی نسبت قواعد و ضوابط کا بیان کر دینا کافی ہے۔ اور زوجہ کے جو حقوق و فرائض شوہر کے مقابلہ میں ہیں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح قانون مذکورہ میں صرف معاہدات نابالغ کے قانون کا بیان رہے گا۔ اور پدر و فرزند کے حقوق باہمی کا ذکر نظر انداز کیا جائیگا۔ چونکہ ان مصنفین کے نزدیک حیثیت کا مفہوم شخص کی قابلیت اور اختیار رہے۔ اس لئے

ان کی رائے ہے کہ قانون حیثیت کو قانون ملک کا ایک مخصوص جزا ور
مقدمہ خیال کرنا چاہیئے۔ کیونکہ علم قانون اور قانون مجرد میں جہاں مختلف
اشخاص کی جماعتوں کے حقوق اور تعلقات قانونی کی صراحت کیجاتی ہے
اس مقام پر فرض کر لیا جاتا ہے کہ لوگ پہلے سے ان جماعتوں کے حقوق
حاصل کرنے اور تعلقات قانونی پیدا کرنے کی قابلیتوں کا علم رکھتے ہیں۔
لیکن اس میں شک نہیں کہ بعض اصول اور قواعد اس طرح قانون مجرد میں
نفوذ کر جاتے ہیں۔ کہ ان کا ہر ایک ملک کے قانون میں جس کی کہ باقاعدہ
ترتیب ہوی ہو کوڈ (ضابطہ) کے ابتدائی حصہ میں صرف ایک مرتبہ
بیان کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور اس ملک کے مختلف قوانین میں
جن سے وہ متعلق ہوں ان کا اعادہ نہیں کیا جاتا۔ بر اینہم قابلیت شخصی
کے متعلق جس قدر قواعد ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ مجموعۂ قانون ملک
میں بطور مقدمہ ان کا ذکر کیا جائے۔ بلکہ اس کے برعکس مثلاً نابالغ
کے معاہدہ کرنے کی قابلیت کے بیان کے لئے قانون معاہدہ اور اس کے
ارتکاب ٹارٹ کی قابلیت کے ذکر کے واسطے قانون ٹارٹ نہایت صحیح
اور موزوں مضامین ہیں۔ اسی طرح اگر نابالغ کی قابلیت ارتکاب جرم سے
بحث کرنی یا اس کا تذکرہ کرنا منظور ہو تو اس کا صحیح موقع اور محل قانون تعزیرات
ہے۔ اور نابالغ کی قدرت تزویج کا صحیح مبحث قانون ازدواج ہوگا۔ اسکے علاوہ
اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ قابلیت شخصی کا قانون مجرد یا ضابطۂ ملک میں
بطور مقدمہ علیحدہ بیان کرنا مناسب و مفید ہے تو بھی اصطلاح حیثیت کو
اس مخصوص حالت شخصی کے لئے محدود کر لینے کی کوئی جائز اور معقول وجہ
نہیں پائی جاتی۔

(د) جبری حیثیت شخصی اس حیثیت شخصی کی ضد ہے جو بذریعۂ عہد
پیدا ہوتی ہے بعض مصنفین کے نزدیک حیثیت سے مراد شخص کی حالت
قانونی ہے۔ ایسی حالت جو اس کی رضامندی کے بغیر قانون ملک نے
بجبر اس کے لئے مقرر کی ہو اور ایسی حالت کی ضد وہ حالت ہے جس کو

وہ بذریعۂ معاہدہ اپنے لئے پیدا کرتا ہے۔ مثلاً غلام کی حالت ایک قسم کی حیثیت ہے۔ اور ملازم کی حالت معاہدہ ہے۔ غلام کی حیثیت قانون کے ذریعہ سے اور ملازم کی حالت معاہدہ کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے شادی کے ذریعہ سے بھی حیثیت پیدا ہوتی ہے۔ اور متناکحین زن و شوہر کہلاتے ہیں لیکن بظاہر ملازمت اور کتخدائی دونوں کی بنا معاہدہ ہے۔ تاہم دونوں میں فرق ہے۔ گو فریقین کی رضامندی پر شادی کی بنا ہے۔ لیکن اس کا انفساخ میاں بیوی کی رضامندی پر (از روئے قانون انگلستان یا شریعت عیسوی) منحصر نہیں ہے۔ بلکہ نکاح کے ذریعہ سے جو حالت قانونی (حیثیت) پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ بھی قانون ہی کرتا ہے۔ اور اس حالت میں فریقین کے معاہدہ سے کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ اس کے برخلاف شرکت جو بغرض دوکانداری یا تجارت قائم کیجاتی ہے اس کا قانون معاہدہ سے تعلق ہے۔ اور اس کو حیثیت میں شمار نہیں ہو سکتا۔

۵۔ قانون اشخاص و قانون اشیاء۔ بعض رومی مقننین نے جیسا کہ گیس اور اس کے معاصرین ہیں ملک کے قانون اصلی کی دو حصوں میں تقسیم کی ہے۔ اور ان کے لئے جُس کو اڈا پڑ پرسوناس پرٹینیٹ (Jus Grodad Personas pertinet جس کو اڈا ریز پرٹینیٹ (Jus Grodad ris pertinet) القاب مقرر کئے ہیں جن کا عموماً لوگ قانون اشخاص اور قانون اشیا ترجمہ کرتے ہیں۔ لیکن اس تقسیم کی خوبی اور صحت کے متعلق علما اور اساتذۂ قانون نے کثرت سے مباحثے اور مناقشے کئے ہیں۔ اور اس پر اعتراضات کی بوچھار ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تقسیم اور امتیاز کسی صحیح اور واضح منطقی تحلیل پر مبنی ہو۔ اور اس مقام پر اس کے حسن و قبح کے متعلق تفصیلی بحث کرنا خالی از تطویل نہیں ہے۔ لہذا

؎ اینشنٹ لا (قانون قدیم) مرتبہ و مولفہ مسٹر مین خاتمہ باب پنجم۔ مبادی القانون مولفہ مارکبی فصل (۱۴۸) رومن لا (قانون روما) مولفہ ہنٹر دیکھنا چاہیئے۔

ہماری رائے میں متقدمین نے جو قانون کے اس طرح دو حصے مقرر کئے تھے اس کی وجہ وہ امتیاز ہے جو حقوق شخصی اور حقوق ملکیت میں پایا جاتا ہے۔ یعنے جو فرق حیثیت اور جائداد میں ہے اس فرق کی بنا پر رومی قانون کی تقسیم کی گئی تھی۔ جس قانون کا لقب قانون اشیا تھا۔ وہ اس زمانہ کا قانون جائداد یعنے قانون حقوق ملکیت ہے۔ اور وہ قانون جو قانون اشخاص کہلاتا تھا وہ زمانہ حال کا قانون حیثیت یعنے قانون حقوق شخصی ہے بشرطیکہ اس قسم کے حقوق کے متعلق علیحدہ بحث کرنا یا ان کو قانون جائداد کے ان مضامین اور حصوں سے جدا کرکے مصنف کو بیان کرنا منظور ہو جن سے وہ بالکل غیر متعلق سمجھے جاتے ہوں۔[1]

فصل ۱۹۸ حقوق بہ جائداد خویش حقوق بہ جائداد غیر

مفسرین قانون روما نے حقوق کی جورا ان ری پروپریا (Jura in re propria) اور جورا ان ری الائینا (Jura in re aliena) میں تقسیم کی ہے۔ پہلی اصطلاح کے معنی حقوق بہ جائداد خویش اور دوسری اصطلاح کا مفہوم حقوق بہ جائداد غیر ہے۔ اس دوسری اصطلاح کے لئے انگریزی زبان میں زیادہ سلیس اور موزوں لفظ ان کمبرنس بمعنی مواخذہ و بار ہے۔ لہذا حقوق بجائداد غیر کے واسطے مواخذہ اور بار کا استعمال کرنا میری رائے میں زیادہ مناسب ہے بشرطیکہ لفظ مواخذہ کا وہ مفہوم لیا جائے جو سب سے زیادہ وسیع ہے۔[2]

---

[1] نظام قانون فصل ۹۵ مرتبہ سیو اسے نی دیکھنا چاہیئے۔

[2] اگرچہ رومیوں کے یہاں مواخذہ داری کے واسطے سروی ٹیوٹ (Servitute) کہا جاتا تھا۔ لیکن انگریزی لفظ سروی ٹیوڈ (Servitude) بلحاظ مفہوم اس قدر وسیع نہیں ہے اور اس کا اطلاق حقوق بہ جائداد غیر کی صرف ایک قسم پر کیا جاتا ہے۔ یعنے حق جو غیر کی جائداد غیر منقولہ پر حاصل ہو۔ اور انھی حقوق کو قانون روما میں سروی ٹیوٹس پریڈ اورم (Servitutes praediorum) کہتے تھے۔

جب ایک شخص کی جائداد میں دوسرے شخص کو حق حاصل ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے صاحب جائداد کے حق ملکیت میں جو پہلے حق سے زیادہ وسیع اور عام ہوتا ہے کمی واقع ہو۔ اور وہ محدود ہوجائے تو اس دوسرے شخص کے حق کو حق در جائداد غیر یا مواخذہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے جس قدر حقوق ہیں وہ حقوق بہ جائداد خویش کہلاتے ہیں۔ بسا اوقات ایک شخص کا حق دوسرے شخص کے حق مخالفانہ کے تابع اور ماتحت سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی سبب سے دوسرے شخص کے حق کو پہلے شخص کے حق پر ترجیح دی جاتی ہے۔ پہلے شخص کے حق کا دائرہ محدود ہوکر اس کے تصرف وغیرہ میں کمی واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ مالک زمین کا حق بصورت پٹہ اراضی خواہ اس کی مدت کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو پٹہ دار (اسامی) کے تصرف عارضی کی وجہ سے اسی مدت کے لئے محدود ہوجاتا اور اس دوسرے شخص کے حق کے تابع قرار پاتا ہے۔ اسی طرح مالک زمین کا حق مرتہن کے اس حق قبضہ و بیع کے تابع ہوجاتا ہے۔ جو اس کو جائداد مرہونہ پر حاصل ہوتا ہے۔ اسی قبیل کی امثلہ میں زمین ملحقہ کے مالک کا تصرف راہ اور دیگر حقوق آسائش داخل ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بائع اراضی کا حق جبکہ اس نے بیع نامہ کے ذریعے سے مشتری سے تصرف اراضی مبیعہ کے متعلق شرائط امتناعی طے کر لئے ہوں۔ مثلاً زمین مبیعہ پر مشتری سے کسی قسم کی تعمیر نہ کرنے کے متعلق عہد لیا جائے۔

اس حق کے لئے جس پر کسی دوسرے حق کا بار ڈالا جاتا ہے لقب تابع (Servient) تجویز کرنا مناسب ہے۔ اور جس بار یا مواخذہ کی وجہ سے اس حق میں کمی واقع ہوتی ہے اس کو مسلط یا (Dominant) غالب کہنا زیبا ہے۔ انگریزی زبان میں یہ اصطلاحات قانون روما سے لی گئی ہیں۔ اور بااتباع قانون مذکور سروی ٹیوڈز بمعنی تابعیات یعنے حقوق بہ جائداد غیر میں ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ رومی مقننین ان دو قسم کے حقوق میں سے اُس کو جو عام اور ماتحت ہے مجازاً تابع کہتے تھے۔

کیونکہ اس طرح کا حق اپنے اس دوسرے مخصوص حق کے تابع اور ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ اور جس کی فضیلت کی وجہ سے اُس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس طرح اصطلاح سروِیٹس (Servitus) کا اطلاق جس کے معنی اطاعت و تسخیر ہیں اور جو سروی ٹیوٹ سے مشتق ہے ان دونوں حقوق میں سے اعلیٰ اور مسلط حق کے لئے مخصوص ہو گیا۔ اور ابتداءً اُس کے ذریعہ سے ان دونوں حقوق میں جو نسبت سمجھی جاتی تھی اسی کا وہ مفہوم بتدریج مفقود ہوتا گیا۔ اسی طرح لفظ آبلی گیشو (Obligatio) بمعنی قرض کا ابتدائی مفہوم ساقط ہو کر اب اس سے مراد حق دائن لی جاتی ہے۔ حالانکہ اس کے اصلی معنی مدیون کا ازروئے قانون دائن کی اطاعت و قید میں رہنا ہے[1]

حق بہ جائداد خویش اور حق بہ جائداد غیر کی اصطلاحات کے موجد اصل میں قانون روما کے مفسرین اور مشرحین ہیں۔ کیونکہ ان کا پتا رومیوں کے اصلی اور قدیم قانون میں نہیں ملتا۔ لیکن جس غرض سے ان مفسرین نے حقوق کی اس طرح تقسیم کی ہے اس کی اہمیت بخوبی ظاہر ہے۔ چنانچہ مال منقولہ کے مالک کا حق ایسا حق ہے جو اس کو اپنی جائداد پر حاصل ہے۔ لیکن گروی رکھنے والے یا کسی اور مواخذہ دار کا حق وہ حق ہے جو اس کو کسی دوسرے کی جائداد اور ملک پر حاصل ہوتا ہے۔

ایک حق بہ جائداد غیر کو دوسرے حق بہ جائداد غیر کے تابع ہونے سے کوئی شئے مانع نہیں ہے۔ چنانچہ پٹہ دار (اپنے حق مقابلہ بضت کا) ذیلی پٹہ دے سکتا ہے۔ یعنے وہ اپنے پٹہ کو کسی دوسرے شخص کو پٹہ پر دینے کا مجاز ہے۔ اور اس طرح ذیلی پٹہ دار کو ایک ایسا حق بہ جائداد غیر عطا ہوتا ہے جس کا موضوع بنفسہٖ اسی قسم کا ایک حق ہے۔ اس مثال میں پٹہ دار کا حق

---

[1] مالک مواخذہ یا صاحب حق مسلط کو حق یا جائداد کا جس پر پہلے حق کا بار عائد کیا جاتا ہے مواخذہ دار بھی کہہ سکتے ہیں۔

بمقابلہ حق مالک زمین مسلط و متبوع ہے۔ لیکن بلحاظ حق پٹہ دار ذیلی تابع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مرتہن زمین مرہونہ کو دوسرے شخص کے پاس رہن کر سکتا ہے۔ اور اس طرح وہ ذیلی رہن کا موجد ہو سکتا ہے۔ ملکیت زمین کے اعتبار سے رہن اول حق مسلط ہے۔ لیکن بلحاظ رہن ذیلی یعنے رہن ثانی وہی رہن حق تابع ہے۔ اسی طرح ان حقوق آسائش کا جن کا تعلق جائداد غیر منقولہ سے ہوتا ہے پٹہ پر دیا جانا یا ان کا رہن کرنا جائز ہے ان تمثیلات سے ظاہر ہے کہ حقوق بہ جائداد غیر اسی قسم کے دوسرے حقوق کے تابع ہو سکتے ہیں۔ اور جو شئے بذات خود ایک قسم کا بار ہے اس پر اسی قسم کا دوسرا بار عائد کیا جا سکتا ہے۔ قیاساً اس طرح کے سلسلۂ حقوق کا قائم کرنا جس میں دوسرا حق اپنے پہلے حق کو محدود کر کے اس میں کمی پیدا کرے ممکن ہے۔ اور اس کو جس قدر طویل بنانا چاہیں بن سکتا ہے۔

کوئی شخص ازروئے فطرت اپنے حق کو کمال آزادی سے استعمال کرنیکا مجاز نہیں ہے۔ اور اس بنا پر کسی حق کو جس کا استعمال چند قیود و شرائط فطری کے ساتھ محدود کیا گیا ہو حق تابع یا حق زیر بار کہنا صحیح نہیں ہے۔ اگر ان فطری قیود و شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے تو دنیا میں جس قدر حقوق ہیں وہ سب کے سب حقوق تابع یا زیر بار کے زمرہ میں داخل سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ مختلف انسانوں کے مختلف اور متضاد اغراض و مقاصد ہیں۔ اور اس اختلاف کے سبب سے ان کے حقوق میں بھی تصادم واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا حقوق نسبت جائداد غیر کے سوائے دوسرے کل حقوق کا استعمال فطرتاً ایک گونہ محدود ہے۔ مثلاً " اشیائے مادی کے مالکوں کی آزادی اس مقولہ کے تابع ہے کہ " تم اپنی ملک کے ساتھ اس طرح مسلوک ہو اور اس پر ایسا تصرف کرو جس سے دوسرے کی ملک کو ضرر نہ پہنچے " ہر ایک شخص کو اس امر سے محترز رہنا چاہئے کہ اپنی جائداد کے استعمال کرنے میں اس سے دوسروں کے حقوق کی پامالی اور دوسروں کی جائداد کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ ہر چند انسان ازروئے قانون تھوڑوں تک کا مالک ہو سکتا ہے۔ لیکن ملکیت کے یہ معنی

نہیں ہیں کہ صاحب سنگ ریزہ اُن کو اپنے پڑوسی کے دروازوں اور کھڑکیوں کی طرف پھینکے۔ اسی طرح مالک زمین بھی بلحاظ ملکیت آزاد ہے لیکن اس کی آزادی ایسی کامل اور مطلق نہیں ہے کہ وہ اپنے متصل اور ملحق اراضی کے مالکوں یا عوام کے مقابلہ میں امور باعث تکلیف کا مرتکب ہوسکے۔ بہرحال ان تمثیلات میں جن حقوق کا ذکر کیا گیا ہے یا اسی قبیل کے اور جس قدر حقوق ہیں ان سب کے متعلق جو شرائط و قیود پائے جاتے ہیں وہ اصل میں ایسے صحیح و معتدل حدود و قیود ہیں جن کو فطرت اور قانون ملک نے قائم کیا ہے۔ اور ان قیود و شرائط کو ان مستثنیٰ اور مصنوعی موانعات اور قیود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو حقوق نسبت جائداد غیر کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ کسی مالک کی جائداد اور اس کے حق میں اغیار اس قسم کے حقوق حاصل کرتے ہیں۔ اور اس لئے حق تابع نہ صرف ایک قسم کا محدود و مقید حق ہے کیونکہ تمام دوسرے حقوق بھی جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا فطرتاً محدود و مقید ہیں۔ بلکہ وہ ایک ایسا محدود حق ہے جس کی معمولی حدود بھی دوسرے حقوق سے زیادہ تنگ و کوتاہ کر دیے جاتے ہیں۔ یہ وہ حق ہے جو کسی دوسرے اعلیٰ حق کے زیر اثر ہونے سے اپنے کو اپنے صحیح اور فطرتی حدود تک بھی کشادہ نہیں کرسکتا۔ جب تک کسی حق کے حدود و جہات فطرتی کا تعین نہ کر لیا جائے۔ ان دیگر حقوق کے متعلق بحث کرنی بے سود ہے جن کا اثر اس پر پڑنے سے اُس کی وسعت اور عمل میں کمی واقع ہوتی ہے۔

حق بہ جائداد غیر یا مواخذہ اور بار کے لئے انگلستان کے ادب قانونی کے محاورہ کے لحاظ سے ضرور ہے کہ وہ اُس حق کے ساتھ جو اس کی وجہ سے زیر بار ہوتا ہے جاری رہے۔ یعنے جب تک حق زیر بار قائم ہے مواخذہ بھی قائم رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر حق متبوع اور حق تابع دونوں کا بالاستقلال اور علی الاتصال جاری رہنا لابد اور لازم ہے۔ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تابع کی ملکیت میں تبدیل ہونے سے بھی حق متبوع کا اثر اس سے زائل نہیں ہوسکتا۔ جب پہلا حق ایک شخص سے دوسرے شخص کو منتقل ہوتا ہے

یا اس کے مالک موجودہ کے بجائے دوسرا شخص اس کا مالک قرار پاتا ہے۔ تو منتقل الیہ یا مالک جدید کو حق بتبوع کا لحاظ کرنا اور اپنے حق کو حق بتبوع سابقہ کے زیر اثر تسلیم کرنا لازم ہے۔ جو بار کہ حق مسلط کی وجہ سے حق تابع پر عائد ہوتا ہے وہ اس دوسرے حق کے باقی رہنے تک زائل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا نہ ہو یعنے حق تابع یا جائداد زیر مواخذہ حق بتبوع کے بار سے سبکدوش ہوکر منتقل ہو سکتی ہو تو بار یا مواخذہ کا وجود بے کار ثابت ہوگا۔ کیونکہ ایسی شکل میں اس قسم کا بار شخص کی ذات سے نہ کہ اس حق یا جائداد سے متعلق سمجھا جائیگا۔ حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ اور بار یا مواخذہ کا اثر شخص کے حق اور جائداد پر نہ کہ اس کی ذات پر عائد ہوتا ہے۔ اور ایسی صورتوں میں چونکہ یہ حق اپنے کمال اثر و عمل کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ اس لئے مالک جدید کی طرف وہ اپنے پورے اثر و عمل کے ساتھ منتقل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مشتری کو زمین بیعہ کے ساتھ جس کی بیع کے متعلق معاہدہ کیا جائے ایک حق بتبوع ہے۔ یا حق نسبت جائداد غیر حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس معاہدہ کے ذریعہ سے جو کسی مال منقولہ کی فروخت کے متعلق کیا جاتا ہے اس طرح کا حق نہیں پیدا ہو سکتا۔ پہلی قسم کے معاہدہ کو جائداد مبیعہ سے اتصال و توسل ہے۔ اور دوسری قسم کے معاہدہ کا مال بیعہ سے اس طرح کا تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح زمین یعنے جائداد غیر منقولہ کی حقیقت مستقل و قابل ارث (for Simple) پر ہر منفی کا بار جیسا کہ تعمیر نہ کرنے کے متعلق شرط کا قائم کرنا ہے ڈالا جا سکتا ہے۔ اور باوجود اس زمین کے متعدد مالکوں کے ہاتھ میں منتقل ہونے کے اس قسم کی نرالئف وذمہ داریوں کا اثر اس سے زائل نہیں ہو سکتا۔ لیکن عہود وشرائط مثبت کا تعلق معاہد کی ذات سے تعلق ہے۔ اور اُن کی وجہ سے اس حقیقت مستقل و قابل ارث میں جو اس کو حاصل رہتی ہے کوئی کمی نہیں واقع ہوتی ہے۔ اور اس لئے وہ اپنی اس طرح کی حقیت یا جائداد غیر منقولہ کو کسی ذمہ داری اور بار کے بغیر دوسرے شخص کو منتقل

کرسکتا ہے۔

حقوق تابع اور متبوع میں جو اتصال ہے۔ اور وقت واحد میں دونوں کے ایک ساتھ جاری رہنے کی جو ضرورت ہے اس کے مختلف مدارج ہیں۔ بعض وقت ان حقوق میں اس قسم کا اتصال اور اجرا بدرجۂ کمال اور کبھی ناکمل طور پر پایا جاتا ہے۔ حق متبوع تابع کے ساتھ سلسلہ وار متعدد مالکوں تک جاری رہتا ہے۔ اور بعد ازاں جب ہی جائداد دوسرے مالکوں کے سلسلہ میں منتقل ہوتی ہے تو پہلا حق ساقط ہو جاتا اور ان کو نہیں پہنچتا ہے۔ ان حقوق کے اتصال و اجرا کی حالت از روئے قانون اور نصفت جداگانہ ہے۔ جس جائداد کے متعلق قانون میں حق متبوع تسلیم کیا جاتا ہے اس کے وجود کو نصفت (ایک وِٹی) نہیں مانتی۔ اور اسی طرح جب نصفت میں ان حقوق کا اتصال و اجرائے باہمی قرار پاتا ہے تو قانون اس کو نہیں تسلیم کرتا۔ لیکن جب از روئے نصفت اس طرح کے حقوق وجود پذیر ہوتے ہیں تو یہ اتصال حقوق غیر مکمل اور جزوی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ شخص جس کو حق متبوع حاصل ہے اس مشتری کے مقابلہ میں جس نے قیمت ادا کر کے جائداد یا حق تابع خریدا ہو اپنے حق کی اطلاع دینے کے بغیر اپنے اس حق کا ادّعا نہیں کرسکتا۔ از روئے قانون ان حقوق متبوع کی مثالیں جو اپنے حقوق تابع کے ساتھ جاری رہ سکتے ہیں۔ حقوق آسائش، پٹہ جات اور راہن قانونی ہیں۔ اور از روئے نصفت جن حقوق متبوع کا اثر جائز سمجھا جاتا ہے ان کی مثالیں معاہدہ برائے پٹہ رہن نصفتی ایسا معاہدہ جس کے ذریعہ سے تصرف زمین کے متعلق کوئی ممانعت یا قید لگائی جائے۔ اور امانت ہیں۔ اس دوسرے زمرہ کی تمثیلات میں جن مواخذوں یعنے حقوق مسلط و متبوع کا ذکر کیا گیا ہے ان کو قانون تسلیم نہیں کرتا۔ اور اس لئے ان کے حصول کے متعلق قانون میں کوئی چارۂ کار نہیں قرار دیا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فرق جو حقوق نسبت جائداد خود و حقوق نسبت جائداد غیر میں

بتلایا گیا ہے وہ محض حقوق متعلق اشیا یا حقوق در اشیاء کے دائرہ تک محدود نہیں ہے۔ حقوق خلاف اشخاص اور حقوق متعلق شئے دونوں قسم کے حقوق دوسرے حقوق کے لئے بار یا مواخذہ ہوسکتے ہیں۔ اور اسی طرح سے ان دونوں قسم کے حقوق پر دوسرے حقوق کا بار پڑ سکتا ہے چنانچہ مدیون اپنے ان قرضہ جات کو جو از روئے بہی کھاتہ اس کی تجارت یا دوکانداری میں اس کو وصول طلب ہوں مکفول کرسکتا ہے۔ اسی طرح سے وہ اپنے ان حصص کو جو کسی کمپنی میں ہوں یا اپنے اس سرمایہ کو جس کو اس نے تجارت میں لگایا ہو کفالت میں دے سکتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص سرمایہ جات سرکاری میں حقیت حین حیات کا مستحق ہوسکتا ہے۔ اسی طرح زمین میں بھی اس کو ملکیت یا حقیت حین حیات حاصل ہوسکتی ہے۔ جس طرح ایک شخص اپنے اس حصہ کو جو کسی سرمایہ امانتی میں ہو مکفول کرسکتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے مال منقولہ کی کفالت لے سکتا ہے۔ بہرحال حق بتبوع (بار یا مواخذہ) کی صحیح آزمائش اس امر پر موقوف نہیں ہے کہ مواخذہ رکھنے والے شخص کا حق متعلق شئے ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اس کا تمام دنیا کے مقابلہ میں ادعا کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کا حق اس قسم کا ہے جس کا ادعا وہ جائداد زیر مواخذہ یا حق تابع کے ان مالکوں کے خلاف جن کو اس کی ملکیت ملنے کے بعد دیگرے پہنچتی ہے اپنے حق کا ادعا کرسکتا ہے۔

مواخذہ (یا بار) کی چار قسمیں ہیں یعنی پٹہ سرودی ٹیوڈ (حق استفادہ بہ ملکیت تابع) کفالت اور امانت۔ ان اقسام کی نسبت اس کے بعد کسی دوسرے باب میں مفصل بیان کیا جائے گا لیکن اس مقام پر ان چیزوں کی اجمالی کیفیت کا ذکر کرنا کافی ہے۔

(۱) پٹہ ایک ایسا بار مواخذہ جائداد ہے جس کی وجہ سے غیر شخص کو مالک کی جائداد پر حق قبضہ و تمتع حاصل ہوتا ہے۔

(۲) سرودی ٹیوڈ ایک ایسا حق ہے جس کے سبب سے صاحب حق کو

غیر کی زمین کے ایک قطعہ پر تمتع اور تصرف کا محدود حق پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس حق میں زمین زیر مواخذہ کی ملکیت اور قبضہ شامل نہیں۔ مثلاً زمین ملحقہ پر سے راستہ چلنے اور اس پر سے روشنی لے آنا یا اسکو مجرائے آب قرار دینے کے حقوق۔

(۳) کفالت ایک ایسا مواخذہ یا بار ہے جو بغرض تحفظ دین دائن کو مدیون کی ملک پر حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ادائی دین تک مدیون کے کسی مال منقولہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا دائن کا حق اس مواخذہ کی مثال ہے۔

(۴) امانت ایک ایسی زیر بار اور مواخذہ دار جائداد ہے جسکی ملکیت ایک نصفتی وجوب کی وجہ سے محدود ہو کر اس کا تمتع ایک دوسرے شخص کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے۔ جائداد زیر بار یا مواخذہ دار کا مالک امین ہے۔ لیکن اس بار یا مواخذہ کا مالک یا بالفاظ دیگر صاحب حق متبوع مامون لہٗ ہے۔

فصل ۴۸ حقوق اصلی و اضافی

حقوق تابع و متبوع میں جو نسبت ہے۔ اور جس کا بیان اس کے قبل ابھی کیا گیا ہے اس کے برعکس اور متضاد وہ نسبت ہے جو حقوق اصلی و اضافی کے درمیان پائی جاتی ہے۔ ہر ایک حق پر دوسرے حقوق کا کچھ نہ کچھ ضرور اثر پڑتا ہے۔ اور ہر ایک حق میں اس طرح سے متاثر ہونے کی قابلیت ہے۔ لیکن اس اثر کی دو قسمیں ہیں۔ مضر و مفید حق کا اثر مضر اس اثر کو کہتے ہیں جب کسی حقدار کا حق شخص غیر کے حق کی وجہ سے محدود ہو کر اس کی وسعت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ چونکہ فصل سابقہ میں اس حق کی بابت تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ لہذا اب اس کے متعلق مزید بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حق کا اثر مفید اس اثر کو کہتے ہیں جب مالک کے حق محصلہ میں ایک دوسرے حق کے حاصل ہونے سے اضافہ ہو۔ اس طرح سے جب کسی شخص کے حق میں افراط ہوتی ہے تو از روئے اصطلاح پہلا حق اصلی اور دوسرا اضافہ شدہ حق اضافی کہلاتا ہے۔ مثلاً کفالت کے ذریعہ سے جس حق کی استواری و حفاظت

کی جاتی ہے وہ حق اصلی ہے۔ اور کفالت کے ذریعہ سے جو حق حاصل ہوتا ہے وہ اضافی ہے۔ سروی ٹیوڈ (حق استفادہ بہ ملکیت تابع) اس زمین کی ملکیت کے لئے حق اضافی ہے جس کے فائدہ اور نفع کے واسطے وہ وجود پذیر ہوتا ہے۔ پٹہ کے متعلق جو عہود و شرائط قائم کئے جاتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں جو زر تحصیل ہوتا ہے وہ سب کے سب مالک زمین کے حق ملکیت کے مقابلہ میں حقوق اضافی ہیں۔ یعنے اس کی ملکیت ہیں جو اس کا حق اصلی ہے ان فوائد کے ذریعہ سے اضافہ ہوتا ہے۔ دستاویز حقیت انتقال جائداد میں حقیت (یا ماخذ حق) کے متعلق جو شرائط درج کئے جاتے ہیں وہ جائداد منتقلہ کے لئے اضافی ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس حق دعویٰ اس حق کے واسطے حق اضافی ہے جس کو اجرا اور تعمیل کے لئے عطا کیا جاتا ہے۔

حق خلاف شخص کا حق اضافی حق متعلق شئے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ رہن زمین کے ذریعہ سے جس قرضہ کی کفالت کیجاتی ہے وہ اس مقولہ کی مثال ہے۔ اسی طرح ایک حق خلاف شخص دوسرے حق متعلق شئے کا حق اضافی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ان (شرائط) کی حالت ہے۔ جن کے ذریعہ سے کسی پٹہ کا وجود ہوتا ہے۔ اسی پر موقوف نہیں ہے بلکہ بعض وقت ایک حق خلاف شخص دوسرے حق خلاف شخص کا حق اضافی قرار پاتا ہے مثلاً جب ادائی دین کے متعلق دائن کو بذریعۂ ضمانت اطمینان دلایا جاتا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک حق جو بلحاظ دوسرے حق کے متبوع سمجھا جاتا ہے وہی حق ایک تیسرے حق کے لئے اضافی قرار پاتا ہے۔ اگرچہ اس حق کے ذریعہ سے ایک دوسرے حق میں کمی واقع ہوتی ہے لیکن اسی کے سبب سے ایک تیسرے حق میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی مشہور مثال حق استفادہ بہ اراضی تابع ہے۔ مثلاً وائیٹ ایکر (نام قطعۂ الاراضی) کے مالک کو ایک دوسرے شخص کی ملحقہ اراضی موسومہ بلیک ایکر پر سے گذر کر شارع عام کو جانے کا حق حاصل ہے۔ بلحاظ بلیک ایکر حق راہ حق متبوع ہے

اور اس کے ساتھ ہی وایٹ ایکر کے لئے وہی حق اضافی ہے۔ کیونکہ اس کا بار تو بلیک ایکر پر پڑتا ہے۔ لیکن اس کا نفع وایٹ ایکر کو پہنچتا ہے۔ اور اسی بنا پر بلیک ایکر ملکیت (یا حقیت) تابع اور وایٹ ایکر ملکیت متبوع کہلاتی ہیں۔ یہی کیفیت اس رہن کی ہے جس کے ذریعہ سے حصول یا ادائی دین کے لئے جائداد مکفول کی جاتی ہے۔ رہن بلحاظ جائداد مرہونہ حق متبوع ہے۔ اور بلحاظ اس دین کے جس کے لئے جائداد مکفول ہوئی ہے حق اضافی ہے۔ اس کے مرتہن کے حق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مالک زمین (یا زمیندار) کا پٹہ دار سے بمعاوضہ پٹہ زر تحصیل وصول پانے کا حق بلحاظ پٹہ متبوع اور بلحاظ حق عود اضافی ہے۔ بر ایں ہم حق متبوع کا ہمیشہ دو صفتیں ہونا لازمی نہیں ہے۔ چنانچہ عوام کو جس راستہ سے چلنے کا حق حاصل رہتا ہے اسکی وجہ سے اس میں شک نہیں کہ اس زمین پر جو اس حق کے تابع ہے مواخذہ اور بار پڑتا ہے۔ لیکن عوام کا حق راہ کسی دوسری زمین کے لئے حق اضافی نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس پٹہ کی بھی یہی کیفیت ہے جو حق متبوع تو ہے لیکن اس کے ذریعہ سے کسی دوسرے حق اصلی میں اضافہ نہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس طرح کے پٹہ میں حق متبوع نہ کہ حق اضافی بننے کی قابلیت ہوتی ہے۔

فصل ۸۵ حقوق قانونی و نصفتی

اس کے قبل کسی ایک باب میں کامن لا اور نصفت (ایک وِٹی) میں جو فرق ہے اس کا بیان ہو چکا ہے۔ اور اس مقام پر ہم نے اس امر کو بصراحت دکھلایا ہے کہ ان دونوں نظامات قانون میں جن پر قانون غیر موضوعہ کی عدالتیں اور عدالت چانسیری جداگانہ عمل کرتی تھیں ابتدا اگر بہت کچھ اختلاف اور مغائرت تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ حقوق کے بھی دو اقسام قرار دئے گئے تھے حقوق قانونی اور حقوق نصفتی۔ حقوق قانونی سے مراد وہ حقوق ہیں جن کو قانون کی عدالتیں تسلیم کرتی تھیں۔ حقوق نصفتی (جن کو نصفتیں بھی کہتے ہیں) وہ حقوق ہیں جن کی دادرسی محض عدالت چانسیری کے

ذریعہ سے ہوتی تھی - ہر چند قانون محکمہ جات عدالت بابتہ ۱۸۷۳ء کے نافذ ہونے سے قانون اور نصفت میں الحاق اور انضمام واقع ہوا اور دونوں میں جو امتیاز تھا وہ اب باقی نہیں رہا ہے تاہم اب بھی اس اختلاف و امتیاز کا وجود پایا جاتا ہے - اور اس کو نظام قانون انگلستان کا ایک لازمی اور قدرتی نتیجہ سمجھنا چاہیئے - چنانچہ قانون مذکور کے جاری اور نافذ ہونے کے قبل جو حق کہ محض حق نصفتی سمجھا جاتا تھا اب بھی اس حق کا تعلق نصفت سے ہے -

چونکہ اندنوں (انگلستان اور سلطنت برطانیہ کی) تمام عدالتوں میں بلا امتیاز و تفریق ہر ایک قسم کے حق کے متعلق مدعی کی دادرسی ہوسکتی ہے - اور ہر ایک عدالت ان حقوق کی تعمیل کرانے کی خواہ وہ قانونی ہوں کہ نصفتی مجاز ہے اس لئے لوگوں کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ جو فرق حقوق قانونی اور حقوق نصفتی میں ہے وہ غیر اہم ہے - لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے - اور خصوصاً دو صورتوں میں جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے - ان حقوق کے نتائج اور اثرات عملی میں اب بھی اختلاف عظیم پایا جاتا ہے -

(۱) حقوق قانونی اور نصفتی کے وجود پذیر ہونے اور منتقل ہونیکے طریقے بھی مختلف ہیں - مثلاً زمین کا رہن قانونی دستاویز کے ذریعہ سے عمل میں لایا جاتا ہے - لیکن اگر اسی زمین کو نصفتی رہن کرنا منظور ہو تو اس کے متعلق معاہدہ کا تحریر کیا جانا محض زمین مرہونہ کے دستاویزات حقیت کا مرتہن کو حوالہ کیا جانا کافی ہے - اسی طرح کا فرق پٹہ قانونی اور پٹہ نصفتی اور قانونی سردی ٹیوڈ اور نصفتی سردی ٹیوڈ میں پایا جاتا ہے - علی ہذالقیاس زمین کے اس بار کفالت میں جو از روئے قانون اس پر ڈالا جاتا ہے اور اس بار کفالت میں جو از روئے نصفت اس پر عائد کیا جاتا ہے اختلاف ہے - اسی قبیل کے اکثر ایسے حقوق ہیں جن میں قانون اور نصفت کی رو سے فرق کیا جاتا ہے -

(۲) حقوق قانونی سے زیادہ حقوق نصفتی کا وجود غیر اختیاری اور

غیر معین ہے۔ اگر دو شخص ایک دوسرے کے مقابلہ میں دو مخالف قانونی حقوق کی بنا پر ایک ہی شئے کے متعلق ادعا کریں تو اس شخص کا حق تسلیم کیا جاتا ہے جو باعتبار وقت ان دونوں میں مقدم ہو۔ چنانچہ زبان لاطینی میں اس کے متعلق جو مقولہ ہے اس کا مفہوم ہے کہ جو شخص بلحاظ زمان اول ہے اس کا دعویٰ ازروئے قانون قوی تر ہے۔ جب دو مخالف حقوق نصفتی میں اس طرح کا مقابلہ آن پڑتا ہے تو ان پر بھی اسی طرح کے ایک قاعدہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن جب اس طرح کا تصادم حق قانونی اور حق نصفتی میں واقع ہوتا ہے تو حق قانونی کو حق نصفتی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور پہلا حق دوسرے حق کو مستاصل کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اس دوسرے حق سے موخر ہی کیوں نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ حق قانونی کے مالک نے بمعاوضہ قیمت اپنے اس حق کو خریدا اور پایا ہو اور بوقت خریداری اس کو اس نصفت (یا حق نصفتی) کی جو اس کے حق قانونی سے مقدم ہے اطلاع ملی ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر رہن قانونی کو جو موخر ہی کیوں نہ ہو رہن نصفتی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اس کے متعلق یہ اصول ہے کہ جب دو برابر کی نصفتیں (حقوق نصفتی) ہوں تو قانون حاوی ہو جائے گا۔ یعنے حق قانونی کو ترجیح دیجائیگی مقدم حق نصفتی کو جو موخر حق قانونی کے مقابلہ میں شکست پانے کی ضرورت ہے اس کا سبب وہ مخصوص نقص اور علامت امتیاز ہے جو تمام حقوق میں پایا جاتا ہے جو محض نصفتی ہیں[1]۔

خلاصہ

۱۔ حقوق { کامل۔ قابل تعمیل و نفاذ منجانب قانون۔
ناقص۔ اگرچہ قانون ان کو تسلیم کرتا ہے لیکن انکی تعمیل اسکی جانب سے نہیں کرائی جاتی

---

[1] یاد رکھنا چاہیئے کہ اس باب میں جن مختلف حقوق کا ذکر کیا گیا اور جن کے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے ان کے علاوہ حقوق کی ایک اہم تقسیم حقوق اولیں اور حقوق مکافاتی بھی ہے لیکن چونکہ اس امتیاز زمانی کی نسبت سابق کے اس باب میں جس میں عدل گستری پر بحث کی گئی ہے بصراحت ذکر ہو چکا ہے۔ لہذا اس باب میں اس کا بیان نظر انداز کیا گیا ہے۔

نوعیت و خاصیت حقوق بمقابلہ سرکار۔

۲۔ حقوق { مثبت (موجبہ) جنکی ضد فرائض مثبت اور منفی افعال ناجائز ہیں۔
منفی (سالبہ) جنکی ضد فرائض منفی اور ناجائز افعال مثبت ہیں۔

۳۔ حقوق { متعلق شئے۔ انکی ضد ایسے فرائض ہیں جنکا محل وقوع غیر معین ہو (تمام فرائض منفی)
خلاف شخص۔ انکی ضد وہ فرائض ہیں جنکا محل وقوع معین ہو (تقریباً تمام فرائض مثبت)

حقوق متخرج از حقوق (ایسے حقوق جو دوسرے حقوق سے پیدا ہوتے ہیں)

ملک اور قرض۔

۴۔ حقوق { مالکانہ (حقوق ملکیت) جن پر شخص کی جائداد یا ملکیت مبنی ہوتی ہے۔
شخصی۔ جن سے شخص کی حیثیت یا حالت شخصی قرار پاتی ہے۔

اصطلاح حیثیت کے دیگر مفاہیم و استعمالات۔

۵۔ حقوق { بر جائداد خود۔
بر جائداد غیر۔ سروی ٹیوڈس (بہ جائداد غیر) بار (مواخذہ)

حقوق کے فطرتی حدود۔ فرق جوان حدود اور بار یا مواخذہ میں پایا جاتا ہے۔
اتحاد و اتصال مابین بار یا مواخذہ اور حق زیر بار۔
بار یا مواخذات حقوق متعلق اشیا یا حقوق خلاف اشخاص ہوا کرتے ہیں۔

اقسام مواخذات {
۱۔ پٹہ جات
۲۔ سروی ٹیوڈس (حقوق استفادہ بہ ملکیت تابع)
۳۔ کفالت ناجات۔ کفالت۔
۴۔ امانت۔

۶۔ حقوق اصلی و اضافی۔
۷۔ حقوق قانونی و نصفتی۔
۸۔ حقوق اولین و مکافاتی۔

تمت

صحت نامۂ اصول قانون

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴	۲۵	لئے	سوائے	۲۴۱	۳	ادقات قانون	رواجات قانون
۴۵	۲۴	مجبوری	بمجبوری	۲۴۳	۲۴	تفاسیر	شروح
۶۲	۱۳	ضرورتوں	صورتوں	۲۴۶	۶	ہو	ہوئی
۶۴	۱۶	صدر	مصدر	۲۴۰	۹	کوبیشی	کم وبیشی
۱۱۸	۱۸	بناگیا تھا	بنایا گیا تھا	۲۷۱	۱۲	تطبیل	تبطیل
۱۴۳	۱۷	فطور	فتور	۲۷۸	۵	بیش بہاقیمت	بیش قیمت
۱۵۷	۱۶	جزہم	جرم	۲۹۷	۱۲	جر	جبر
۱۷۷	۱۵	تیتا	نبتا	۳۱۴	۱۴	حق حق ہے	حق ہے
۱۷۹	۲	وساتیر	دساتیر	۳۱۷	۱	ہوتا ہے	ہوتا ہوں
۱۹۷	۲۰	منصفانہ ہوکہ نہو	منصفانہ ہوکر نہو	۳۲۲	۵	سودیانے	سود پانے
۲۰۳	۱۱	استاجیوٹ	اسٹاچیوٹ	۳۵۰	۱	حق ضمنی حق تھی	ضمنی حق تھی
۲۱۶	۲۳	اصطلاح ور	اصطلاح اور	۳۵۱	۶	Odligatia	Odligatio
۲۲۶	۱۹	زبان ودعبارت	زبان وعبارت	۳۵۳	۱	Patri	Patri
۲۳۹	۷	رسم	رواج			-maine	-moni
				۳۵۳	۳	حالت شخص ہے	حالت شخصی ہے
				۳۵۸	۲و۴	سول سہر	سول سٹر
				۳۷۱	۹	ودصفتیں	ذوصفتیں
۲۴۰	۲۵	جا	جلد	۳۷۱	۲۵	نصفتیں	نصفیتں

نوٹ

اس کتاب میں اگر موقع انکار نکرے تو ہر جگہ بجائے رسم کے رواج پڑھنا چاہیے۔

تمت